.....اور مت پردہ پوشی کرو سچ کی جھوٹ سے نہ چھپاؤ سچائی کو جب تم جانتے ہو..... (القرآن)

ذوالفقار علی بھٹو

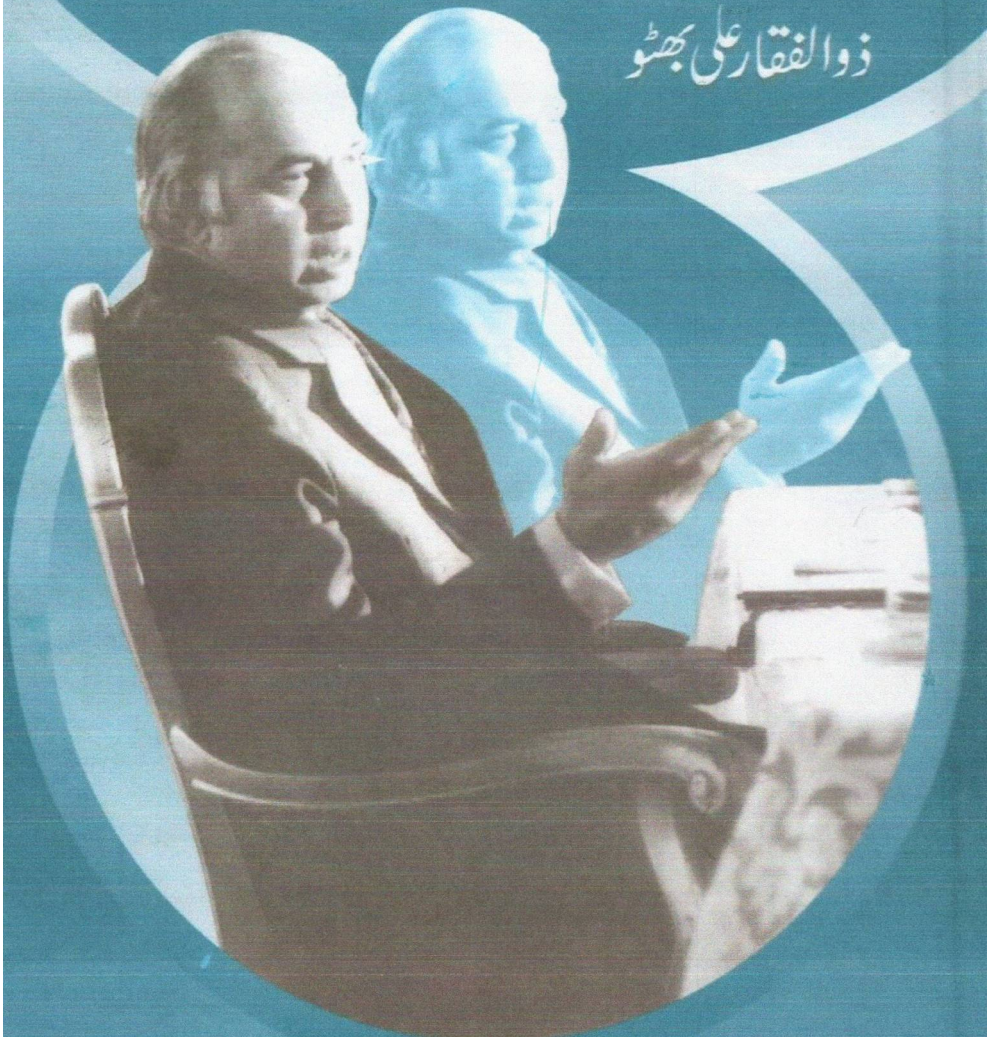

افواہ اور حقیقت

یہ کتاب بھٹو دور کے انتہائی اہم واقعات کے بارے میں بھٹو کا موقف بھٹو کی تحریر میں پیش کرتی ہے

www.bhutto.org

www.bhutto.org

افواہ اور حقیقت

ذوالفقار علی بھٹو

الطاف احمد قریشی

کلاسیک 42- دی مال، لاہور

www.bhutto.org

جملہ حقوق محفوظ

نومبر 2007ء

قیمت: -/200روپے

ISBN 978-969-28-0219-2

آغا امیر حسین

کلاسیک ناشر و تاجر

چوک ریگل۔ ۴۲ دی مال لاہور ۵۴۰۰۰

فون:7312977 فیکس:7323963

Email:agha@classicpublishers.com

www.classicpublishers.com

طابع:

سید ندیم حسین آغا

سپوتنک پرنٹرز

13-C فین روڈ لاہور

موبائل:0300-4442227

www.bhutto.org

ابتدائیہ

افواہ اور حقیقت (RUMOUR AND REALITY)، دراصل جواب ہے ان الزامات کا جو ایک معصوم اور بے قصور شخصیت پر لگائے گئے۔ یہ تحریر تاریکی کے اس دور کی کہانی ہے جب حقیقت اور سچائی کو مسخ کرنے کے لیے جھوٹ اور ناقابل یقین پراپیگنڈے کے ذریعے عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ آمر مطلق ضیاء الحق اور اس کی تمام ریاستی مشینری پاکستان کے عوام کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی اس لیے کہ پاکستان کے عوام حقائق سے آگاہ تھے، وہ اپنے عظیم قائد ذوالفقار علی بھٹو کے کردار و عمل سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو ان کے بے چہرہ جسموں کو چہرے دینے کی جدوجہد کر رہے تھے، ان کو ان کے حقوق دلوانے، اس ملک پر چھائی ہوئی تاریکیوں کو دور کرنے، استحصال سے پاک غیر طبقاتی سماج قائم کرنے کی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو در حقیقت ان کی بقاء اور ان کے روشن مستقبل کے لیے ظالم استحصالیوں کے خلاف برسر پیکار ہی نہیں تھے بلکہ وہ پاکستان کی مضبوطی، اس کی حفاظت اور اس کی ترقی و خوشحالی کے لیے نئے نوآبادیاتی نظام کے علمبرداروں کے خلاف بھی وقت کی سب سے مشکل لیکن انتہائی اہم جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ اس جنگ میں اپنی جان تو ہار گئے لیکن اپنی قوم کو ایک نئی جیت کے مزے سے روشناس کرا گئے۔

افواہ اور حقیقت۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو کی آخری تحریر ہے جس میں انہوں نے ہر اس افواہ کا حقائق کے ذریعے منہ توڑ جواب دیا جو ضیاء الحق اور اس کی آمریت کے حصہ داروں نے اس لیے پھیلائی تا کہ شہید بھٹو کے ساتھ عوام کی بے پناہ محبت اور وابستگی کے طلسم کو توڑا جا سکے۔ اس کتاب کے تیس ابواب شہید ذوالفقار علی بھٹو نے راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کی کوٹھری میں اس وقت تحریر کیے جب لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف ان کی اپیل کی سماعت سپریم کورٹ میں ہو رہی تھی۔ شہید بھٹو کی جرأت کو سلام کہ انہوں نے موت کو اپنی کوٹھری کی دہلیز پر کھڑے دیکھ کر بھی اپنے اعصاب کو اپنے قابو میں رکھا اور اس ملک اور اس کے عوام دشمنوں پر اپنے قلم کے ذریعے وار کرتے رہے۔

www.bhutto.org

شہید ذوالفقار علی بھٹو کی اس کتاب کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اسے ایک تیسرے آدمی یعنی Third Person کی حیثیت سے تحریر کیا ہے۔ ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے جو بیٹھا تو باہر ہو لیکن گزرتے ہوئے ہر لمحے اور ہر واقعہ کا عینی شاہد ہو اور اسے ضبط تحریر میں لا رہا ہو۔ اس قسم کی تحریریں خود معروضیت (Self Objectification) کی تعریف میں آتی ہیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ کام ذوالفقار علی بھٹو جیسا زیرک اور فہم و فراست والا آدمی ہی انجام دے سکتا ہے۔ کتاب کے آخری دو ابواب شہید ذوالفقار علی بھٹو سے محبت کرنے والے دوستوں نے غیر ملکی اخبارات، رسائل اور جرائد کی مدد سے تیار کیے ہیں۔ یہ دونوں ابواب کتاب کے پہلے تیس ابواب کو تقویت بہم پہنچاتے اور ان کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔

میں نے بطور مترجم کوشش کی ہے کہ شہید ذوالفقار علی بھٹو کے ہر لفظ کو اس کے محسوسات کے ساتھ اردو میں منتقل کیا جائے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ میں اس میں پوری طرح کامیاب ہوا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میرا کیا ہوا ترجمہ شہید کی تحریر سے قریب تر ضرور ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے شہید ذوالفقار علی بھٹو کی اس تحریر کو اردو میں منتقل کر کے اپنے فرض کو کسی حد تک پورا کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی میں محترمہ بینظیر بھٹو کی قیادت میں اس انقلاب کی روشنی کو اس ملک میں پھیلتے ہوئے دیکھوں جس کی ابتداء میرے اور اس ملک کے کروڑوں افلاس زدہ بے بس و مجبور عوام کے عظیم قائد شہید ذوالفقار علی بھٹو نے کی تھی اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اس لیے کہ بقول حبیب جالب

ہو گا طلوع، کوہ کے پیچھے سے آفتاب
شب مستقل رہے گی کبھی یہ نہ سوچئے

آخر میں میں مس ناہید خان اور ڈاکٹر صفدر عباسی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے تعاون کے بغیر یہ اہم تحریر عوام تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

الطاف احمد قریشی

www.bhutto.org

پہلا باب

افواہ:

ذوالفقار علی بھٹو شاید واحد حکمران ہیں جنہیں قتل کی سازش تیار کرنے پر سزا دی گئی۔ قتل کی یہ سازش ان کے دور حکومت میں تیار کی گئی اور اسی دوران اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ بھٹو کے خلاف مقدمہ قوانین اور قواعد وضوابط کے تحت چلایا گیا۔

حقیقت:

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایک ایسی سازش کا شکار ہوئے جس کی دو پرتیں ہیں۔ ان کے خلاف یہ سازش اس لیے تیار کی گئی اور اس پر عمل درآمد اس لیے کیا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے وطن کے انتہائی اہم مفادات پر سودے بازی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اپریل 1977ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے پارلیمنٹ میں آگاہ کر دیا تھا کہ ''شکاری کتے میرے خون کے پیاسے ہیں'' مسٹر بھٹو ایک بین الاقوامی سازش کا نشانہ بنے جس کا مقصد ان کی منتخب حکومت کو کمزور اور غیر مستحکم کرنا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر بھٹو نے فرانس کے ساتھ نیوکلیئر ری پراسیسنگ پلانٹ کا جو معاہدہ کیا تھا انہوں نے اس کو منسوخ کرنے یا اس میں تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی شہر لاہور میں، جہاں انہیں سزائے موت سنائی گئی، ایک بڑی طاقت نے اگست 1976ء میں مسٹر بھٹو کو متنبہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے نیوکلیئر ری پراسسنگ پلانٹ کے بارے میں اپنا موقف تبدیل نہ کیا تو ''انہیں ایک عبرتناک مثال بنا دیا جائے گا۔'' اس بڑی طاقت کا خیال تھا کہ اگر پاکستان نے نیو کلیائی ٹیکنالوجی حاصل کر لی تو یہ ٹیکنالوجی مسلم ممالک کو منتقل کر دی جائے گی جن کے ساتھ مسٹر بھٹو نے انتہائی قریبی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ اگر عربوں کو نیوکلیائی ٹیکنالوجی حاصل ہو گئی تو پھر تیل کے ذخائر جن پر تمام مغربی تہذیب کا انحصار ہے اس قدر محفوظ ہو جائیں گے کہ مستقبل میں تیل پر پابندی لگنے کی صورت میں یہ تمام ذخائر مغرب کے تسلط سے نکل جائیں گے۔ مغرب کی رسائی ان

www.bhutto.org

تک نہیں ہو سکے گی۔ اس بڑی طاقت کو اس کا شدت سے احساس تھا کہ ''ترقی یافتہ مغرب'' کی تہذیب کو ''پسماندہ'' مسلم قوتوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اگرچہ ری پراسسنگ پلانٹ کے معاہدے میں کاسٹ آئرن تحفظات شامل تھے تاکہ پُرامن مقاصد کے لیے حاصل کیے گئے پلانٹ کو نیوکلیائی ہتھیاروں کی تیاری کے لیے استعمال نہ کیا جا سکے، اس کے باوجود یہ بڑی طاقت پاکستان کے لیے ری پراسسنگ پلانٹ کے حصول کو بہت بڑا خطرہ سمجھتی تھی۔ اسی لیے ایسے شخص کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کی پاکستان، اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کے لیے خدمات کو عالمی سطح پر سراہا گیا تھا اور ان خدمات کو عالمی سطح پر قابل احترام جانا گیا تھا۔

چنانچہ ایک غیر ملکی طاقت اور اندرونی مزاحم عناصر نے مل کر چند فوجی جرنیلوں کی سرکردگی میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جائز اور بے حد مقبول منتخب حکومت کا تختہ 5 جولائی 1977ء کو علی الصبح ایک بغاوت کے ذریعے الٹ دیا۔ سازش کا پہلا مرحلہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی سربراہی میں قائم پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا تختہ الٹنے سے مکمل ہوا۔

اپنے ناجائز اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے عوام کی خواہش اور مرضی کی بجائے وحشیانہ طاقت کے استعمال پر انحصار کیا گیا۔ جنرل نے منظم طور پر خوف و دہشت اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف پاکستان بلکہ اس پورے علاقے کے استحکام کو خطرہ پیدا ہو گیا۔

برصغیر نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، ان کے خاندان، ان کی کابینہ کے ساتھیوں اور ان کی پارٹی کے خلاف کردار کشی کی انتہائی گھروہ اور کمینگی سے پُر اتفاقی مہم کا سامنا کیا۔ جنتا نے مسز ذوالفقار علی بھٹو کو تباہ کرنے، انہیں ختم کرنے کے لیے ایسے وحشیانہ اور غیر انسانی ہتھکنڈے استعمال کیے کہ انسانی تہذیب و شرافت منہ چھپائے پھرتی تھیں۔

جنتا نے اپنے غیر متنازعہ سیاسی مخالف کو الزام تراشی، مقدمے بازی اور ایک انتہائی مضحکہ خیز الزام قتل میں پھانسی جیسے غیر مہذب طریقوں کے ذریعے قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ قتل کے نام سے جو ڈرامہ رچایا گیا، وہ درحقیقت مقدمے کا قتل تھا۔

اس نام نہاد مقدمے میں، مسٹر احمد رضا قصوری کے سوا، جس کے والد کی موت کی خیالی تحقیقات عدالت کر رہی تھی، استغاثہ کے چالیس گواہوں میں سے ہر ایک سرکاری ملازم تھا جو جنتا کے رحم و کرم پر تھا۔ تمام بڑے گواہوں نے ''گواہی'' دینے سے پہلے کئی ماہ فوج اور پولیس کی تحویل میں گزارے تھے۔

www.bhutto.org

مسٹر احمد رضا قصوری بھی، جسے غلط طور پر مسٹر بھٹو کا سیاسی مخالف قرار دیا گیا تھا، فی الواقع سرکاری ملازم تھا۔ نہ تو اس نے اور نہ ہی اس کے خاندان کے کسی فرد نے قومی، صوبائی یا بلدیاتی انتخاب کبھی جیتا۔ البتہ مسٹر قصوری نے 1970ء میں قومی اسمبلی کا انتخاب صرف اس لیے جیتا تھا کہ چیئرمین بھٹو نے اسے پاکستان پیپلز پارٹی کا ٹکٹ دیا تھا۔ مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی 1967ء میں قائم ہوئی۔ پارٹی کے قیام کے وقت اس وقت کے صدر جنرل یحییٰ خان کے ایجنٹ پارٹی میں گھس آئے۔ دسمبر 1971ء میں جب پاکستان پیپلز پارٹی نے اقتدار سنبھالا تو یہ راز ظاہر ہو گیا کہ مسٹر قصوری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تنخواہ دار تھے اور ان ایجنسیوں کے احکامات پر کام کرتے تھے جیسے وہ جنرل یحییٰ کی فوجی حکومت کے ساتھ مالی فائدے حاصل کرنے کے لیے تعاون کرتے رہے اسی طرح وہ جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے ساتھ بھی تعاون کر رہے ہیں۔ مسٹر قصوری گزشتہ دو ماہ سے اپنی بیوی کے ہمراہ ملک کے خرچ پر مغربی دنیا کا دورہ کر رہے ہیں تاکہ مغرب کو لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کی ''راستی'' (اس کے صحیح ہونے) کے بارے میں ''تعلیم'' دے سکیں۔ مسٹر قصوری اور جنتا مسٹر قصوری کے اس دعوے کو کہ وہ مسٹر بھٹو کے ایک ''سیاسی مخالف'' ہیں اس بنیاد پر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسٹر قصوری سابق وزیراعظم کے دور میں ان کی پالیسیوں اور خود ان پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ پاکستانی پارلیمنٹ کی کارروائیوں پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وزیراعظم پر اور بھی بہت سے لوگ تنقید کرتے رہے ہیں۔ پارلیمنٹ کے اندر ذرائع ابلاغ کے ذریعے یا عام جلسوں میں ایک دوسرے پر تنقید، بحث و مباحثہ اور بعض اوقات کڑوے کسیلے اور ترش و تند لفظوں کا تبادلہ جمہوری معاشرے کا حصہ ہوتا ہے۔ جمہوری اداروں اور جمہوری روایات سے آشنا ممالک فوری طور پر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ الزام مضحکہ خیز ہی نہیں احمقانہ بھی ہے۔ اگر پاکستان کے قائد کی زندگی خطرے میں نہ ہوتی تو یہ الزام پاکستان میں بھی مسخرہ پن کا شاہکار گنا جاتا۔

تمام مقدمہ مارشل لاء کی ایک خصوصی ٹیم نے تیار کیا تھا۔ اس ٹیم کی سربراہی ایک میجر جنرل کر رہا تھا جس کی معاونت فیڈرل انوسٹی گیٹنگ ایجنسی (ایف آئی اے) کا ڈائریکٹر جنرل صغیر انور، سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مرحوم ایم انور اور مسٹر جسٹس مولوی مشتاق، جس نے لاہور میں مسٹر بھٹو کے مقدمہ کی سماعت کرنے والے فل بنچ کی سربراہی کی، کر رہے تھے۔ یہ ٹیم اپنے تیار کیے

www.bhutto.org

ہوئے مقدمہ کے ہر مرحلہ کی رپورٹ لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی کو دیتے تھے۔ لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی ''ایکشن سیل'' کا سربراہ تھا اور یہ شخص مقدمے کی کارروائی کے بارے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اطلاع دیتا۔

قتل کے تیار کردہ اس مقدمے میں جس کا تانا بانا مارشل لاء کی جابرانہ مشینری نے بنا تھا، تضادات تھے اور یہ تضادات الزام کے جھوٹے ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ فوجداری قانون کی تاریخ میں شاید یہ پہلا مقدمہ ہے جس میں دو سرکاری اور تین غیر سرکاری اقراری مجرم ہیں۔ تین غیر سرکاری اقراری مجرم وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حقیقی طور پر قتل کیا تھا۔ اگرچہ واقعہ کے تانے بانے ملانے میں بہت زیادہ فرق ہے اور ان کی ہر بات دوسری بات کو ختم کر دیتی ہے۔ ان تینوں غیر سرکاری مجرموں سے مشہور زنداں خانہ لاہور قلعہ میں تشدد کے ذریعے جرم کا ''اعتراف'' کرایا گیا۔ ان تینوں کو یقین دلایا گیا کہ انہیں پھانسی پر نہیں لٹکایا جائے گا۔ ''اعتراف جرم'' کرنے پر انہیں تقریباً ایک سال بعد رہا کر دیا جائے گا اور انہیں مال و دولت سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ مقدمہ میں اعتراف کرنے والے تین اقراری مجرم ہیں اور ان کے ساتھ تین سرکاری اقراری مجرم ہیں (اگر سعید احمد کو شامل کر لیا جائے تو سرکاری اقراری مجرموں کی تعداد تین ہو جاتی ہے)

اعتراف جرم کرنے والے چوتھے شخص میاں عباس نے، جو بعد میں اپنے بیان سے منحرف ہو گیا اور پھر بعد میں انحراف سے بھی انحراف کر گیا، اپنے اعتراف جرم کے بارے میں تفصیلات بتائیں کہ کس طرح اس سے اعتراف جرم کرایا گیا۔ بدظن اور متعصب بنچ نے ان تفصیلات کو اپنے ایک فیصلے کے ذریعے باہر نہ آنے دیا جس کے تحت کریمنل پروسیجر کوڈ کے سیکشن 342 کے تحت ملزموں کے بیانات کی کارروائی بند کمرے میں کر دی گئی۔

استغاثہ کے تمام مقدمے کو ایک ایسے پاکستان کی غیر فطری کہانیوں اور قصوں کے ساتھ، جس کی حکومت جدید بورگی شہزادے کے پاس ہو، مقبوضہ اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سنسنی خیز اور ڈرامائی بنا کر سابق وزیراعظم کے خلاف ہسٹریائی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جونہی دفاع کی کارروائی کا وقت آیا (صرف میاں عباس نے دفاع کیا۔ مسٹر بھٹو نے عدالت کی بدظنی اور تعصب کے خلاف احتجاجاً دفاعی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا) تو عدالت کو ''ڈارک روم'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ کارروائی بند کمرے میں شروع کر دی گئی۔ عدالت نے بند

www.bhutto.org

کمرے کی کارروائی کا بھی خود ہی مضحکہ یوں اڑایا کہ تین اقراری ملزموں کے قطعی جھوٹ کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے خوب اچھالا جبکہ سابق وزیراعظم کے بیانات کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے مشتہر کرنے پر پابندی لگادی۔ بنچ نے انہیں ان کے اپنے بیانات کی نقول تک مہیا کرنے سے انکار کردیا۔

ہر نظام قانون قتل کے مقدمے میں ملوث ملزم کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ اس پر عام عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ اسلامی اصول قانون اور عام قانونی روایات میں، جن پر پاکستان کے نظام قانون کی بنیاد رکھی گئی ہے، عام عدالت میں مقدمہ چلانے کا تصور موجود ہے۔ امریکی آئین کی چھٹی ترمیم کے تحت بھی عام عدالت میں، کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کی شق انصاف کا غیر متبدل حصہ ہے۔ کھلی عدالت میں مقدمہ کی کارروائی تمام نظام ہائے قانون کا بنیادی ستون ہوا کرتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ ملزم کو خواہ مخواہ تشہیر کا موقع ملے، جیسا کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے استہزائیہ طور پر، کھوکھلے پن کے ساتھ کہا، بہرحال کہا تو ہے بلکہ اس لیے کہ اس طرح کھلی عدالت میں جج بے انصافی نہیں کرتے۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ نے اس واجب الاحترام اصول کی، جو تمام مہذب نظام ہائے قانون کا حصہ ہے، بڑی بے حیائی، ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ دھجیاں اڑائیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بند کمرے کی کارروائی کے دوران عدالت ایک معصوم اور بے گناہ شخص کو، عوام کے محبوب رہنما کو موت کی سزا دے کر قتل کر سکے۔

لاہور ہائی کورٹ کے بنچ کی منافقت تو یہ یاد کر کے ہی واشگاف ہو جاتی ہے کہ اس نے بین الاقوامی سطح پر یہ کہا کہ مقدمہ ''دن کی پوری روشنی'' میں چلایا جائے گا لیکن بنچ نے اسے بند عدالت میں منتقل کر دیا۔ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق نے، جسے مقدمے کی کارروائی کے دوران چیف جسٹس کے عہدے پر ترقی دی گئی تھی، اور جن کی جگہ دو بار مسٹر بھٹو نے کسی اور کو ترقی دے دی تھی، سابق وزیراعظم کے خلاف فیصلہ دینے والے بنچ میں اپنی مرضی کے اپنی پسند کے جج رکھے تھے۔ اس نے بنچ میں وہ دو جج نہیں شامل کیے جنہوں نے رضا قصوری کی نجی شکایت کے مقدمے میں مسٹر بھٹو کو ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ ڈویژنل بنچ کے دو ججوں نے جب مسٹر بھٹو کو انصاف دینے کا یقین دلایا تو اس شکایت کو سرکاری مقدمہ کی شکل دیدی گئی۔

اس مقدمہ کی فوری کارروائی ہائی کورٹ کی سطح پر کرنے اور سیشن کورٹ کی سطح پر اسے نہ چلانے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جنتا اور لاہور ہائی کورٹ کے بنچ نے مسٹر بھٹو کو ان کی پہلی اپیل کے حق سے محروم کر دیا۔ یہ وہ پہلا انحراف تھا جو قانونی کارروائی کے دوران اصول قانون سے

www.bhutto.org

کیا گیا۔ اس کے بعد متعدد بار اصول قانون سے انحراف کیا گیا۔

مقدمہ کی کارروائی کے دوران ججوں نے جو انتقامی اور مریضانہ رویہ اختیار کیا وہ انصاف کا تمسخر اڑانے کی انتہائی مکروہ داستان ہے۔ اسے سابق گورنر اور سابق وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر غلام مصطفیٰ کھر نے حال ہی میں لندن میں خوب بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1975ء میں مولوی مشتاق نے مسٹر کھر کو بتایا تھا کہ ''بھٹو سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے سر میں گولی ماری جائے'' یہ وہی آدمی ہے جس نے سابق وزیر اعظم کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ سنانے والے بنچ میں شامل ہونے کے لیے دباؤ ڈالا اور آخر کار سابق وزیر اعظم کو موت کی سزا سنائی۔

www.bhutto.org

دوسرا باب

افواہ:

ایک تصویر جو ظاہر کرتی ہے کہ جب پاکستان میں بھٹو برسر اقتدار تھے تو کس طرح قانون اور اس کے اداروں، عوام کے حقوق اور آزادیوں کو سلب کیا گیا، تصویر میں ایک الماری دکھائی گئی ہے جو ڈھانچوں سے بھری ہوئی ہے۔

حقیقت:

جب مارشل لاء کی دہشت کسی قوم پر طاری ہو جاتی ہے تو زندگی کبھی نہ ختم ہونے والے بھیانک خواب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ امید کہ طلوع سحر کے ساتھ ہی بھیانک خواب ختم ہو جائے گا اس وقت دم توڑ دیتی ہے جب آنکھ کھلنے پر، جاگنے پر یہ معلوم ہو کہ نجاست، غلاظت اور کمینگی ہی وہ دائمی بھیانک خواب ہے جس نے ہماری حقیقی زندگیوں کو اپنی ناپاک گرفت میں جکڑ رکھا ہے۔ ایک ایسے بے آئین، بے قانون معاشرے میں جہاں زبردست کا جوتا سر پر ہو، جہاں طاقت ہی سب کچھ ہو، جہاں سیاہ سفید میں اور سفید سیاہ میں تبدیل ہو جائے، وہاں عدل اور انصاف کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ ایسے سماج میں جہاں آمر مطلق نے پورے ملک کو عقوبت خانے میں تبدیل کر دیا ہو اور ہر شہری کو اس کے بنیادی انسانی حق سے محروم کر دیا ہو، وہاں صرف کوئی بے حس اور ماؤف ذہن والا آمر مطلق ہی عوام کے حقوق اور آزادیوں کے بارے میں بات کرنے کی ''جرأت'' کر سکتا ہے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو 1970ء کے عام انتخابات کے ذریعے صدر اور بعد میں وزیر اعظم منتخب ہوئے تھے، مارچ 1977ء میں ایک بار پھر مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی بھاری اکثریت کے ساتھ انتخابات میں کامیاب ہوئی تھی۔ اکتوبر 1977ء کے انتخابات کو اچانک یکم اکتوبر 1977ء کو ملتوی کر دیا گیا۔ اس التوا کی وجہ تھی اور وہ وجہ یہ تھی اور وہ وجہ یہ تھی کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان

www.bhutto.org

کی پارٹی دوبارہ بہت بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہونے والی تھی اور اس کامیابی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ پاکستان کی تیس سالہ تاریخ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وہ واحد رہنما ہیں جنہوں نے ایک بار نہیں بلکہ دو مرتبہ عوامی فیصلہ اپنے حق میں حاصل کیا۔ اگر کوئی رہنما عوام کو ان کے حقوق اور آزادیاں دینے سے انکار کرے تو عوام میں اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوا کرتیں۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستانی عوام کی طرف سے جو بے پناہ حمایت حاصل تھی اس سے واضح ہوتا ہے کہ عوام کے حقوق کو پامال کرنے کی بجائے انہوں نے انتہائی ذہانت کے ساتھ عوام کی امیدوں، امنگوں اور خواہشوں کو ابھارا اور ان کے آدرشوں کو واضح شکل دی۔ انہوں نے بے بس و مجبور اور بے چہرہ لوگوں کو وقار اور احترام دیا۔ موہنجوداڑو کے وجود کے بعد سے اب تک کے عرصے میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بے نام لوگوں کو، ننگے جسموں والے لوگوں کو، افلاس زدہ لوگوں کو بتایا کہ وہ بھی اتنے ہی باوقار اور محترم ہیں جتنے وہ لوگ جو سماج میں روشن چہروں والے، بڑے ناموں والے سمجھے جاتے ہیں۔ پہلی بار اس دھرتی پر قومی وسائل کو سماج کے چند منتخب طبقوں کی بجائے غریب اور نادار عوام کے طبقوں کی بہتری کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی پارٹی کے لیے عوام کی محبت اور حمایت کی وجہ یہ ہے کہ عوام کو یقین ہے کہ مسٹر بھٹو کی حکومت نے انہیں معاشی اور سیاسی فائدے پہنچائے ہیں۔ اگر کوئی غاصب عوامی وزیراعظم کو ''جدید میکیاویلی'' کہتا ہے تو اس کے دیئے ہوئے اس لقب سے مسٹر بھٹو کے لیے عوام کی بے پناہ محبت، چاہت اور حمایت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سابق وزیراعظم کی کردار کشی کی کوششیں قتل کے الزام اور معدنی پانی کے جھوٹے مقدمات بھی ان کی عوامی حمایت کو ختم نہ کر سکے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو احساس ہو گیا کہ اس کی تمام تر کوششیں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں اور مسٹر بھٹو کو جو عوامی حمایت حاصل ہے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے جنرل نے تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی تاکہ مسٹر بھٹو کے حق میں ہونے والے عوامی مظاہروں کو روکا جا سکے۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بارہ ماہ بعد جو خلاء پیدا ہوا ہے جو سیاسی بے معنویت پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ سے ملک تباہی کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ وقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آزادانہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات میں عوام کی صحیح شرکت کے ذریعے اس تباہی سے ریاست کو بچایا جائے۔ وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے باوجود انتخابات کی تاریخ کا اعلان نہیں کیا جا

www.bhutto.org

رہا اور اس کی وجہ جنرل کا یہ حقیقی خوف ہے کہ عوام مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی پارٹی کو پھر بہت بھاری اکثریت کے ساتھ اقتدار میں لے آئیں گے۔ چنانچہ جنتا نے انتخابات نہ کرا کر، سیاسی حقوق پامال کر کے، جمہوری اداروں کے بغیر، ملک کو بے آئین کر کے پاکستان کو بنجر زمین میں تبدیل کر دیا ہے۔

جنرل ضیاء الحق نے عوام کے ''حقوق اور آزادیوں'' کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کا مظہر 16 دسمبر 1977ء کو قذافی سٹیڈیم میں بیگم نصرت بھٹو پر پولیس کا حملہ ہے۔ بیگم صاحبہ پر پولیس حملہ کی جلادانہ اور خوفناک سازش پہلے سے تیار کی گئی تھی۔ اس حملہ کی تیاری بریگیڈئر بشیر المعروف ''بریگیڈئر بیش بیش'' اور اس کے دوستوں نے بلوچستان میں عارضی قیام کے دوران کی تھی۔ عوام کے لیے جنرل ضیاء کے ''احترام'' کا اظہار 2 جنوری 1978ء کو ملتان کے قتل عام کے ذریعے ہو گیا تھا۔ ہالہ میں انسانوں کا قتل، تربت میں طلباء پر مظالم، خضدار میں عوام کا قتل، فیصل آباد میں لوگوں پر فائرنگ، دادو کا قتل عام اور چارسدہ میں عوام پر ہونے والے مظالم، عوام کے لیے جنرل ضیاء کے ''احترام'' کے چند ایک مظاہر ہیں۔ فہرست بہت طویل ہے۔ یہ سب کچھ اس حکومت کی طرف سے انسانوں کو شرف انسانیت سے گرانے، انہیں ذلیل و خوار کرنے، انہیں غلام بنانے کی ایک المناک داستان کا حصہ ہے اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے کیا گیا کہ پاکستان کے عوام عقوبت خانے میں بند، اپنے پابجولاں رہنما کی حمایت سے باز آ جائیں۔ یہ سب کچھ انہیں سزا دینے کے لیے کیا گیا۔

جنرل غیر انسانی سزاؤں کے ذریعے عوام کی زبانوں پر تالے لگانے کی ناکام کوششوں میں اب بھی مصروف ہے۔ پاکستان کے عوام کو بتایا جا رہا ہے کہ ''پُر ہجوم مقامات پر چند مزید پھانسیاں'' انہیں سبق سکھا دیں گی۔ جنرل نے لاہور میں بڑے تکبر سے اعلان کیا کہ وہ ایک ممتاز صحافی کو ''الٹا'' لٹکا دے گا۔ اس پاک صاف دھرتی پر پہلی بار اخبار نویسوں کو کوڑے لگائے گئے۔ پارلیمنٹ کے ارکان کو کوڑے لگائے گئے، چھوٹے بچوں کو کوڑے مارے گئے، خواتین کو شیر خوار بچوں سمیت جیلوں میں ٹھونسا گیا، مارشل لاء کی عدالتوں میں فوری ''انصاف'' مہیا کیا جا رہا ہے جہاں ملزموں کو اپنے دفاع کا کوئی حق نہیں دیا جاتا اور انہیں بیک جنبش قلم کوڑوں اور قید بامشقت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ ہاتھ کاٹنے کے فیصلے دیئے جاتے ہیں۔ اور سرعام پھانسیاں دی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ عوام کے خلاف نفسیاتی جنگ کا حصہ ہے اور اس کا مقصد عوام کے دلوں اور ذہنوں

www.bhutto.org

پر مارشل لاء کا خوف ثبت کرنا ہے۔

جنرل انتہائی متشددانہ اور ظالمانہ اور وحشیانہ آمریت کو چلا رہا ہے۔ اس قسم کی وحشت و بربریت وادی سندھ کی تہذیب نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے ظلم و تشدد، کمینگی اور منافقت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ اسے عوام پر اعتماد نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے کہے ہوئے لفظ پر یقین رکھتا ہے۔ اس نے ہمیشہ جھوٹ بولا ہے۔ اور انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے ان وعدوں کو توڑا ہے جو اس نے عوام کے سامنے کیے۔ وہ چھوٹا انسان ہے۔ منتقم مزاج ہے۔ وہ مجسم برائی اور بدطینت شخص ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس زمین کے باعزت اور واجب الاحترام عوام کے لیے خوف و دہشت کی سیاہ ترین اور طویل ترین رات ہے۔

www.bhutto.org

تیسرا باب

افواہ:

احمد رضا قصوری کے والد کا قتل تو ایک طرف رہا، بھٹو کے دور میں بہت سے دوسرے قتل بھی ہوئے لیکن تا حال ان کے مجرم نہیں مل سکے۔ ان میں سب سے اہم ممتاز بلوچ رہنما سردار عطاء اللہ مینگل کے بیٹے اسد اللہ مینگل کے قاتل ہیں۔ تحقیقات بے مقصد رہی ہیں لیکن ملک بھر میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تمام قتل عمدہ طریقے سے منظم کی گئی سازش کے تحت ہوئے جس کے پیچھے سابق وزیر اعظم کا ہاتھ ہے اور اس سازش کا مقصد اپنے سیاسی مخالفین سے جان چھڑانا تھا۔

حقیقت:

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساڑھے پانچ سالہ دور اقتدار میں ہونے والی طبعی اور غیر طبعی اموات کا ذمہ دار سابق وزیر اعظم کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مارشل لاء کے دور میں عام جگہوں پر دی جانے والی پھانسیوں، کوڑے مارنے کی سزاؤں، ہاتھ قلم کرنے کی دھمکیوں، فوری اور انتہائی سخت سزاؤں کے باوجود، (یہ تحفے پاکستان کو مارشل لاء نے دیئے ہیں) اب بھی قتل ہوتے ہیں اور ان کے مجرم اب بھی نہیں ملتے۔ یہ قتل اب بھی راز میں رہتے ہیں۔ مارشل لاء کے پاس ''خدائی'' اختیارات ہیں۔ مارشل لاء کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ ان تمام تر اختیارات کے باوجود اور پوری ریاستی مشینری پر سخت گرفت کے باوجود، اگر سابق وزیر اعظم نے اتنے بہت سے قتل کیے تھے تو پھر جنتا نے خصوصی طور پر قصوری کے جھوٹے اور خود ساختہ مقدمہ قتل کو کیوں منتخب کیا۔ قصوری کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ''نو باڈی'' تھا اور یہ لفظ قصوری کے بارے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے خود استعمال کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ غور و فکر اور پیشہ ور افراد سے صلاح مشورے کے بعد حکومت نے فیصلہ کیا ہو کہ قصوری والا مقدمہ ہی وزیر اعظم کے خلاف مضبوط ترین مقدمہ ہوسکتا ہے۔ اگر جنتا نے مسٹر بھٹو کے خلاف کوئی مضبوط مقدمہ تیار کیا ہوتا تو پھر وہ قصوری والا ڈرامہ نہ رچاتی۔ حالانکہ

www.bhutto.org

سردار مینگل تو بے حد اہم شخصیت ہیں۔ وہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ رہے ہیں اور انہیں اپنے قبیلے کی حمایت حاصل ہے انہیں مضبوط قبائلی حمایت حاصل ہے اگر اس مقدمہ میں مسٹر بھٹو کے ملوث ہونے کا شائبہ بھی ہوتا تو جتنا بلا تردد سابق وزیر اعظم کو اس میں ملوث کرتی۔ اگر فیڈرل سکیورٹی فورس کا ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود قصوری کیس میں سرکاری گواہ بن سکتا تھا تو اسے مینگل کیس میں بھی سرکاری گواہ بننے کے لیے آسانی کے ساتھ تیار کیا جا سکتا تھا اور وہ اس کے لیے فوراً تیار ہو جاتا۔ اگر قصوری کیس میں وفاقی سکیورٹی فورس کو شامل کیا جا سکتا تھا تو پھر اس بات پر یقین کرنا ممکن نہیں کہ اعلیٰ اختیارات کا مالک مارشل لاء کراچی جیسے شہر میں مینگل کے صاحب زادے کے اغوا میں ایف ایس ایف کے ملوث ہونے کو ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتا۔ جتنا کا دعویٰ ہے کہ یہ ایف ایس ایف کا کام تھا۔ جتنا دعویٰ کرتی ہے کہ ایف ایس ایف تین روز تک اسد اللہ مینگل کا پیچھا کرتی رہی ہے۔ اس کے باوجود جتنا یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ مجرموں کا پتہ نہیں چلا سکتی اور ایسے جرم کی پیروی نہیں کر سکتی جو قصوری کیس جیسا ہے۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ قصوری 1974ء میں مرا، مینگل کو 1976ء میں اغوا کیا گیا۔ لیکن جتنا قصوری کے بارے میں تو ہر بات جاننے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن مینگل کے بارے میں اندھیرے میں ہے جبکہ وہ اس بات پر مصر ہے کہ ایف ایس ایف کے افراد تین روز تک کراچی جیسے بڑے شہر میں اسد اللہ مینگل کا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسد اللہ مینگل کے قتل کا ذمہ دار جنرل ضیاء الحق ہے۔ 6 فروری 1976ء کو اسد اللہ مینگل کے اغواء کے وقت جنرل ضیاء الحق چیف آف آرمی سٹاف مقرر ہو چکا تھا جبکہ جنرل ٹکا خان محض نام کے چیف آف سٹاف تھے۔ جنرل ضیاء کو اس عہدے کی قانونی اور اخلاقی ذمہ داری کے بغیر ڈی فیکٹو چیف آف سٹاف ہونے کا فائدہ حاصل تھا۔ چالاک اور بے اصول شخص ہونے کی وجہ سے اس نے اس تبدیلی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے سابق لیفٹیننٹ جنرل اکبر خان مرحوم کے ساتھ سازش کی۔ (جنرل اکبر کو جنرل ضیاء نے بعد میں انعام کے طور پر لندن میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا) جنرل ارباب جہانزیب (سینٹو میں پاکستان کا موجودہ نمائندہ) اور ''بیش بیش'' بریگیڈیئر بشیر بھی اسد اللہ مینگل اور ان کے ساتھی کو اغواء کرنے کی اس سازش میں پوری طرح شریک تھے۔ بیش بیش کو میجر جنرل مقرر کیا گیا لیکن لاہور میں قیام کے دوران اس کی جو بدنامی ہوئی تھی اس کے پیش نظر اس کی ترقی کو پکا نہیں کیا گیا۔ اسی بنا پر اسے اس عہدے سے ہٹایا گیا اور ریٹائر کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ بہت کچھ جانتا تھا اس لیے وہ عام جگہوں پر بیٹھ کر عموماً بے تحاشا شراب پیتا۔ نشے کی

www.bhutto.org

حالت میں وہ تمام رازوں کو منکشف کرنے کی دھمکیاں دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بحال کر دیا گیا اور اسے ویجی نیبل گھی کارپوریشن کا مینجنگ ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ وہ لوگ جو اسے جانتے ہیں، اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ''بیش بیش'' اپنی تمام انگلیاں گھی سے تر کرے گا۔

ان دونو جوانوں کا بہیمانہ قتل جرنیلوں کے حکم پر ہوا جس کی خبر تک وزیراعظم کو نہ تھی۔

وزیراعظم نے افغانستان کے علاقے قندھار اور پاکستان کے دوسرے صوبوں میں سخت تعاقب (Hot Pursuit) کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان جرنیلوں نے بار بار اجازت مانگی لیکن وزیراعظم نے انکار کر دیا۔ وزیراعظم نے سختی کے ساتھ کہا تھا کہ فوجی کارروائی کو صرف صوبہ بلوچستان کے ان حصوں تک محدود رکھا جائے جہاں گڑبڑ تھی۔ کور کمانڈر نے کئی بار اپنی مایوسی کا اظہار کیا کہ اسے کراچی اور تھرپارکر میں فسادیوں اور ان کے سرغنوں کو پکڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جنرل ارباب جہانزیب نے وزیراعظم کو بتایا کہ وہ افغان علاقے میں مداخلت کی وجہ سے پیدا ہونے والے بین الاقوامی الجھاؤ اور دشواریوں کو سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وزیراعظم انہیں اس بات کی اجازت کیوں نہیں دیتے کہ وہ فسادیوں اور شرپسندوں کا دوسرے صوبوں میں پیچھا کریں اور پاکستان کی حدوں کے اندر شرپسندوں کے ٹھکانوں کو تباہ کریں۔ بظاہر وزیراعظم نے انہیں بتایا کہ اگر انہوں نے بلوچستان سے باہر غیر محدود فوجی کارروائیوں کی اجازت دے دی تو پھر کچھ وقت بعد پورا ملک فوجی کارروائیوں کی لپیٹ میں آجائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم نے جنرل ارباب جہانزیب پر واضح کر دیا تھا کہ اس فوجی کارروائی کا مقصد بلوچستان کے علاقہ کے اندر شرانگیزی کو روکنا تھا نہ کہ باقی ملک میں اس کی جڑوں کو پھیلنے کی اجازت دینا تھی۔

وزیراعظم نے جنرل کو بتایا کہ جنرل کے مشورے کو ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت شرانگیزوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ فوجی کارروائی کو غیر محدود کرنے سے فوجی مسائل تو پیدا ہوں گے لیکن اس کے سیاسی اور نفسیاتی اثرات تباہ کن ثابت ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر کراچی اور تھرپارکر میں شرپسندوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا تو پھر یہ ٹھکانے پنجاب کے علاقوں ڈیرہ غازی خان اور مظفر گڑھ اور صوبہ کے قبائلی علاقوں میں منتقل ہو جائیں گے۔ وزیراعظم نے کہا کہ پھر یہ ٹھکانے سندھ کے دوسرے علاقوں مثلاً لاڑکانہ اور دادو اور کراچی میں قائم کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پرانے ٹھکانوں کو بحال بھی کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ صورت حال پیدا ہوگئی تو پھر

www.bhutto.org

اس کی کوئی حد نہیں رہے گی۔ کور کمانڈر نے وزیراعظم کی اس گفتگو سے اتفاق کیا۔ اسے اتفاق کرنا تھا۔ لیکن وزیراعظم کی پشت پر جرنیلوں نے آپس میں سخت اقدام کرنے کی سازش کی اور فیصلہ کیا کہ حکومت کو اس سے بالکل بے خبر رکھا جائے گا۔ اس کے ساتھ اس پر بات ہی نہ کی جائے۔ ایک روز وزیراعظم کراچی میں تھے جب انہیں سندھ کے وزیراعلیٰ مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے ٹیلی فون پر بتایا کہ شہر میں کوئی غیر معمولی واقع ہوا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ کو اس کے انسپکٹر جنرل پولیس نے بتایا تھا کہ سردار مینگل کے صاحبزادے کو بلخ شیر مزاری کے گھر سے اغوا کرلیا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اغواء کرنے والے کون لوگ تھے۔ مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے کہا کہ ایک عینی شاہد نے پولیس کو اطلاع دی تھی کہ اسد اللہ خان مینگل اپنے ایک دوست کے ساتھ وقوعہ کی رات کو بلخ شیر مزاری کے گھر آئے تھے۔ بلخ شیر مزاری کراچی میں نہیں تھے۔ کسی نے گھر کا دروازہ کھولا اسد اللہ اور اس کا دوست اندر گئے اور بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد اسد اللہ اور اس کا دوست باہر نکلے اور اپنی کار میں سوار ہو گئے۔ جونہی گھر کا دروازہ بند ہوا گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔ اسد اللہ کی کار گھر سے تھوڑے فاصلہ پر پائی گئی جو بری طرح تباہ ہو چکی تھی۔ جب کار کو کھولا گیا تو کار کی اگلی نشست پر خون کے دھبے تھے لیکن اسد اللہ اور اس کا دوست دونوں ہی غائب تھے۔ وہ آس پاس بھی کہیں نہ ملے۔ وہ غائب ہو چکے تھے۔ اس اطلاع کے ملنے پر وزیراعظم سخت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت وزیراعلیٰ کو حکم دیا کہ فوری طور پر پورے سندھ میں اسد اللہ اور اس کے دوست کی تلاش شروع کی جائے اور کراچی کو کنٹونمنٹ دیا جائے۔ وزیراعظم نے وزیراعلیٰ کو مزید حکم دیا کہ باقی تینوں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو خبردار کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم نے وزیراعلیٰ کو کہا کہ اس راز پر سے پردہ اٹھانے کی ہر ممکن انسانی کوشش کی جائے اور مینگل کے بیٹے کی بازیابی کو باقی تمام امور پر ترجیح دی جائے۔

وزیراعظم کے ایڈائیز کا کہنا ہے کہ وزیراعظم اس واقعہ سے سخت پریشان اور مضطرب تھے۔ انہیں اس پر حیرت ہوگی کہ اغواء میں غیر ملکی ہاتھ تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ اسد اللہ مینگل اور اس کا دوست ہوا میں غائب ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں دھوکے یا طاقت کے ذریعے اغوا کیا گیا تھا۔ اس کی کار تباہ ہو چکی تھی اور اس پر خون کے دھبے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ طاقت کا استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن کس نے یہ کمینی حرکت کی اور کیوں کی؟ اس میں شک نہیں کہ بلوچستان میں شر پسندانہ واقعات ہو رہے تھے لیکن شر پسندی کو کچھ اصول اور قواعد وضوابط کے مطابق ختم کیا جانا

www.bhutto.org

چاہیے تھا اور اس قسم کا اغواء کسی اصول اور قاعدے کے تحت جائز نہیں ہے۔ اگلے روز وزیراعظم کو پشاور جانا تھا۔ انہوں نے جنرل ٹکا خان سے کہا کہ وہ انہیں پشاور میں ملیں۔ عملہ کے ایک رکن کو یاد ہے کہ پشاور کے گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچنے کے بعد وزیراعظم نے اپنے اے ڈی سی سے کہا کہ مسٹر جتوئی سے ٹیلی فون ملایا جائے۔ کراچی سے شائع ہونے والے تمام شام کے اخبارات وزیراعظم کو پیش کیے گئے۔ اس کی شہ سرخیاں مینگل کے بیٹے کے اغواء سے متعلق تھیں۔ جب وزیراعظم اس مسئلے پر مسٹر جتوئی کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کر رہے تھے تو جنرل ٹکا خان کمرے میں آئے۔ جنرل ٹکا خان ابھی تک چیف آف سٹاف تھے۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ محض نام کے چیف آف سٹاف تھے۔

چونکہ وزیراعظم مسٹر جتوئی سے بات کر رہے تھے اس لیے انہوں نے جنرل ٹکا خان کو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا اور شام کے اخبارات اٹھا کر ان کی شہ سرخیاں انہیں دکھائیں۔ جنرل ٹکا خان اسی سلسلے میں وزیراعظم سے ملنے آئے تھے۔ ٹیلی فون پر انہیں کوئی نئی اطلاع نہیں ملی تھی اس لیے انہوں نے مسٹر جتوئی سے کہا کہ وہ جنرل ٹکا خان سے گفتگو کے بعد ان سے دوبارہ بات کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ جب وزیراعظم نے ٹیلی فون رکھا تو جنرل ٹکا خان نے افسردہ آواز میں کہا کہ ایک بہت ہی برا واقعہ پیش آیا ہے۔ جنرل ٹکا نے کہا کہ بلوچستان میں موجود فوجی کمان کا کہنا ہے کہ اگر اسد اللہ مینگل اور اس کے ساتھی کو تحقیقات کے لیے گرفتار کر لیا جائے تو فوج کو مطلوبہ اطلاعات مل جائیں گی جن کی بنیاد پر جھالاوان اور شاید سارا وان میں ہونے والی شرانگیزی کو یقینی طور پر ختم کیا جا سکے گا۔ فوج کا خیال تھا کہ اس مقصد کے لیے دونوں کو گرفتار کرنا بے حد ضروری تھا۔ جنرل ٹکا خان نے وزیراعظم کو مزید بتایا کہ فوج کو کراچی میں ان کے قیام کے بارے میں علم تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ انہیں بلخ شیر مزاری کے گھر پہنچانے کے لیے کیا ترغیب دی جا سکتی تھی تاکہ وہاں سے انہیں گرفتار کیا جا سکے۔ جنرل ٹکا نے کہا کہ ظاہری طور پر ویسا ہی ہوا جیسا کہ فوج نے منصوبہ تیار کیا تھا۔ فوج کا خیال تھا کہ جب دونوں کی کار چلے گی تو ذرا آگے جا کر اسے ایس ایس جی ٹیم اپنی کار آگے لا کر روک لے گی، اور پھر انہیں زبردستی اپنی کار میں ڈال کر کوئٹہ پہنچا دیا جائے گا جہاں ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ لیکن فوجی یہ نہیں سوچ سکے کہ اسد اللہ مینگل اور اس کا دوست مسلح ہوں گے۔ ظاہراً اسد اللہ مینگل مشکوک ہو چکا تھا وہ اور اس کا دوست مسلح تھے۔ جب انہوں نے کار سٹارٹ کی تو ان کا اسلحہ ان کے پاس تھا۔ جونہی ایس ایس جی کی گاڑی نے ان کی کار کو اوورٹیک کیا

www.bhutto.org

اور اسے روکنے کی کوشش کی انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے جواب میں اور ''صرف اور صرف اپنے دفاع کی خاطر'' ایس ایس جی ٹیم نے بھی جوابی فائرنگ کی جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ان میں سے ایک موقع پر ہی یا دونوں موقع پر یا ان میں ایک ٹھٹہ جاتے ہوئے راستے میں جاں بحق ہو گئے۔ ایس ایس جی ٹیم انہیں اپنی گاڑی میں ٹھٹہ کی طرف لے جا رہی تھی۔ جونہی ایس ایس جی کی گاڑی کراچی سے باہر ''ویرانے'' میں آئی، ٹیم نے ان کا معائنہ کرنے کے لیے گاڑی روکی۔ وہ دونوں جاں بحق ہو چکے تھے۔ ایس ایس جی ٹیم نے ان کی لاشوں کو کوئٹہ جانے والے راستے میں کہیں رات کے اندھیرے میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ سب کچھ سن کر وزیراعظم ہیبت زدہ ہو گئے۔ وہ جنرل ٹکا خان کے بیان کیے ہوئے واقعہ پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ غضبناک ہو گئے۔ معتبر ذرائع کے مطابق انہوں نے جنرل ٹکا خاں سے کہا کہ یہ انتہائی ذلیل قصہ ہے۔ وزیراعظم نے کہا کہ اگر فوجی کمان جھالاوان اور ساراوان میں شرانگیزی (ویسے وزیراعظم اسے دوراذکار کی بات سمجھتے تھے) کو ختم کرنے کے لیے اسداللہ مینگل اور اس کے دوست سے پوچھ گچھ کرنے میں اتنی دلچسپی رکھتی تھی تو حکومت سندھ کو ایک سادہ سی درخواست کر دی جاتی کہ ان دونوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے جائیں۔ انہوں نے جنرل ٹکا خان کو یاد دلایا کہ انہوں نے بلوچستان کے ان علاقوں جہاں شر انگیز واقعات ہوتے تھے، کے باہر فوجی کارروائی کرنے کو سختی کے ساتھ منع کیا تھا اور چونکہ یہ دونوں افراد شرانگیزی کے سلسلے میں پوچھ گچھ کے لیے مطلوب تھے تو فوجی کارروائی کرنے کے بجائے قانونی طریقے کے ساتھ انہیں گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ وزیراعظم نے کہا کہ ''خود دفاعی'' کا یہ بہت ہی شاندار طریقہ ہے وزیراعظم نے جنرل ٹکا خان کو کہا کہ اس قسم کے المناک واقعات بغاوت سے کہیں زیادہ باغیانہ ہیں۔

وزیراعظم نے اس واقعہ کو بہیمانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ کی کوئی وجہ اور کوئی توجیح نہیں۔ بغاوت کو اخلاقی طریقوں کے ذریعے سیاسی طور پر کچلا جانا چاہئے تھا۔ یہ پاگل پن تھا۔ پھر وزیراعظم کو پتہ چلا کہ بلوچستان میں موجود فوج کی اس موضوع پر انتہائی غیر لچکدار سوچ ہے۔ اس کا ایک سخت موقف ہے۔ وزیراعظم کو معلوم ہوا کہ متعلقہ جرنیلوں کا خیال ہے کہ اگر اس واقعہ کو عام کیا گیا تو اس سے فوج کی بے عزتی ہو گی، اس کی شہرت کو بٹہ لگے گا۔ متعلقہ سینئر افسروں کا موقف تھا کہ

www.bhutto.org

حکومت اسد اللہ مینگل اور اس کے دوست کے اتہ پتہ کے بارے میں مکمل بے خبری اور لاعلمی کا اعلان کرے۔ ہوسکتا ہے وہ افغانستان بھاگ گئے ہوں اور وہاں پکڑے گئے ہوں۔ وزیراعظم نے جواب دیا کہ یہ معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں ہے۔ کسی نہ کسی نے یہ واقعہ پورا یا ادھورا دیکھا ہوگا۔ مزید برآں ان کی کارمل چکی ہے جس میں خون کے دھبے ہیں۔ لوگ خود ہی اندازہ لگالیں گے کہ کیا ہوا تھا اور عوام کبھی اس بات پر یقین نہیں کریں گے کہ مقتولین خود افغانستان چلے گئے تھے یا انہیں زبردستی وہاں پہنچایا گیا۔ جنرل حضرات اس نہایت پیچیدہ مسئلہ کو معمولی جان رہے تھے۔

وزیراعظم نے کہا کہ وہ ان جرنیلوں کے نام جاننا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جنرل ٹکا خان سے کہا کہ مقتولین کی لاشیں فوراً ورثا کے حوالے کی جائیں۔ جنرل ٹکا خان نے بتایا کہ اس واقعہ میں جنرل ضیاء الحق، جنرل ارباب جہانزیب اور جنرل اکبر ملوث ہیں اور انٹر سروسز انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل ان جرنیلوں کے ساتھ متفق تھا۔ جہاں تک لاشوں کا تعلق ہے تو ان جرنیلوں کا کہنا ہے کہ انہیں اس معاملے کی کوئی خبر نہیں۔ انہیں اسد اللہ مینگل اور اس کے دوست کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں تھا۔ جنرل ٹکا خان نے وزیراعظم کو مزید بتایا کہ جرنیلوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایس ایس جی ٹیم کا ذکر بھی نہیں کریں گے جنہوں نے اغواء میں حصہ لیا تھا۔ اس پر وزیراعظم نے کہا کہ جرنیلوں کے مطابق واقعہ ہو چکا ہے اور اب اس سازش کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔

انتہائی اہم ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ اگلے روز راولپنڈی میں جنرل ضیاء الحق نے وزیراعظم سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ ملک کے بہترین مفاد اور فوج کی شہرت کے پیش نظر وہ جنرل ضیاء کے مشورے کو مان لیں۔ اسے خوف تھا کہ اگر یہ واقعہ عام ہوگیا تو اس سے بلوچستان میں فوجی کارروائی کا عمل رک جائے گا۔ وزیراعظم نے پوچھا کہ بلوچستان میں فوجی کارروائی منجمد ہونے کا مطلب کیا ہے تو اس پر جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ وہ اور اس کے ساتھی جرنیل اس بہیمانہ غلطی کی وجہ سے کئی راتیں سو نہیں سکے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کا واحد حل یہی ہے کہ اس واقعہ کو اپنے ذہنوں پر سے کھرچ ڈالیں۔ وزیراعظم نے کہا ''بس اسی طرح'' اور انہیں جواب ملا ''جی ہاں بس اسی طرح جناب''

اسد اللہ مینگل اور اس کے دوست کا خون جنرل ضیاء الحق کی گردن پر ہے ان کے خون کے نشان جنرل ضیاء کے ہاتھوں پر ہیں اور وہ خون میں لتھڑے اپنے ہاتھوں کو کوئی اور من گھڑت قصہ تیار کر کے صاف نہیں کرسکتا۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

چوتھا باب

افواہ:

ایک اور لرزہ خیز قتل سندھ کے حر قبیلہ کے رہنما پیر آف پگاڑا کے چھ مریدوں کا تھا۔ پیر پگاڑا بھٹو دور حکومت میں ایک اہم مخالف سیاسی شخصیت تھا۔ اس مقدمے کی سماعت ان دنوں ڈسٹرکٹ سیشن کورٹ میں ہو رہی ہے۔ ملزموں میں سندھ کا سابق وزیر جام صادق علی بھی شامل ہے۔ جواب ملک سے باہر روپوش ہے۔

حقیقت:

پیر پگاڑا حروں کا روحانی پیشوا ہے۔ حر پیر پگاڑا کے پیروکار ہیں۔ ہر کوئی اس بات سے واقف ہے کہ حر لڑائی بھڑائی میں بڑے خوش رہتے ہیں۔ یہ منتقم مزاج اور جنونی لوگ ہیں۔ قبائلی لڑائی جھگڑے جاگیرداری نظام کا حصہ ہوتے ہیں اور مختلف قبیلوں کے درمیان لڑائیاں تو نسل در نسل چلتی ہیں۔ اس قسم کے تنازعات نے سانگھڑ میں امن وامان کی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ سانگھڑ وہ جگہ ہے جہاں نسلوں سے حروں کا زور رہا ہے۔ حروں کی پیدا کردہ مشکلات کے پیش نظر 1943ء میں برطانوی حکومت نے سندھ میں مارشل لاء نافذ کر دیا تھا۔ جتنا سندھ کے سابق وزیر جام صادق علی کے ساتھ پیار و محبت کی پینگیں بڑھاتی رہی تاکہ وہ پیپلز پارٹی سے الگ ہو جائیں اور وہ مسعود محمود کی طرح اقبالی ملزم بن جائیں۔ اس مقصد کے لیے جتنا نے انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد انہیں اپنے پورے خاندان سمیت ملک سے باہر جانے کی اجازت دی لیکن جام صادق نے جتنا کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا جس سے جتنا سخت مایوس ہوئی۔ مسٹر بھٹو کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنے کی بجائے جام صادق علی نے لندن میں ٹھہر جانے کو ترجیح دی۔ اپنے رہنما کو غلط مقدمات میں ملوث کرنے کی بجائے انہوں نے وطن واپس آنے ہی سے انکار کر دیا۔ اگرچہ جام صادق علی جتنا کی ملی بھگت ہی سے ملک چھوڑ کر

www.bhutto.org

گئے لیکن اب جنتا انہیں تو مفرور قرار دیتی ہے اس لیے کہ انہوں نے جرنیلوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے لیکن اس کی پاداش میں انہیں حروں کے قتل میں ملوث کر لیا گیا۔ انہیں مفرور قرار دینے کے باوجود جنتا انہیں وطن واپس لانے کی بھرپور کوششیں کر رہی ہے تاکہ مسٹر بھٹو کو ایک اور جھوٹے مقدمے میں ملوث کیا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر جنتا کے کئی اعلیٰ عہدیدار وقتاً فوقتاً لندن جاتے رہتے ہیں تاکہ جام صادق علی کی حمایت حاصل کر سکیں۔

سپریم کورٹ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی اپیل کی سماعت کے دوران جام صادق علی نے اپنا جو حلف نامہ داخل کرایا اس میں انہوں نے کہا ہے کہ لندن میں جوائنٹ چیف آف دی سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل شریف نے ان سے ملاقات کی۔ ان کے ساتھ میجر جنرل فرمان علی بھی تھے۔ جنرل شریف اور فرمان علی نے ان سے درخواست کی کہ سانگھڑ میں حروں کے نام نہاد قتل کے الزام میں مسٹر بھٹو کو ملوث کر کے وہ جنرل ضیاء الحق کی مدد کریں تاکہ جنرل ضیاء مسٹر بھٹو سے پیچھا چھڑا سکیں۔ ''ان دونوں نے مجھے بتایا کہ اگر میں اقبالی ملزم بن جاؤں اور مارشل لاء حکام کی ہدایات کے مطابق مسٹر بھٹو کے خلاف گواہی دینے پر تیار ہو جاؤں تو میں ایک آزاد آدمی کی طرح پاکستان واپس آ سکتا ہوں۔ میرے خیال کے مطابق مسٹر بھٹو بے قصور ہیں اس لیے میں نے ان کی اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔'' اگر جام صادق علی قاتل ہیں اور محض اس لیے انصاف سے بھاگے ہوئے ہیں کہ انہوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو حروں کے جھوٹے مقدمہ قتل میں ملوث کرنے سے انکار کر دیا تو پھر جون 1978ء میں حکومت کے سیاسی مشیر مولا بخش سومرو لندن میں کیوں گرمجوشی کے ساتھ جام صادق علی سے بغل گیر ہوتے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنتا اپنے واحد سیاسی مخالف سابق وزیراعظم اور سابق صدر پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ختم کرنے کی ایک منظم اور شرمناک سازش میں شریک ہے۔

www.bhutto.org

پانچواں باب

تشدد

افواہ:

بھٹو کی حکومت سیاسی شخصیات پر تشدد کرنے کے لیے مشہور تھی۔ ان شخصیات میں سب سے اہم شخصیت مسٹر جے اے رحیم کی تھی جو پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق سیکرٹری جنرل تھے۔ اس کے علاوہ پنجاب اسمبلی کے ایک رکن چوہدری ارشاد پر تشدد کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہوا۔ 5 جولائی 1977ء کو جب مسٹر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، چوہدری ارشاد اور دوسرے متعدد غیر قانونی نظر بندوں کو دلائی کیمپ سے رہا کیا گیا۔

حقیقت:

صدر ایوب خان کے زمانے سے ہی مسٹر جے اے رحیم کے بارے میں جرنیلوں کا رویہ سخت مخالفانہ تھا۔ جرنیل انہیں ''حرامی کمیونسٹ'' کہتے تھے۔ عام طور پر جرنیل انہیں ''پاگل''، ''خردماغ'' اور ''برطانوی بنگالی'' کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے اپنے سیکرٹری جنرل مسٹر جے اے رحیم کو ایک سیاسی گفتگو کے لیے صدر یحییٰ خان کے پاس بھیجا۔ بعد میں جب چیئرمین کی ملاقات صدر یحییٰ خان سے ہوئی تو یحییٰ خان نے چیئرمین سے درخواست کی کہ اس ''پاگل شخص'' کو آئندہ ان کے پاس نہ بھیجا جائے اس لیے کہ یحییٰ خان ان کا سامنا نہیں کر سکتے۔ بعد میں صدر پاکستان کی حیثیت سے چیئرمین بھٹو نے مسٹر رحیم اور دوسرے ترقی پسند پارٹی رکن مسٹر معراج محمد خان کو اپنی حکومت میں شامل کیا جو انہوں نے دسمبر 1971ء میں تشکیل دی تھی تو جنرل گل حسن اور ائر مارشل رحیم خان نے، جو بادشاہ گر سمجھے جاتے تھے، صدر بھٹو سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ رحیم اور معراج کو حکومت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس لیے کہ مسلح افواج کے اعلیٰ افسروں میں کابینہ میں ان دو افراد کی شمولیت کی وجہ سے

www.bhutto.org

سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔ صدر بھٹو نے ان کی درخواست ماننے سے انکار کر دیا۔ جب صدر بھٹو پیپلز پارٹی کی حکومت کی تشکیل کے فوراً بعد پیرزادہ اور رضا کے ہمراہ مری میں آئینسر زمیس میں گئے تو چند اعلیٰ افسروں نے حکومت میں مسٹر رحیم اور مسٹر معراج کی شمولیت پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ صدر بھٹو نے انہیں سختی سے کہا کہ وہ تبدیلی کی خاطر صرف اپنے کام سے کام رکھیں۔

جب مسٹر رحیم وزیر پیداوار تھے تو ان کی مخالفت کا ایک اور عنصر سامنے آیا مسز جے اے رحیم اس وقت کے فوج کے خصوصی منصوبے ''نشان جیپ'' کے سخت مخالف تھے۔ وزیر رحیم اور وزارت دفاعی پیداوار میں چپقلش شروع ہوگئی۔ اس چپقلش نے ناخوشگوار تنازعہ کی صورت اختیار کر لی۔ بعد میں تقریباً ہر معاملے اور ہر منصوبے پر دونوں کے درمیان ٹھنے لگی۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالی جاتی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مسلسل اس بات پر زور دیتے رہے کہ ان کے وزیر پیداوار اور جنرلوں کے درمیان ایسا طریقہ نکلنا چاہئے کہ کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ لیکن ان کے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔

اس شام کو جب وزیراعظم نے پرائم منسٹر ہاؤس میں اعلیٰ سول اور فوجی افسروں کو عشائیہ دیا۔ مسٹر رحیم نے اپنے رویے کی وجہ سے بدمزگی پیدا کر دی۔ ہوا یہ کہ اس وقت وزیراعظم بلوچستان سے متعلق ایک نہایت اہم اور ضروری اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ یہ اجلاس طویل ہو گیا۔ اجلاس کے اختتام کے بعد وزیراعظم پرائم منسٹر ہاؤس آئے اور اپنے مہمانوں میں گھل مل گئے۔ انہیں چند سول اور فوجی اعلیٰ افسروں نے گھیر لیا اور مسٹر رحیم کے ناقابل برداشت رویے کا ذکر کیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ وزیراعظم کی سرکاری رہائش گاہ میں ملک کی سیاسی اور فوجی شخصیات کی موجودگی میں اس قسم کی ناشائستہ صورت حال پیدا کرنے پر مسٹر رحیم کو حکومت سے نکال دیا جائے۔

اس سلسلے میں متعدد وجوہ پیش کی گئیں۔ وزیراعظم ان کی باتیں تحمل سے سنتے رہے اور عشائیہ کے بعد انہوں نے مہمانوں سے کہا کہ شام کا واقعہ قابل مذمت ہے اور اس سلسلے میں فوری طور پر مناسب قدم اٹھایا جائے گا۔ وزیراعظم کے اس اعلان کو بے حد سراہا گیا۔ اس اعلان کے بعد وزیراعظم نے مسٹر رفیع رضا کو ٹھہرنے کو کہا اور انہیں مسٹر رحیم کے نام ایک خط تیار کرنے کو کہا جس میں ان سے پوچھا جائے کہ وہ مستعفی ہونا چاہیں گے یا کابینہ سے نکلنا چاہیں گے۔ وزیراعظم نے اپنے چیف سکیورٹی افسر مسٹر سعید احمد کو باہر انتظار کرنے کو کہا اس لیے کہ اسے یہ خط مسٹر رحیم کو پہنچانا

www.bhutto.org

تھا۔ مسٹر رفیع رضا خط تیار کر کے لائے تو وزیر اعظم نے اس پر دستخط کر دیئے اور چیف سکیورٹی افسر کو بلا کر کہا کہ وہ یہ خط وزیر رحیم کو پہنچا دے۔ مسٹر رفیع رضا کو وزیر اعظم نے بات چیت کے لیے روک لیا۔

ایک گھنٹے بعد رفیع رضا کی وزیر اعظم کے ساتھ گفتگو چیف سکیورٹی افسر کے ٹیلی فون کی وجہ سے رک گئی۔ سعید احمد نے وزیر اعظم کو مطلع کیا کہ مسٹر رحیم کی رہائش گاہ پر ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہے۔ سعید احمد نے دعویٰ کیا کہ مسٹر رحیم نے چیف سکیورٹی افسر اور اس کے ساتھی کو تقریباً گولی مار دی تھی۔ وزیر اعظم نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا کہ چیف سکیورٹی افسر ایک سادہ سا خط نہیں پہنچا سکا۔ غصے کی حالت میں انہوں نے ریسیور نیچے رکھ دیا جبکہ چیف سکیورٹی افسر ابھی تک ''راز منکشف'' کرنے پر لگا ہوا ہے۔

وزیر رفیع رضا اور بعض دوسرے ارکان کابینہ سول ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں مسٹر رحیم سے ملے جو اس واقعہ کی وجہ سے وہاں زیر علاج تھے۔ ان وزراء نے مسٹر رحیم کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ مسٹر رحیم مطمئن ہو گئے۔ ان کا اطمینان اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر رحیم اپنے صاحبزادے سکندر کے ساتھ طویل عرصہ تک یورپ میں چھٹیاں مناتے رہے۔ وہ ڈوبرو ونک میں چھٹیاں مناتے رہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ان دنوں صدر ٹیٹو آرام کر رہے ہیں۔ بہر حال پاکستان واپسی کے بعد رحیم کی مشکلات نے انہیں گھیر لیا۔

ان مشکلات کی وجہ سندھ میں جذباتی لسانی تنازعہ تھی۔ مسٹر رحیم نے ایوب خان کے مارشل لاء کے اس مطالبے کی شدت سے مخالفت کی تھی کہ سندھی زبان کو صوبہ سندھ کی سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ اس مطالبے کی شدید مخالفت اور اس مطالبے کو تسلیم کرنے کے خلاف ان کے احتجاج پر سندھ میں ان کے خلاف سخت ناراضگی پائی جاتی تھی۔ جلتی پر تیل انہوں نے خود ڈالا اور وہ اس طرح کہ انہوں نے سندھیوں کے خلاف ناشائستہ جملے کہے۔ ایک بیان میں مسٹر رحیم نے کہا تھا کہ ہر سندھی ''وڈیرے'' کی یہ خواہش تھی کہ اس کی کاروں میں ایک نئی کار اور اس کے حرم میں ایک نئی بیوی کا اضافہ ہو۔ ان کے اس قسم کے بیانات نے سندھی عوام کے دلوں میں ان کے خلاف تعصب پیدا کر دیا تھا۔ چند عناصر نے مسٹر رحیم کو سبق سکھانے کی قسم کھائی تھی۔ جب مسٹر رحیم وفاقی وزیر تھے تو اس وقت صدر ذوالفقار علی بھٹو کو خفیہ اطلاعات ملی تھیں جن کے مطابق سندھ میں مسٹر رحیم کے خلاف نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اس وقت صدر بھٹو نے مسٹر رحیم کو

www.bhutto.org

ہدایت کی تھی کہ وہ کچھ وقت کے لیے اندرون سندھ کا دورہ کرنے سے اجتناب کریں۔

بہر حال جب مسٹر رحیم حکومت سے الگ ہو گئے تو کچھ تشدد پسند عناصر کو سندھی زبان اور ثقافت کی بے عزتی کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ جب وزیر اعظم کو ان واقعات کا علم ہوا تو صوبائی حکام کے مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ مسٹر رحیم اور ان کے بیٹے کے مفاد میں انہیں ان کے گھر میں ''حفاظتی نظر بندی'' میں رکھا جائے اور ان کی حفاظت کے لیے گھر پر پولیس گارڈ تعینات کر دیا جائے۔

جہاں تک دلائی کیمپ کا تعلق ہے تو جنتا نے اس سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے آج کے دور کا خوف و دہشت کا چیمبر قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دلائی کیمپ ایک ریسٹ ہاؤس ہے جسے برطانوی حکومت نے وادی کشمیر میں تعمیر کیا۔ ان دنوں بھارت کے ساتھ پیدا ہونے والی صورت حال کے پیش نظر یہ جگہ فوج کے کنٹرول میں ہے۔ اس لیے چیف آفس سٹاف جنرل ضیاء کو دلائی کیمپ میں رہنے والوں کے بارے میں تمام معلومات ہوں گی اور انہیں وہ وجوہات بھی معلوم ہوں گی جن کی وجہ سے کچھ لوگ یہاں نظر بند ہیں۔ اس بات کو یاد دلانا ضروری ہے کہ اس کیمپ کے سب سے بڑے نظر بند چوہدری ارشاد نے رہائی کے بعد اکتوبر 1977ء کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ اگر چوہدری ارشاد کو معلوم ہوتا کہ ان کی نظر بندی کی وجہ چیئرمین بھٹو یا پاکستان پیپلز پارٹی تھی تو وہ کبھی ٹکٹ کے لیے درخواست نہ دیتے۔ بلکہ پی این اے سے ٹکٹ لینے کی کوشش کرتے جسے اس وقت جنتا کی مکمل حمایت تھی اور اسے ہی آئندہ کی حکومت کہا جا رہا تھا۔

www.bhutto.org

چھٹا باب

افواہ:

''پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بڑے پیمانے پر اذیت رسانی کے واقعات میں ملوث رہی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ان میں سے چند واقعات کا ذکر کیا ہے۔''

حقیقت:

ایمنسٹی کی جس رپورٹ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق اس عرصے سے ہے جس کے دوران فوج بلوچستان میں سرکشی اور فتنہ انگیزی کو کچلنے میں مصروف تھی۔ وزیراعظم نے دو مرتبہ بلوچستان سے فوجی کنٹرول کو ہٹانے کی کوشش کی۔ ہر مرتبہ جیسا کہ معتبر ذرائع نے بتایا ہے، جنرل ضیاء الحق نے لغوی معنوں میں وزیراعظم سے مزید چھ ماہ تک کے لیے فوجی کنٹرول نہ ہٹانے کی بھیک مانگی تاکہ فوج علاقے میں فتنہ انگیزی کو مکمل طور پر ختم کرنے کی اپنی کارروائیوں کی تکمیل کر سکے۔ اس حقیقت سے ہر کوئی اچھی طرح آگاہ ہے کہ وزیراعظم تو صوبہ بلوچستان میں سویلین رول بحال کرنے کے لیے بے چین تھے۔

وزیراعظم نے سیاسی مفاہمت اور مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرنے کے لیے بلوچ رہنماؤں سے مذاکرات کی بھرپور کوشش کی۔ اسے اس سرزمین کے عوام کی بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی مذاکرات ولی خان کے ضدی پن کی وجہ سے تار پیڈو ہو جاتے رہے۔ اگرچہ ولی خان کا تعلق صوبہ بلوچستان سے نہیں ہے لیکن وہ نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ تھے جس سے بلوچ رہنماؤں کا تعلق تھا۔ بلوچستان کے انتہائی قابل بابائے مذاکرات اور بلوچستان کے سابق گورنر میر غوث بخش بزنجو کی اس سلسلے کی تمام کوششوں کو ولی خان برباد کرنے میں کامیاب رہے۔ ولی خان کے غلط سیاسی اندازوں کی وجہ سے انتہائی تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو گئی۔ کئی قیمتی جانوں کا نقصان ہوا۔ بلوچستان میں فوج ملوث ہوئی اور قومی یکجہتی اور قومی وحدت کو شدید دھچکے لگے۔ ولی خان کی سیاسی سادہ لوحی اور سیاسی بھولپن کی وجہ سے بلوچستان کے عوام اور افواج پاکستان کے ارکان کو خون کا نذرانہ دینا پڑا۔ انہیں قیمتی جانوں کے ضائع ہونے کی صورت میں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔

www.bhutto.org

جولائی 1977ء میں ہونے والی جنرل کی بغاوت کے بعد سے اب تک بہت سا مواد سامنے آیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وزیراعظم بلوچستان میں فوج کے استعمال کو سیاسی توازن کی بحالی کے لیے ایک اہم فوجی عنصر سمجھتے تھے جسے ولی خان نے ناکام بنا دیا۔ بلوچستان میں فتنہ انگیزی ختم کر کے وزیراعظم نے افغانستان کے صدر داؤد کے ساتھ معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کیے جس کے تحت پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں کو رہا کر دیا جاتا اور اس کے بدلے میں افغانستان ڈیورنڈ لائن کو پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیتا۔

سابق وزیراعظم نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ سیاست ایک ایسا رقص ہے جس کے لیے بڑے پھرتیلے پاؤں چاہئیں۔ جرنیلوں کی احمقانہ چالیں بڑے بڑے ماہرین کے کام کو تباہ کر دیتی ہیں۔ صدیوں سے افغانستان ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا چلا آ رہا تھا۔ وزیراعظم بھٹو کی اعلیٰ حکمت عملی اور بصیرت کا اس سے بہتر اور شاندار کارنامہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دونوں ملکوں کے درمیان سب سے زیادہ موذی تنازعہ کو حل کرنے کا راستہ تلاش کر لیا۔ لیکن منتقم مزاج شخصیت کے مالک اور انتہائی بے بصیرت جنرل ضیاء نے اس پنڈورا باکس کو دوبارہ کھولا اور اس نے یہ کام نیپ کے رہنماؤں کو بلا مشروط رہا کر کے انجام دیا۔ جنرل ضیاء نے اپنے ایک احمقانہ فیصلے سے اس تنازعہ کے حل کو برباد کر دیا جو بڑی مصیبتوں اور تکلیفوں کے بعد تلاش کیا گیا تھا۔

کوئی بھی مہذب شخص اذیت رسانی کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ایک تکلیف دہ اور ٹھوس حقیقت ہے کہ اذیت رسانی اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی مسلح تصادم ہو۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے شمالی آئرلینڈ میں پیش آنے والے اذیت رسانی کے واقعات کا ذکر بھی کیا ہے جو وہاں امن کی بحالی کے لیے برطانوی فوج کی کارروائی کے دوران ظہور میں آئے۔ ایک ممتاز سیاسی مفکر کلاز وز نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ ''جنگ تشدد کا عمل ہوتا ہے'' مصلح تصادمات اپنے اندر تشدد اور حیوانیت لیے ہوتے ہیں۔ مسلح تصادمات سے گولی چلانے والے شخص کے وحشیانہ اور ظالمانہ رویوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ ہمیں مائی لائی میں ہونے والے قتل عام کو یاد کرنا چاہئے جو حال ہی میں جنگ ویت نام میں کیا گیا۔ اس سے ہمیں گولیوں اور توپوں کی گھن گرج میں محبوس آدمی کی غیر انسانی اور وحشیانہ فطرت کو رویوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جنگ ایک انتہائی ہولناک چیز ہے۔ یہ اس لیے ایسا ہوتا ہے کہ مسلح تصادم اذیت رسانی اور المیہ کی طرف لے جاتا ہے لیکن بصیرت رکھنے والے لوگ اسی میں سے مسائل کے سیاسی حل تلاش کرتے ہیں۔ سیاسی افہام و تفہیم کی راہیں ہموار کرتے ہیں۔ بصیرت والے لوگ اندرونی معاملات کو سلجھاتے ہیں۔ دنیا

www.bhutto.org

کے بڑے بڑے مدبر دنیا میں امن کے قیام کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل جیسے ادارے اذیت رسانی اور تشدد کے واقعات کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ حالات کی اصلاح کی جائے اور ان اداروں کی رپورٹوں کو اسی حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ''جنگ ایک متشددانہ اقدام ہے'' عصر حاضر کے انسان نے ایک اخلاقی اور عقلی ضابطہ تیار کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلح تصادمات کی انتہائی خوفناک صورتوں کو روکا جا سکے۔ حالانکہ توپوں کی گھن گرج کوئی کھاٹ کھٹولے کا کھیل نہیں جو متعینہ قواعد وضوابط کے مطابق ہو۔ اس سلسلے میں 1945ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سپریم کورٹ میں سنے جانے والے ''یاماشتا'' مقدمہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقدمہ دوسری جنگ عظیم کی خوفناک تباہیوں کے بعد سامنے آیا۔ اس مقدمے میں جنگ میں پیش آنے والے وحشی پن اور مظالم سے جرائم کو الگ کرنے کی کوشش کی گئی۔

یاماشتا پر الزام لگایا گیا تھا کہ کمانڈر کی حیثیت سے اپنے ماتحت ارکان کو انتہائی ظالمانہ اور سفاکانہ بے رحمی کرنے کی اجازت دے کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں وہ ناکام رہا تھا۔ اگرچہ اسے ان بے رحمانہ اقدامات کا براہ راست ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس کے باوجود یاماشتا کو اس لیے سزا دی گئی کہ کمانڈر کی حیثیت سے وہ اپنے ماتحتوں کو مظالم ڈھانے سے باز نہ رکھ سکا۔

چنانچہ اگر کوئی شخص دوسری جنگ عظیم کے بعد تیار کئے گئے عالمی قوانین کی روشنی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کو مثبت انداز میں دیکھے، 1968ء کے سینٹ پیٹرز برگ کے ڈیکلریشن، 1918ء کے وارسیلز کے معاہدے، 1925ء کے جنیوا معاہدے، 1928ء کے نیلانگ برائنڈ پیکٹ، 1949ء کے لاء آف وار پر تیار کردہ جنیوا کنونشن اور بعد میں مسلح تصادمات کے دوران ہونے والے جرائم پر اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کو پرکھا جائے تو پھر واضح ہو جائے گا کہ جنرل ضیاء اور دوسرے متعلقہ کمانڈروں کو پاکستان کی سپریم کورٹ میں لاکر ان کے خلاف اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی اور اذیت رسانی کے واقعات کی اجازت دینے کی پاداش میں مقدمہ چلایا جانا چاہئے۔ جنگ یا مسلح تصادم ایک ناپسندیدہ کارروائی ہے لیکن انسانیت کا فیصلہ ہے کہ مسلح تصادمات بھی کسی ضابطہ اخلاق کے مطابق ہونے چاہئیں۔ بلوچستان میں فتنہ انگیزی کو کچلنے کے لیے مسلح افواج نے جو مظالم کیے ان کے بارے میں ذکر کر کے جنرل ضیاء نے ایک ایسا اقدام کیا ہے جس سے پاکستان کی مسلح افواج کے ادارے کی مزید بدنامی ہوگی۔ اس وقت اپنے ہی عوام کو کچلنے کی ظالمانہ کارروائیوں میں مسلح افواج کو ملوث کر کے جنرل ضیاء نے ہر فوجی کو ذلیل وخوار کیا

www.bhutto.org

ہے۔ مسلح افواج کے ادارے کو صرف اسی صورت میں بچایا جا سکتا ہے کہ جب ہر فوجی کو وہیں رکھا جائے جہاں سے اس کا تعلق ہے۔ مطلب یہ کہ فوجیوں کو بیرکوں ہی میں رکھا جائے۔ ورنہ پاکستان کا جنرل ضیاء 1978ء میں پاکستانی فوج کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو 1971ء میں پاکستانی فوج کے ساتھ بھارتی جنرل اروڑہ نے کیا تھا۔

اگر جنرل ضیاء بلوچستان میں حالات کو معمول پر لانے کا اتنا ہی خواہشمند ہے جتنا وہ ظاہر کرتا ہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود کو ان جرائم کے لیے پیش کرنے پر تیار ہے جو فتنہ انگیزی کے دوران وہاں کیے گئے۔ یقیناً کوئی یہ نہیں چاہے گا کہ اس پر مقدمہ اس کاہل اور بے خبر ادارے میں چلایا جائے جس کی سربراہی جالندھری مُھگنا انوار الحق کرتا ہے۔ اگر جنرل ضیاء میں ذرہ برابر بھی جرأت ہے تو پھر وہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی مرتب کردہ رپورٹوں میں سے واقعات چن کر اپنے غلط معنی نہ پہنائے۔ اگر بلوچستان میں معصوم لوگوں کو اذیت دی گئی تھی تو پھر ان زخموں کو مندمل کرنے کے عمل کو اسی صورت میں تیز کیا جا سکتا ہے کہ ''سادہ فوجی'' جنرل ضیاء اذیتوں کو ختم کرنے کا داعی بننے کے بجائے ایک جمہوری حکومت کے تحت پاکستان کی سپریم کورٹ میں خود کو پیش کرے تاکہ بلوچستان میں کی جانے والی کارروائیوں کا حساب چکایا جا سکے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے حال ہی میں جو رپورٹ پیش کی ہے، درحقیقت یہ بہت ہی پریشان کن ہے۔ اس میں ان دہشت ناک واقعات کا ذکر ملتا ہے جو سادیت پسند اور جنسی کجرو جنرل ضیاء کی پالیسی کی وجہ سے پیش آئے۔ کوئی بھی اذیت رسانی کو پسند نہیں کرتا۔ اسے معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن شاید ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ مسلح تصادم کی حالت میں ایذا رسانی کیوں روا رکھی گئی لیکن اس وقت تو پاکستان میں کسی جگہ مسلح تصادم نہیں ہو رہا۔ افواج پاکستان نے صرف اور صرف جنرل ضیاء الحق کے احکامات پر اس سرزمین کے پُرامن اور غیر مسلح شہریوں کو مقبوضہ بنا لیا ہے جنرل نے محض سفاکانہ قوت کے بل بوتے پر اس زمین کے افلاس زدہ عوام کے بنیادی حقوق غصب کر لیے ہیں۔ مشہور فوجی یونٹ کھاریاں کور کے سابق کمانڈر کی پشت پر پاکستانی فوج کی تمام تر طاقت اور قوت موجود ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی حالیہ رپورٹ میں، بھوکے ننگے اور لاغر شہریوں پر قابض فوج کے مکمل کنٹرول کی وجہ سے پیدا ہونے والی خون اور آنسوؤں کی جن داستانوں کا ذکر ملتا ہے وہ دہشت زدہ کر دینے والی ہیں۔ ان کے بارے میں جان کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ اس رپورٹ میں کیا ہے جس قسم کی پابندیاں عائد ہیں۔ ان کے تحت ایمنسٹی کی رپورٹ کا حصول ناممکن ہے۔ تاہم لندن ٹائمز میں ''غیر انسانی پاکستان پر

www.bhutto.org

ایمنسٹی کا حملہ'' کے عنوان سے اس رپورٹ کا جو حصہ شائع ہوا ہے، اس کا مطالعہ کر لیجیے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''پاکستان میں سیاسی قیدیوں کو کوڑے مارے جا رہے ہیں۔ ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آزادی تقریر کا حق استعمال کرتے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس بارے میں کل ہی بتایا ہے اور فوجی حکومت کے تحت جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اس نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔

''یہ رپورٹ جنوری میں کیے جانے والے دورے کے بارے میں لکھی گئی ہے جس میں زور دیا گیا ہے کہ فوجی اور خصوصی عدالتوں کو ختم کیا جائے۔ پاکستان میں بہت سی نئی باتیں ہوئی ہیں۔ ایمنسٹی کی انٹرنیشنل ایگزیکٹو کمیٹی کے چیئرمین مسٹر تھامس ہیمبرگ نے بتایا ہے کہ پھانسیوں کا سلسلہ پاکستان میں شروع کر دیا گیا ہے۔''

''ایمنسٹی کو اس صورت حال پر اس قدر تشویش ہے کہ اس نے یہ رپورٹ جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا حالانکہ اس رپورٹ کا اجراء پہلے دو بار صرف اس لیے روکا گیا تھا کہ اس کے متعلق فوجی حکومت کا موقف حاصل کر لیا جائے جو ابھی تک موصول نہیں ہو پایا۔ پہلی عام پھانسی مارچ میں لاہور میں تین افراد کو دی گئی جن کو فوجی عدالت نے ایک قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ سابق وزیراعظم مسٹر بھٹو اور چار دوسرے افراد کو بھی پھانسی کی سزائیں دی گئی ہیں۔ ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ ایسے ملک میں ناانصافی کے خدشات بہت زیادہ ہیں جہاں معمول کی تمام سیاسی سرگرمیوں پر مارشل لاء کے ضابطوں کے تحت پابندی ہے۔ ایمنسٹی نے کہا ہے کہ بین الاقوامی مبصرین کو اپیل سننے کی اجازت دی جائے۔ مقدمے کے آخری حصہ کی کارروائی بند کمرے میں کی گئی۔''

''ابتدائی سماعت کا جو مسودہ مہیا کیا گیا ہے اس کی بنیاد پر یہ کہنا ناممکن ہے کہ مسٹر بھٹو کے مقدمے کے ریکارڈ کو اچھی طرح دیکھا گیا ہے۔'' اخبار مزید لکھتا ہے کہ ''ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ ایمنسٹی کو مسٹر بھٹو کے ساتھ جیل میں ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مسٹر بھٹو نے شکایت کی تھی کہ انہیں قید تنہائی میں رکھا گیا ہے۔'' ایمنسٹی نے حکومت پاکستان پر زور دیا ہے کہ شہریوں کے خلاف مقدمات کی رٹ سماعت فوجی عدالتوں میں ختم کی جائے۔ سیاسی قیدیوں کو کوڑے مارنا بند کیا جائے اور مسٹر بھٹو کی پارٹی کے رہنماؤں کی نظر بندیوں سے متعلق شقوں کو منسوخ کیا جائے۔ ایمنسٹی نے حکومت سے کہا ہے کہ خصوصی عدالتیں ختم کی جائیں، خصوصاً ان خصوصی عدالتوں کو ختم کیا جائے جو سیاسی قیدیوں کے خلاف مقدمات کی سماعت کرتی ہیں اور سیاسی قیدیوں کی نظر بندی سے متعلق شقوں کو منسوخ کیا جائے۔''

یہ کہنا ہی فضول ہے کہ جالندھری جتنا نے اس سمت کی طرف ایک بھی قدم نہیں اٹھایا

www.bhutto.org

جس کا مشورہ اسے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے دیا۔ یہ جالندھری جنتا کی منافقت ہے کہ وہ پی پی پی کی حکومت کے خلاف ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سابقہ رپورٹ کو اچھالتی پھرتی ہے۔ حالانکہ یہ واقعات وہ ہیں جن کا تعلق آرمی کنٹرول سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ کہیں کہ یہ انتہائی کمینگی ہے لیکن جرنیلوں نے تو ثابت کر دیا ہے کہ لفظ کمینگی ان کے لیے بہت چھوٹا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شرافت، اخلاق اور تہذیبی اقدار کو ان بیرکوں میں بند کر دیا گیا ہے جو پاکستان کے نئے حکمرانوں نے خالی کی تھیں۔ آج آزادی کی خوشبو کوڑے کھانے والے گوشت سے اٹھنے والی بدبو میں بدل گئی ہے۔

یہ تو معلوم نہیں کہ آیا ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندے نے سپریم کورٹ میں ہونے والی کارروائی کو دیکھا یا نہیں لیکن یہ بات معلوم ہے کہ موسیو شائن جاڈل نے انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمشن کے جوڈیشل مبصر کے طور پر یہ کارروائی دیکھی۔ انہوں نے جو رپورٹ پیش کی وہ پیش کی جا رہی ہے۔

''قانون کی تاریخ میں یہ ایک انوکھا واقعہ ہے کہ ایک ایسے وزیراعظم کو جسے عوام کی بھاری اکثریت نے منتخب کیا ہو، اور جسے چیف آف آرمی سٹاف نے اقتدار سے ہٹا دیا ہو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے رضا کارانہ قتل کی سازش کرنے پر موت کی سزا دی جائے۔''

''ایسا مقدمہ اس وقت خصوصیت حاصل کر لیتا ہے جب اس کی سماعت ملک کے عام قانون کے تحت کی جائے اور وہ بھی ایسے ملک میں جہاں ایمرجنسی نافذ ہو، حکومت کے مخالفوں اور صحافیوں کو فوجی عدالتوں سے سزائیں ملتی ہوں اور انہیں کوڑے مارنے جیسی وحشیانہ اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔''

''راولپنڈی میں 20 مئی سے سپریم کورٹ میں سابق وزیراعظم کی سزائے موت کے خلاف اپیل کی سماعت پر دنیا بھر کی نظریں صحیح لگی ہیں۔ حکومت پاکستان اس اپیل کی کارروائی کو دستور کے عین مطابق ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہے۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمشن کے ماہر کی حیثیت میں، میں نے 20 مئی سے 25 مئی تک کی کارروائی بغیر کسی دشواری کے دیکھی۔''

''اس ظاہری فیاضی کو یہیں تک محدود رکھا گیا اور مجھے راولپنڈی جیل میں مسٹر بھٹو کے ساتھ ملاقات کی اجازت نہ دی گئی۔ یہ بات واضح ہے کہ اس کارروائی کو عام قانونی کارروائی کی شکل دینے کی پوری کوشش کی گئی جبکہ شروع دن ہی سے مسٹر بھٹو اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ انہیں جو سزا دی گئی ہے اس کی نوعیت سیاسی ہے اور اس مقصد کی خاطر غیر معمولی حالات پیدا کیے

www.bhutto.org

گئے ہیں۔ یہ بتا دینا ہی کافی ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد ہی مسٹر بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے خلاف قتل کا جو مقدمہ دائر کیا گیا، اس میں ان کی ضمانت ہو گئی لیکن ضمانت پر باہر آنے کے چند ہی روز بعد ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ فوجداری قانون کے اصولوں سے قطعی مطابقت نہیں رکھتا۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حالات میں کارروائی کی گئی وہ ہی حکومت کے دعوؤں کا پول کھول دیتی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ میں مقدمے کی سماعت کے دوران چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے ملزم اور ان کے وکلاء پر شدید حملے کیے۔ چیف جسٹس نے مسٹر بھٹو کے بڑے وکیل مسٹر اعوان کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ اپنے موکل کی طرف سے مقدمے سے علیحدہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقدمہ کی کارروائی کا ایک حصہ بند عدالت میں کرنا تا کہ سابق وزیراعظم کے بیانات کو تشہیر نہ مل سکے، پھر فیصلہ میں سابق وزیراعظم کو ''عادی جھوٹا'' اور برا مسلمان جو وزیراعظم کے اہل نہیں، قرار دینا ایسی باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ججوں کا رویہ کیا تھا اور وہ کیا فیصلہ کرنے والے تھے۔''

''اسی طرح وکلاء اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مقدمے کا ریویو مکمل نہیں ہے اس لیے کہ اہم نکات پر وہ گواہوں پر جرح کرنے کے قابل نہیں اس لیے کہ عدالت کہہ دیتی ہے کہ ''سوال نہیں کیا جائے گا'' ان گواہوں میں فیڈرل سکیورٹی فورس کا سابق ڈائریکٹر جنرل بنیادی گواہ ہے۔ اسے جنرل ضیاء کی بغاوت کے اگلے روز ''حفاظتی نظر بندی'' میں لے لیا گیا اور اسے اعتراف کرنے کی بنیاد پر معاف کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس گواہ کی شہادت بہت زیادہ مشکوک ہے لیکن اس پر سوال کرنے کی، جرح کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔''

''مزید برآں وکلاء نے سابق انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر رشید کی تازہ شہادت لی ہے جسے وہ اپنی بحث میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شہادت مسٹر رشید پر حکومت کے دباؤ کی تفصیلات ظاہر کرتی ہے۔ فوجی حکام مسٹر رشید پر ان کی ''حفاظتی نظر بندی'' کے دوران شدید دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ سابق وزیراعظم کے خلاف گواہی دیں۔''

''ایک ایسے شخص کے خلاف حکام کی غیر معمولی عداوت، جس نے سوشلزم کی سیاست کو نافذ کرنے کی کوشش کی، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس استغاثہ کے نمائندوں اور ملزم اور اس کے وکلاء جو چیف جسٹس کو بنچ میں شامل نہ ہونے کی لاحاصل درخواست کرتے رہے ہیں، کے

www.bhutto.org

خلاف شدید مخاصمت اس خطرے کو جنم دیتی ہے کہ آخر کار عدالت ایسا ہی فیصلہ دے گی (یعنی سزائے موت کو بحال رکھے گی) ڈاکٹر نیازی کو محض اس لیے گرفتار کر لیا گیا کہ انہوں نے حکام کی توجہ ان مشکلات کی طرف مبذول کرائی تھی جو انہیں لاہور جیل میں قید اپنے مریض کا علاج کرنے میں پیش آتی تھیں۔ ڈاکٹر نیازی کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت میں انہیں یا ان کے وکیل کو ان کے خلاف الزامات سے مطلع کیے بغیر پیش کر دیا جائے گا۔

''موجودہ صورت حال میں بین الاقوامی رائے عامہ ایک ایسے شخص کی مدد کو آسکتی ہے جو اپنے ملک کے اندر عوامی حمایت سے فائدہ حاصل کرنے کے قابل نہیں، جہاں مارشل لاء مسلط ہے جہاں ذرائع ابلاغ پر شدید پابندیاں ہیں، جہاں ہر قسم کے مظاہروں پر پابندیاں ہیں اور جہاں موجودہ حکومت کے مخالفوں کو فوجی حکام گرفتار کر کے، سخت سزائیں دے دیتے ہیں۔ جہاں عام طور پر سرسری سماعت کی فوجی عدالت میں انصاف کا ڈھونگ رچا کر کوڑے مارنے کی سزائیں دے دی جاتی ہیں۔''

مسٹر جاڈل کی رپورٹ ممتاز فرانسیسی اخبار ''لوموند'' کے یکم جون 1978ء کے شمارے سے لے کر یہاں درج کی گئی ہے۔ انہوں نے تو صرف امکان ظاہر کیا ہے کہ انصاف کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔ لیکن انصاف کی دھجیاں آج یہاں اڑائی جا رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی پامالی اور پاکستان پیپلز پارٹی کے حامیوں پر ناقابل بیان تشدد آج بھی جاری ہے۔ لاہور کی ایک خاتون کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے اس لیے کہ اس کے 23 سالہ نوجوان بیٹے کو بجلی کے جھٹکے دیئے گئے۔ پنکھے کے ساتھ اسے الٹا باندھا گیا اور پنکھا چلا دیا گیا اور اس دوران اس پر چاروں طرف سے پولیس اور فوج کے افسروں نے گھونسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کے جسم میں کیل اس طرح چبھوئے گئے جس طرح بوتل میں ڈاٹ لگایا جاتا ہے۔ اس پر تشدد صرف اس لیے کیا گیا کہ وہ اپنی پارٹی کے رہنماؤں کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس کے ہاتھوں کی پشت پر جلتے ہوئے سگریٹ لگا لگا کر اس کا گوشت جلا دیا گیا ہے۔ لیکن اس بہادر نوجوان نے پاکستان پیپلز پارٹی کے دوسرے جرأت مند بہادروں کی طرح، اپنے ساتھیوں اور رہنماؤں کو ملوث کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی والدہ نے انتہائی دکھ اور کرب کے ساتھ کہا۔ ''یہ لوگ ہمیں وہ کام کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں جن کے بارے میں ہم سمجھتے تھے کہ ان کا وجود تک نہیں ہے'' تاریخ کا صحیح سبق یہ ہے کہ جرنیلوں کی سیاہ رات کے بعد جمہوریت کا سورج ضرور طلوع ہوگا اور یہ دن صرف اور صرف عوام کا دن ہوگا۔

www.bhutto.org

ساتواں باب

افواہ:

قانون کی حکمرانی، جس پر عمل درآمد ایک آزاد عدلیہ کراتی ہے جمہوری سیاسی ڈھانچے اور عوام کے حقوق و آزادیوں کا سب سے بڑا سہارا اور آسرا ہوتی ہے۔ بھٹو کے حاکمانہ دور میں یہ عدالتیں آنکھوں کا خار بن گئی تھیں اور اس نے ابتداء ہی میں ان کی حاکمیت اور آزادی کو دبانا شروع کر دیا تھا۔

حقیقت:

جتنا جو بذات خود توہین عدالت کے سوا کچھ نہیں، غیر معمولی الزامات لگاتی ہے۔ ان سے اس کے پراگندہ اور غلیظ ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ کسی واضح الزام کے بارے میں بات کرنے سے پہلے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ اس وقت جتنا اس قسم کے غلط الزامات پر بہت زیادہ وقت، روپیہ اور قوت خرچ کر رہی ہے جبکہ وہ لاہور ہائی کورٹ کے بنچ کے فیصلے کو انٹرنیشنل بار ایسے تنقیدی ادارے کے سامنے صحیح ثابت کرنے کے لیے پاگل پن کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ ابھی تک لاہور ہائی کورٹ بنچ کے بدنام زمانہ فیصلے کے خلاف چیئرمین بھٹو کی اپیل سپریم کورٹ میں پڑی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مارشل لاء حکومت اپنے تمام مشکوک اور شعوری ذرائع کو استعمال میں لا کر اس متنازعہ فیصلہ کو عزت و احترام اور وقار دینے کا اختیار لا حاصل اپنے اوپر لے رہی ہے۔ تمام ریاستی وسائل کو استعمال میں لا کر جتنا اس فیصلے کے حق میں غیر قانونی وسیلوں، اداروں اور افراد کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کیوں کوشاں ہے۔

اس وقت جبکہ سپریم کورٹ میں اپیل پر دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ احمد رضا قصوری کو جنرل ضیاء الحق نے امریکہ اور مغربی یورپ میں بھیجا ہے جہاں وہ مظلومیت کا ڈھونگ رچا رہا ہے

www.bhutto.org

اور پاکستان کے فوجی حکمرانوں کی طرف سے مہیا کیے گئے پلیٹ فارموں پر سے مسٹر بھٹو کے خلاف الزام تراشی کر رہا ہے۔ جنرل ضیاء ایسے بھیک منگوں کی خدمات کیوں خرید رہا ہے؟ چیئرمین بھٹو کی تقدیر کا فیصلہ کون کرے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنرل ضیاء سپریم کورٹ کے فیصلے سے آگاہ ہے اور وہ پہلے ہی سے اس فیصلے کے حق میں رائے عامہ ہموار کر رہا ہے؟

فوجی حکمرانوں میں چیئرمین بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے عدلیہ کی آزادی میں مداخلت کے الزامات عائد کرنے کی عاقبت نااندیشی موجود ہے۔ گزشتہ ایک سال کے دوران آزاد مبصرین جان گئے ہیں کہ اس سلسلے میں فوجی حکومت کو کس قدر ''شاندار'' کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔

اس ایک سالہ المناک دور میں ہم نے موجودہ حکمرانوں کی طرف سے عدلیہ کو بیکار اور بے بس بنانے کی حکمت عملی کو ظاہر ہوتے دیکھا ہے۔ ظلم و دہشت کی بدترین شکل اس وقت پاکستان میں موجود ہے۔ ریاست کے تمام تر انتظامی، مقننہ اور عدالتی اختیارات ایک احمق جنرل کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے ہیں جو اپنے بیان کے مطابق کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔

جنرل کے ظلم و جبر کی شہادتیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں جن کا آغاز 5 جولائی 1977ء کو ہوا تھا۔ اس کا کہا ہوا لفظ قانون ہے اس کا لعاب اس زمین کا آئین ہے اور اس کے کہے ہوئے لفظ کی وجہ سے اس ملک کے شہریوں کو سرعام پھانسیوں، کوڑوں، اذیت ناک جیلوں کی سزائیں، غیر معمولہ جرمانوں اور جائیدادوں کی ضبطی کی سزائیں دی جاتی ہیں اور یہ سزائیں اس کی بنائی ہوئی فوجی عدالتیں دیتی ہیں۔ اس کے پاس بہت زیادہ اختیارات ہیں، اس کی طاقت بے لگام ہے۔ اس کا واحد قانونی جواز رات کے اندھیرے میں کی جانے والی بغاوت ہے جس کی ظالمانہ اور جابرانہ قوت سے اسے قائم رکھے ہوئے ہے۔

کسی بھی مہذب اور انسانی قانونی ڈھانچے کے تحت بنیادی حقوق کو پامال کرتے ہوئے پاکستان کے شہریوں کو ان اقدامات کے لیے سزائیں دی جا رہی ہیں جو اس وقت جرم نہیں تھے جب وہ کیے گئے۔ ان شہریوں کو عبرت ناک سزائیں دینے کے لیے ایسے جرائم وجود میں لائے جاتے ہیں جو کیے ہی نہیں گئے اور پھر ان جرائم کی سزائیں دینے کے لیے عجیب و غریب قوانین تیار کیے جاتے ہیں اور ان کا نفاذ ماضی کی کسی تاریخ سے کیا جاتا ہے۔ پی آئی اے کے طیارے کی ہائی جیکنگ کے مقدمے میں ایک شخص نذیر کو فوجی عدالت نے موت کی سزا دی۔ اس

www.bhutto.org

سزا کا المناک پہلو یہ ہے کہ جس وقت یہ جرم ہوا اس وقت اس کی سزا اتنی بڑی نہیں تھی۔ باوجود اس کے کہ نذیر کینسر کا مریض تھا اور اپنی بیماری کی وجہ سے وہ ذہنی انتشار کا شکار تھا اور وہ اپنا علاج نہیں کرا سکتا تھا چنانچہ اپنی اس بے بسی سے وہ مجبور ہوا اور اس نے جہاز کو اغواء کرنے کی کوشش کی۔ طیارے اغواء کرنے کی سزا سخت ہونی چاہئے لیکن سزا قانونی طریقہ کار کے مطابق ہونی چاہئے جبکہ اس معاملے میں ایسا نہیں کیا گیا۔ نذیر کی سزائے موت فوجی عدالتوں میں میجروں کے ہاتھوں ہونے والے بہیمانہ قتلوں کی طویل فہرست میں اضافہ ہے۔

چیئرمین بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف مذموم اور مکروہ الزام تراشی

کے برخلاف، پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے پاکستان کی مارشل لائی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسے سماجی اور سیاسی حالات پیدا کیے جن کے تحت آزاد عدلیہ کا وجود قیام میں آ سکے۔ یہ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اپریل 1977ء میں لاہور ہائی کورٹ لاہور شہر میں سول حکومت کی مدد کے لیے لگائے گئے مارشل لاء کو غیر قانونی قرار دے سکی۔ لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کا پی پی پی کی حکومت نے احترام کیا۔ عدالتی ریکارڈ اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ عدالتوں نے چند دنوں کے اندر اندر شہریوں کی نظر بندی سے متعلق درجنوں مقدموں کا فیصلہ سنایا اور شہریوں کی نظر بندی ختم ہو گئی۔ اس کے قطعی برعکس جنتا نے نظر بندی احکامات کے تحت ہزاروں سیاسی قیدیوں کو مدت سے جیلوں میں سڑنے کے لیے بند رکھا ہے۔ ضمیر کے ان قیدیوں کو ان کی چارج شیٹ تک نہیں دی گئی اس لیے وہ عدالتوں میں نہیں جا سکتے۔ پورا ایک سال گزر گیا ہے کہ یہ لوگ جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں ایک سال گزر جانے کے باوجود نظر بندوں کی سینکڑوں رٹ پٹیشنیں کسی فیصلے کے بغیر پڑی ہوئی ہیں۔

جالندھری جنتا نے ملک کے جوڈیشل اداروں کو منظم طریقے سے بے بس و مجبور کر کے رکھ دیا ہے اور یہ مذموم کوشش مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی شروع کر دی گئی۔ 5 جولائی 1977ء کے اعلان کے تحت سپریم کورٹ کے ان اختیارات کو واپس لے لیا گیا جن کے تحت وہ انتظامی اقدامات کو زیر غور لا سکتی ہے۔ چاروں صوبوں کے چیف جسٹسوں کو قائم مقام گورنر بنا کر چیف جسٹسوں کے عہدوں کو خالی رکھنے کی ''کاریگرانہ کوشش'' نے عدالتی اختیار کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اس مکارانہ طریقہ کار نے جنتا کو قابل بنایا کہ وہ خالی عہدوں کو پُر کرنے کے لیے اپنی پسند کے قائم مقام چیف جسٹس مقرر کر کے اعلیٰ عدالتوں پر اپنا کنٹرول قائم کر سکے۔ اسی مکارانہ کوشش کے

www.bhutto.org

پردے میں جنتا کے کلہاڑے باز مولوی مشتاق کو جو جالندھری جنتا اور جالندھری عدلیہ کے درمیان وسیلہ ہے، قائم مقام چیف جسٹس بنایا گیا۔

ملک کی سب سے بڑی اور اہم ہائی کورٹ میں مولوی مشتاق کی قائم مقام چیف جسٹس کے عہدے پر ترقی کا ذکر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مسٹر بھٹو کی حکومت کے دوران مولوی مشتاق کو چیف جسٹس کے عہدے کے لیے نظر انداز کیا گیا اس لیے حکومت کے ساتھ انہیں مخاصمت تھی اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ مارشل لاء لگنے کے بعد مولوی مشتاق کو نہ صرف چیف جسٹس کے فرائض دیئے گئے بلکہ انہیں چیف الیکشن کمشنر اور مارشل لاء حکومت کا پرنسپل لاء ایڈوائزر مقرر کیا گیا۔ عدلیہ اور انتظامی عہدوں کے ایک شخص میں یکجا ہو جانے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح خود کو آزاد کہہ سکتے ہیں، اور عدلیہ کو کس طرح آزاد کہا جا سکتا ہے لیکن جالندھری عدلیہ یا جالندھری جنتا کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس سے کیا نقصان ہو رہا ہے۔ یہ اقدام دو اداروں کے اختیارات کو علیحدہ رکھنے کے تصور کے لیے انتہائی تباہ کن ہے اور اسی اقدام نے لاہور ہائی کورٹ کو جنرل ضیاء اور اس کی جنتا کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا۔ اسی لاہور ہائی کورٹ میں چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔

چیئرمین بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل کی کارروائی شروع ہوتے ہی مولوی مشتاق نے خود کو لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے طور پر پکا مستقل کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ مقدمہ قتل کے اختتام تک خود کو قائم مقام چیف جسٹس نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا جالندھری بھائی جنرل ضیاء اپنا ہر وعدہ توڑنے کے لیے مشہور ہے اس لیے وہ چاہتا تھا کہ سزائے موت سنانے سے پہلے ہی اسے اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر اسے چیف جسٹس کے طور پر مستقل نہ کیا گیا تو وہ سزائے موت نہیں سنائے گا۔ یہ وہ عہدہ تھا جو دو مرتبہ چیئرمین بھٹو کی حکومت نے اسے دینے سے انکار کیا تھا۔ اس کے مطالبے نے جنتا کو مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ حکومت کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اگر مولوی مشتاق کو مستقل چیف جسٹس بنا دیا جاتا ہے تو پھر وہ پنجاب کے قائم مقام گورنر کا عہدہ بھی سنبھال لے گا۔ اس لیے کہ جنرل ضیاء کے ابتدائی اعلان کے مطابق ایسا ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن مقدمہ کا فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کرانے کے لیے مولوی مشتاق جنتا کے لیے ناگزیر تھا چنانچہ ایک نہایت

www.bhutto.org

برے مارشل لاء کے ضابطہ کے ذریعے ایک خصوصی رعایت پیدا کی گئی جس کے تحت اسلم ریاض کو جسے حال ہی میں سپریم کورٹ کا جج بنا دیا گیا تھا، گورنر پنجاب کے عہدے پر فائز رکھا گیا اور حال ہی میں مستقل کیے گئے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق کو ہائی کورٹ ہی میں رکھا گیا تاکہ وہ خود مقدمہ قتل کی سماعت کرے۔ چنانچہ گزشتہ نو ماہ سے سپریم کورٹ کا ایک مستقل جج گورنر پنجاب کے طور پر کام کر رہا ہے اور اس عرصے میں ایک دن کے لیے بھی اس نے اپنے عدالتی فرائض سرانجام نہیں دیئے۔ ہماری عدلیہ کی تاریخ میں یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی ''مثال'' نہیں ملتی۔

عدلیہ کی ایک آزاد ادارے کی حیثیت اور طاقت کو ختم کرنے کے لیے ایک منظم سازش کی گئی اور اس سازش کا آغاز سپریم کورٹ سے کیا گیا۔ اس حملے کا پہلا نشانہ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا جس طریقے سے اسے اس عہدے سے ہٹایا گیا، اس نے پاکستان کے آئینی وجود کو زبردست دھچکا لگایا۔ چیف جسٹس کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے سپریم کورٹ کو بیگم نصرت بھٹو کی پٹیشن کی سماعت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ بیگم نصرت بھٹو نے جو پٹیشن دائر کی تھی اس میں انہوں نے ملک کے اقتدار پر فوجی قبضے اور پاکستان پیپلز پارٹی کے دس رہنماؤں سمیت چیئرمین بھٹو کی مارشل لاء ضابطہ نمبر 12 کے تحت نظر بندی کو چیلنج کیا تھا۔ سپریم کورٹ نے صرف اتنا کیا کہ اس نے نظر بندوں کو عدالت میں پیش کرنے کا حکم دیا تھا لیکن سپریم کورٹ کے اس اقدام نے طاقت کے نشے میں چور کمانڈر کو غضبناک کر دیا۔ اس نے راتوں رات ایک الٹی میٹم جاری کیا جس کے تحت چیف جسٹس کو اپنا بوریا بستر لپیٹنا پڑا اور ججوں کو ایک نیا حلف لینے پر مجبور کیا جس میں سے آئین کے متعلق تمام حوالے خارج کر دیئے گئے۔ اس اقدام سے جنرل ضیاء الحق کو یہ موقع مل گیا کہ اس نے اپنے جالندھری بھائی انوار الحق کو سپریم کورٹ کا نیا چیف جسٹس مقرر کر دیا۔

ابھی عدلیہ کی مکمل تباہی نہیں ہوئی تھی۔ اس مقصد کے لیے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ تمام مروجہ عدالتی اداروں کو بیکار بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ ان کے اختیارات کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے مارشل لاء کے احکامات کی بھرمار کر دی گئی۔ جن کے تحت جرائم کی نئی فہرست تیار کی گئی اور غیر انسانی سزائیں تجویز کی گئیں۔ ان پر عمل درآمد کے لیے مارشل لاء عدالتوں کی شکل میں ایک متوازی عدلیہ قائم کی گئی۔ مارشل لاء عدالت کا سربراہ کسی جونیئر فوجی افسر کو مقرر کیا جاتا ہے جو

www.bhutto.org

انتظامی طور پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت ہے۔ جنرل ضیاء الحق پر معمولی تنقید بھی جرم بن چکی ہے جس کی سزا موت بھی ہوسکتی ہے۔ مارشل لاء عدالتوں کے لیے فوری سماعت کا طریقہ اپنایا گیا ہے جبکہ ملزم کے لیے قانونی امداد اور اپیل کا حق نہیں رکھا گیا۔ جنرل کی تسلی اس سے بھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ نظر بندی کے سفاکانہ احکامات نافذ کر دیئے گئے ہیں جن کے تحت نظر بندی کی میعاد کی آئینی حد کو ختم کر دیا گیا ہے۔

شہریوں کو کچلنے اور جمہوریت کے حق میں محض نعرے لگانے پر ظالمانہ اور شدید سزاؤں کے ذریعے انہیں خوف زدہ کر کے غلام بنانے کی اس کارروائی میں اس سنگدلانہ اور ''پُرجلال'' مشینری کے موچنے یا دست پناہ پوری طرح شریک ہیں۔ ریاست کے عام قانون نافذ کرنے والے اداروں کو خوف زدہ کر کے انہیں اپنے بے رحمانہ اور بہیمانہ مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ اس یکطرفہ اور بے رحمانہ قوت کے استعمال سے خوف و دہشت اور بددیانتی کی حکمرانی قائم کر دی گئی ہے۔

ایک سال کے مختصر سے عرصے میں فوجی عدالتوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے پندرہ ہزار سے زائد کارکنوں کو ایک سال قید بامشقت اور پندرہ کوڑوں کی سزائیں دی ہیں۔ ہزاروں افراد کو، جن میں نوعمر بھی شامل ہیں، سرعام کوڑے مارے گئے۔ پارلیمنٹ کے سابق ارکان اور قانون دان بھی ان سزاؤں سے نہیں بچ سکے۔ پولیس کے ڈنڈے نے پاکستان کی سابقہ خاتون اور بیگم نصرت بھٹو کا لحاظ بھی نہیں کیا جنہیں پولیس تشدد کر نتیجے میں اپنے سر میں متعدد ٹانکے لگوانے پڑے۔ ظالمانہ نظر بندی کے قوانین کے تحت ہزاروں دوسرے پارٹی کارکنوں کو غیر معینہ مدت کے لیے نظر بند کر دیا گیا۔ خوف و دہشت کے اس دور کے چند واقعات ہی دکھی کر دینے کے لیے کافی ہیں۔

1- پارلیمنٹ کے سابق رکن اور ایڈووکیٹ مسٹر عبدالقیوم بٹ کو جن کا تعلق راولپنڈی سے ہے، چیئرمین بھٹو کی حمایت میں نعرہ لگانے پر سرعام کوڑے مارے گئے۔

2- سانگھڑ ضلع کے دو وکیلوں مسٹر غلام رسول انہڑ اور مسٹر عبدالسلام تھیم کو فوجی عدالت نے کسی شہادت کو قلمبند کیے بغیر ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ انہیں جیل میں عام مجرموں کے ساتھ رکھا گیا۔

3- لاہور سے پنجاب اسمبلی کے سابق رکن مسٹر قیوم نظامی کو لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں

www.bhutto.org

سرعام کوڑے مارے گئے۔ ان کی اہلیہ اور ایک سال سے کم عمر کے بچے کو بھی سزائے قید دی گئی اور اسی جیل میں انہیں ایک علیحدہ سیل میں رکھا گیا۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

4- پاکستان پیپلز پارٹی کی تمام اعلیٰ قیادت کو کسی الزام کے بغیر نظر بندی قوانین کے تحت قید تنہائی میں رکھا گیا۔

5- کراچی کے ملحقہ علاقہ ملیر میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نوعمر لڑکوں اور چند مردوں کے ساتھ پچھلے سال اکتوبر میں بابا شاہ ولایت کے مزار پر چیئرمین بھٹو کی رہائی کے لیے دعائیں مانگنے گئی۔ پولیس اور فوج نے مزار کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور انہوں نے ان خواتین، نوعمر لڑکوں اور چند مردوں پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ نوعمر لڑکوں سمیت چالیس افراد کو گرفتار کر لیا گیا اور صرف دو گھنٹے کے اندر اندر ہر ایک کو ایک ایک سال سزائے قید بامشقت اور پندرہ پندرہ کوڑوں کی سزائیں سنا دی گئیں۔

6- 5 جنوری 1978ء کو ممتاز عالم دین مولانا احترام الحق تھانوی جمہوریت کی بحالی کی دعائیں مانگنے کے لیے کراچی کی میمن مسجد میں گئے۔ پولیس کے سفید پوشوں نے ان کی سخت پٹائی کی اور ایک فوجی عدالت نے انہیں دس ماہ کی سزا سنا دی۔

7- 5 دسمبر 1977ء کو پولیس کا ایک بڑا جتھہ سندھ ہائی کورٹ کے احاطے میں گھس گیا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور لیڈروں کو ظالمانہ طریقے سے مارا۔ یہ لوگ پی پی پی کے نظر بند رہنماؤں سے متعلق مقدمے کی کارروائی دیکھنے آئے تھے۔ پولیس حملے کے نتیجے میں چار خواتین بے ہوش ہو کر گر پڑیں اور 22 مردوں کو فوری طور پر فوجی عدالت نے نو نو ماہ قید کی سزائیں سنا دیں۔ دیکھ لیجیے کہ اعلیٰ عدالتوں کا احترام کس قدر کیا جا رہا ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے عدالت کے احاطے میں عوام کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے بھاری تعداد میں پولیس تعینات کر دی جاتی ہے۔ عدالتوں میں داخلے کا حق صرف ان چند افراد کو ہے جنہیں پاس دیئے گئے ہیں۔

8- فوجی حکومت کی کامیابی کا ایک ''خوبصورت روپ'' یہ ہے کہ نظر بندی قوانین کے تحت مدعی کا یہ حق بھی چھین لیا گیا ہے کہ وہ اپنی رہائی کے لیے آزادانہ طور پر مقدمہ لڑ سکے۔ اگر وہ اپنے خلاف حکومت کی بدنیتی کو ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش اس کی

www.bhutto.org

سزائے قید میں اضافہ کا باعث بن جاتی ہے۔ سندھ ہائی کورٹ کے ڈویژنل بنچ نے مسٹر حفیظ پیرزادہ اور مسٹر ممتاز علی بھٹو کی حبس بے جا کی پٹیشنوں کو خارج کرنے کا فیصلہ دے کر عدالتی کارروائیوں سے منسلک صدیوں پرانے استحقاق اور تقدس کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ ڈویژنل بنچ کے فیصلہ کی بنیاد یہ تھی کہ کوئی نظر بند اگر بنچ کے سامنے اپنے دفاع میں کچھ کہتا ہے تو یہ بات احتیاطی بنیادوں پر اس کی مزید نظر بندی کے لیے قانونی بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔

یہ ایک سالہ فوجی دور آزاد عدلیہ کو غلام بنانے اور جالندھری جنتا اور جالندھری عدلیہ کے درمیان ایک ناپاک گٹھ جوڑ کی شرمناک کہانی بیان کرتا ہے۔

www.bhutto.org

آٹھواں باب

افواہ:

''گزشتہ برس ستمبر میں پاکستان کے نئے چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوار الحق نے اپنے اعزاز میں منعقدہ کورٹ ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ گزشتہ دور حکومت میں اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو اور سپریم کورٹ کے ایک جج کو، جو نظر بندی سے متعلق مقدمات کے ریویو بورڈ کے رکن تھے، دھمکی دی گئی تھی۔''

حقیقت:

ریفرنس کے موقع پر چیف جسٹس کے یہ کلمات ان کی سچائی یا دروغ گوئی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے یہ کلمات کسی صورت میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کی بداندیشی کی عکاسی نہیں کرتے حالانکہ چیف جسٹس چاہتے یہی تھے۔ چیف جسٹس نے یہ کلمات اس وقت کہے جب وہ اپنے پیشرو مسٹر جسٹس یعقوب علی خان کے نکالے جانے کی وجہ سے زبردستی خالی کرائے جانے والے عہدے پر بٹھائے گئے۔ نئے چیف جسٹس کے ان غلط کلمات کے بارے میں یہ فیصلہ آنے والی نسلیں کریں گی۔ انہوں نے یہ کلمات جان بوجھ کر کہے تاکہ پیپلز پارٹی کی عوامی حکومت کو رسوا کر کے یونیفارم میں ملبوس اپنے جنگجو ناخداؤں کو خوش کر سکیں۔

اگر چیف جسٹس کے ان کلمات کو بے احتیاطی یا ناعاقبت اندیشی کہا جائے تو یہ انتہائی فیاضانہ تشریح ہوگی۔ یہ کہنا ہی بیکار ہے کہ انہوں نے یہ حماقت ناعاقبت اندیشی یا بے احتیاطی اس وقت کی جب سپریم کورٹ اس مسئلے پر غور کر رہی تھی کہ قوت کے ذریعے اقتدار پر جنرل ضیاء الحق کے قبضے کا قانونی جواز کیا تھا۔

''لائق احترام'' چیف جسٹس کو کم از کم ان حالات و واقعات ہی کو سامنے رکھ لینا چاہئے تھا جن میں ان کے پیشرو کو یہ اعلیٰ عہدہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ عدالتی دیانتداری کا تقاضا بھی

www.bhutto.org

یہ تھا کہ پارلیمنٹ میں ججوں کے خلاف نام نہاد زیادتی کو اپنے خطاب کا حصہ نہ بنایا جاتا اس لیے کہ پارلیمنٹ میں تقریروں کے استحقاق کا مسئلہ توہین عدالت کی کارروائی کے طور پر سپریم کورٹ میں زیر سماعت تھا۔ المیہ تو یہ تھا کہ سچ کو ظاہر کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اپنے ریفرنس میں چیف جسٹس نے جو کلمات کہے ان کا ناگزیر نتیجہ یہی نکالا جا سکتا ہے کہ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کا سب سے بڑا عہدیدار فوجی قبضہ کی اس وقت اخلاقی مدد کر رہا ہے۔ جب اس کے قانونی یا غیر قانونی ہونے کا مسئلہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔

چونکہ چیف جسٹس نے جھوٹے الزامات عائد کیے ہیں اس لیے ان الزامات کا کوئی تقدس نہیں ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سابقہ ڈپٹی کمشنر اور غاصبوں کے کہنے پر ملک کے اعلیٰ ترین عدالتی اور انتظامی عہدوں پر مسلط ہونے والے جالندھری نے جو کچھ کہا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جس دھمکی کا ذکر اس جالندھری نے کیا ہے اس سے متعلق واقعہ 1973ء کا ہے۔ آئین میں فرد کی آزادی کے بنیادی حقوق کی جو شق ہے اس کے تحت وفاقی اتھارٹی کی طرف سے جاری کیے گئے نظر بندی کے ہر حکم پر نظر ثانی سپریم کورٹ کا جج کر سکتا تھا اس کا مقصد انتظامیہ کے اختیارات کے بے لگام استعمال کو روکنا تھا تاکہ کوئی شہری آزادی کے حق سے محروم نہ ہو۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ 1973ء میں پاکستان میں ایمرجنسی نافذ تھی جس کے تحت تمام بنیادی حقوق معطل تھے۔ یہ اعزاز بھی چیئرمین بھٹو کی حکومت ہی کو حاصل تھا کہ شہری آزادیوں کو متاثر کرنے والے معاملات کے بارے میں انتظامیہ کے اقدامات عدالتی نظر ثانی کے تابع تھے۔ اس سلسلے میں تمام بنیادی تحفظات کو حکومت واجب التعمیل اور قابل احترام سمجھتی تھی حالانکہ ان پر عمل درآمد حکومت پر لازم نہیں تھا۔ چنانچہ عدالتی ریویو بورڈ تمام تر اختیارات کے ساتھ کام کرتے رہے اور یوں لگتا تھا جیسے ایمرجنسی لگی ہی نہ ہو۔

اس کے برخلاف فوجی جنتا نے مارشل لاء کے ہتھیار استعمال کر کے یکطرفہ اور غیر قانونی نظر بندیوں کے خلاف شہریوں کو دیئے گئے ہر تحفظ کو ختم کر کے رکھ دیا۔ ہر تحفظ کو کچل دیا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ نظر بندی کے احکامات کی جانچ پڑتال کا تحفظ بے معنی ہو گیا ہے اور عدالتی ریویو کی کھلے عام توہین کی جا رہی ہے۔ آج کسی بھی شہری کو گرفتاری کی وجوہات کے بارے میں اطلاع کیے بغیر کسی بھی مدت کے لیے جیل میں نظر بند رکھا جا سکتا ہے۔ نظر بندی احکامات کے ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں فارم چھپوا لیے گئے ہیں جو تھانوں میں پڑے ہیں اور ان فارموں پر

www.bhutto.org

نظر بندی کے احکام جاری کرنے والے احکام کے دستخط موجود ہیں۔ تھانے کا پولیس افسر اپنی مرضی کے مطابق ان فارموں کو پُر کرتا ہے اور جس کو چاہے گرفتار کر لیتا ہے۔ سینکڑوں معصوم افراد کو بغیر کسی وجہ کے نظر بند کر دیا گیا ہے اور ان کی نظر بندی کے لیے معمول کے احکامات بھی حاصل نہیں کیے گئے۔ اس صورت حال نے بد دیانتی اور بدعنوانی کو جنم دیا ہے۔ ان مقدمات کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ محض اس تعداد کی وجہ سے عدالتوں کو ایسے افراد کی دادرسی سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اس حوالے سے دیکھیں تو سپریم کورٹ کے جج کی طرف سے لگائے گئے الزام کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ سابق صدر کے عملہ کے کسی انفرادی رکن نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اپنے طور پر حماقت کی۔ کسی فرد کا ایسا اقدام اس کی ناعاقبت اندیشی ہی ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ کا تعلق اس دور سے ہے جب عبوری آئین نافذ تھا۔ یہ مخصوص شخص جو نہ تو وزیر تھا اور نہ ہی منتخب نمائندہ، عدالت میں شہریوں کی آزادی کے تحفظ کی ضمانتوں سے متعلق حکومت کے موقف کی وضاحت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے صدر کی طرف سے ایسا کرنے کی ہدایت نہیں تھی۔ سپریم کورٹ کے جج کے ساتھ بحث کے دوران کچھ نامناسب فقرے استعمال ہوئے۔ یہ یقیناً قابل مذمت بات تھی۔ اگر یہ حماقت تھی تو ایک فرد کی تھی اسے صدر یا حکومت کی ناعاقبت اندیشی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جب صدر بھٹو کو اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے فوری طور پر اپنے وزیر قانون و پارلیمانی امور کو بھیجا تاکہ وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ جج سے معافی مانگیں۔ موجودہ چیف جسٹس نے پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کو جان بوجھ کر بدنام کرنے کے لیے واقعہ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور اس واقعہ پر صدر بھٹو کے شدید ردعمل کو جان بوجھ کر چھپایا ہے۔ جب وہ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے معاملات پر قابل مذمت دورنگی اور فریب کاری کو روا رکھے ہوئے ہیں تو پھر لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف چیئرمین بھٹو نے جو اپیل دائر کر رکھی ہے اس کی سماعت کرنے والے بنچ میں انوار الحق کا موجود ہونا انصاف کی صریحاً توہین ہے۔

سابق چیف جسٹس اللہ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں اور وہ اس حقیقت کی شہادت دیں گے کہ اس ناخوشگوار واقعہ کے سوا چھ سال کے طویل عرصے میں اور کوئی واقعہ نہیں ہوا جس کو اس مقدمہ کے لیے شہادت کے طور پر پیش کیا جا سکے کہ چیئرمین بھٹو کی حکومت اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات پر اثر انداز ہوتی تھی۔ چیئرمین بھٹو کی حکومت کے سپریم کورٹ کے ساتھ تعلقات بے

www.bhutto.org

حد خوشگوار اور آئینی حدود کے اندر رہے۔ جب کبھی آئینی یا قانونی ضرورت محسوس ہوئی تو سپریم کورٹ یا چیف جسٹس سے مشورہ اور ہدایت لی گئی اور اس پر ہمیشہ عمل کیا گیا۔

موجودہ چیف جسٹس نے یہ کہہ کر کہ پارلیمنٹ میں اعلیٰ عدالتوں کو ''بُرا بھلا'' کہا گیا، دراصل رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی ہے۔ قومی اسمبلی میں ہونے والی بحثیں پبلک ریکارڈ کے طور پر موجود ہیں اور یہ ریکارڈ اس ذلیل الزام کی قطعی تردید کرے گا۔ کسی بھی جج کو، چاہے وہ اعلیٰ عدالت کا ہو یا نچلی عدالتوں کا، کسی بھی انداز میں نہ تو گالی دی گئی، نہ ہی بدنام کیا گیا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی سکینڈل بنایا گیا۔

یہ حیرت انگیز بات ہے یا شاید اتنی بھی حیرت ناک نہیں کہ چیف جسٹس نے اپنے ریفرنس میں اس وقت یہ ذلیل اور جھوٹے الزامات لگائے جب وہ بیگم بھٹو کی اس آئینی درخواست کی سماعت کر رہے ہیں جس میں انہوں نے مارشل لاء کی قانونی حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔ اگر چیف جسٹس اتنے ہی ایماندار اور دیانتدار ہیں جتنا کہ وہ سپریم کورٹ میں بہروں کے سامنے دعویٰ کرتے ہیں تو پھر انہوں نے اپنے ریفرنس میں اس غیر معروف پارلیمنٹرین کے توہین آمیز رویے کا ذکر کیوں نہیں کیا جس نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے موقف کے متعلق کہا تھا کہ ''اس کی حیثیت ٹوائلٹ پیپر سے زیادہ نہیں۔'' (قومی اسمبلی ..... بحث کی کارروائی 1974ء) کیا چیف جسٹس نے اس توہین آمیز رویے کا ذکر اپنے ریفرنس کے خطاب میں اس لیے نہیں کیا تھا کہ یہ فقرہ کہنے والا جناح کا دلال احمد رضا قصوری تھا؟

www.bhutto.org

نواں باب

افواہ:

''پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کو دبانے کی کوشش کی۔ چوتھی اور پانچویں ترامیم کو چیف جسٹس کی تقرری اور ضمانت منظور کرنے سے متعلق عدالتوں کے اختیار کو محدود کرنے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔''

حقیقت:

آئین میں ترمیم کسی ایک فرد یا اس کی حکومت کی کوئی آمرانہ کوشش نہیں ہوا کرتی۔ دنیا کے ہر اس ملک میں جہاں آئین موجود ہے، بعض قواعد وضوابط کے تحت آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے ہماری پارلیمنٹ کو ترمیم کا حق اس کے بنائے ہوئے مقبول آئین نے دے رکھا تھا۔ مزید برآں آئین میں ترمیم کے اصولی طریق کار کو طے کیا گیا تھا۔ اکتوبر 1972ء میں قومی اسمبلی میں تمام جماعتوں کے رہنماؤں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں آئین میں ترمیم کے اصول متفقہ طور پر طے کیے گئے تھے۔ اس معاہدے کی بنیاد پر قومی اسمبلی میں موجود تمام جماعتوں کی منظوری سے آئین میں ایک آرٹیکل شامل کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ قومی اسمبلی کے ارکان کی دو تہائی اکثریت اور اس کے بعد سینٹ میں اکثریت کی منظوری کے ساتھ آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے آئین کی شقوں کے مطابق ترمیم سے متعلق آرٹیکل پر عمل کیا تھا۔

اس کے مقابلے میں دیکھئے کہ آج کیا صورت حال ہے؟ ایک انفرادی فوجی کمانڈر جس نے اسلحہ کی مدد سے نمائندہ حکومت کا تختہ الٹا، جو اپنے آپ کو عوام کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا، ریاست کے تین اختیارات کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے حالانکہ آئین کے مطابق یہ تینوں اختیارات الگ الگ ہیں۔ جنرل کے متعدد وعدوں کے باوجود کہ آئین کو ختم نہیں کیا جائے گا اور محض چند ایک شقوں کو معطل کیا گیا ہے۔ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کونسی شقیں ہیں جو ابھی تک جنرل کی تلوار سے بچ کر محفوظ رہ گئی ہیں یہ انتشار اور خلفشار اس وقت دو چند ہو جاتا ہے جب عدالتوں میں کارروائی کے دوران پتہ چلتا ہے کہ فلاں فلاں شق بھی معطل ہو چکی ہے۔ ان عدالتی کارروائیوں کے دوران معلوم

www.bhutto.org

ہوتا ہے کہ عدالتوں کے اختیارات پر آمر کی تلوار کتنی ضربیں لگا چکی ہے اور کتنے لوگ گھائل ہو چکے ہیں۔ بعض امور میں تو عوام کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل کر مجرمانہ لذت حاصل کی جاتی ہے۔ جنتا کے سربراہ نے جو لذیذ لقمے پھینکے ہیں، ان کی دو مثالیں واقعات کے ذریعے پیش کی جاتی ہیں۔

تقریباً چھ ماہ قبل جنرل ضیاء الحق نے خود ایک واضح اعلان کیا تھا کہ اس نے آئین میں ترمیم کی ہے تاکہ تمام عدالتیں اسلامی قانون نافذ کر سکیں اور تمام غیر اسلامی قوانین کو منسوخ کیا جا سکے۔ اس اعلان نامہ کے نتیجے میں عدالتوں میں متعدد پٹیشنیں پیش کی گئیں لیکن اس وقت لوگوں کو سخت مایوسی ہوئی جب عدالتوں نے اس بنیاد پر ان پٹیشنوں کو خارج کر دیا کہ جنرل ضیاء الحق نے محض زبانی اعلان کیا ہے اور پبلک گزٹ کے ذریعے اس کی نوٹیفکیشن نہیں کی گئی اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی مارشل لاء کا ضابطہ جاری کیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہے ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ اس ''مومن'' کا دل کیسے بدل گیا کہ اپنے اس اعلان کو سرکاری طور پر نافذ نہیں کیا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کے تحت نہ تو چیئرمین بھٹو کو ایک اقراری مجرم کے بیان کی بنیاد پر مجرم قرار دیا جا سکتا تھا اور نہ ہی سازش کرنے کے الزام میں انہیں پھانسی کی سزا دی جا سکتی تھی اس لیے کہ اسلامی قانون کے مطابق صرف وہی شخص قتل کا گناہگار ہو سکتا ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں سے وار کیا ہو۔

ستمبر 1977ء میں یہ اعلان عام کیا گیا کہ پارلیمنٹ نے جو آئینی ترامیم منظور کی تھیں، وہ تمام کی تمام منسوخ کر دی گئی ہیں۔ اس اعلان عام کو صرف اس وقت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس یعقوب علی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا گیا جبکہ اس اعلان نامے نے بعد میں دن کی روشنی بھی نہیں دیکھی۔ خود عدالتوں کو اپنے اختیارات اور حدود کا علم نہیں ہے جبکہ ترامیم کے تحت عدالتیں اپنے اختیارات اور حدود سے پوری طرح واقف تھیں اور یہ وہی ترامیم ہیں جن کو ''منسوخ'' کیا جا چکا ہے۔

جنرل کے اس اعلان نامے سے بہت زیادہ خلفشار پیدا ہوا اس لیے جنرل نے اپنی عادت کے عین مطابق یہ تو واضح کیا ہی نہیں کہ آئین کی وہ کون سی شقیں ہیں جنہیں منسوخ کیا گیا ہے۔ اس اعلان کا فائدہ صرف ایک شخص کو ہوا ہے اور وہ ہے نیا چیف جسٹس۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب بیگم نصرت بھٹو نے اپنی پٹیشن پیش کی جس میں مارشل لاء کے جواز کو چیلنج کیا گیا ہے۔

آئین میں چوتھی اور پانچویں ترامیم کے خلاف جو نکتہ چینی کی جا رہی ہے اس کا واضح طور پر ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ ان ترامیم کے مقاصد کو مسخ کر کے عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔

www.bhutto.org

ان ترامیم کا ایک انتہائی اہم پس منظر ہے جس سے پاکستان کا ہر فرد اچھی طرح واقف ہے، یہ ترامیم ان چند ججوں کے ناجائز اقدامات کی وجہ سے ضروری ہوگئی تھیں، جن کا تقرر سابقہ فوجی آمروں نے کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے ان ترامیم کے خلاف محاذ بنالیا اور ان کے مقصد کو مسخ کر کے پیش کیا اس میں ان کا تعصب اور انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ اب سنئے کہ ان ججوں کی مخاصمت کی وجہ کیا تھی۔ چند ججوں کے بارے میں اعلیٰ سطح کی عدالتی تحقیقات سے پتہ چلا کہ وہ بددیانتی کی دلدل میں گردن تک دھنسے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو جنہوں نے سابقہ آمروں کے دلالوں کا کردار ادا کیا تھا ''خدمت'' کے بدلے میں مختلف طریقے سے نوازا گیا تھا، خطرہ تھا کہ اگر ان کے خلاف تحقیقاتی رپورٹ کو شائع کر دیا گیا تو اس سے عدلیہ سخت بدنام ہو جائے گی اور ایسے وقت میں جب قوم شکست خوردہ تھی یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ ان نادہندہ افراد نے پاکستان پیپلز پارٹی کی اس ہمدردانہ سوچ سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اپنی مدت ملازمت کو تحفظ دینے کے لیے منفی طریقے اختیار کیے اور درجنوں مقدمات میں قانون کی حدوں کو پھلانگتے رہے۔ بدقماش اور بددیانت ججوں کے اس گروہ کا سب سے اعلیٰ پروہت مولوی مشتاق تھا۔ اس گروہ کی بدنامی آسمان کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ ججوں کا یہ گروہ وہی ہے جو عدالت میں پیش کی گئی شہادتوں کی بنیاد پر مقدمات کے فیصلے نہیں کرتا بلکہ ان کے گھروں میں پہنچائے گئے کرنسی نوٹوں کے ڈھیروں کو دیکھ کر فیصلے دیتا ہے۔

1972ء کے عبوری آئین سمیت 1956ء سے اب تک پاکستان میں چار آئین بنے۔ اعلیٰ عدالتوں نے درجنوں بار جو تشریح کی، اس کے مطابق ان میں سے ہر آئین نے انتظامیہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنے اطمینان کے مطابق کسی شخص کی نظر بندی کا حکم دے سکتی ہے۔ ایسا اس لیے ضروری ہے کہ اس شخص کو غیر قانونی اقدامات سے باز رکھا جا سکے۔ اس قسم کے اختیارات تمام جمہوری حکومتوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ عدلیہ کو ایسے اقدامات کی جانچ پڑتال کرنے کے لیے ہمیشہ محدود آئینی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ تاہم 1962ء سے آئین کے ذریعے عدالتی ریویو کے اختیار کو کافی وسعت دی گئی ہے تاکہ عدالت یہ جان سکے کہ واقعی انتظامیہ نے اپنے اختیار کو مناسب طریقے سے استعمال کیا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی جوڈیشل جسٹس کی ایڈمنسٹریشن سے متعلق قانون کے تحت قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہمیشہ یہ اختیار حاصل رہا ہے کہ وہ ایسے فرد کو گرفتار کر لیں جس پر قابل گرفت جرم کا شبہ ہو لیکن عام عدالتوں کو یہ اختیار حاصل رہا ہے کہ وہ ایسے فرد کو ضمانت پر رہا کر دیں۔ اعلیٰ عدالتوں نے اسے واضح کر دیا ہے کہ عدالت اس شرط کے ساتھ نظر

www.bhutto.org

بندی کے مقدمات پر نظر ثانی کر سکتی ہے اور کریمنل مقدمات میں ضمانت ہو سکتی ہے۔ انتظامیہ کو ایسے افراد کے خلاف اقدام کرنے کے اختیار سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔

سویلین حکومت کے قیام سے ہی ان ججوں نے، جو چوتھی ترمیم سے متاثر ہوئے تھے، متعدد مقدمات میں ایسے فیصلے دیئے جن سے ان کے نئے رجحانات سامنے آنے شروع ہو گئے۔ بغیر وجوہات کے عبوری طور پر یکطرفہ فیصلے دیئے جانے لگے اور بعد میں مقدموں کے صحیح اور حتمی فیصلے دینے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ چیف جسٹس کی غیر موجودگی میں مولوی مشتاق سینئر جج کی حیثیت سے قائم مقام چیف جسٹس بنا اس دوران جتنے بھی مقدموں میں عبوری طور پر یکطرفہ فیصلے دیئے گئے ان میں آج تک فیصلے کی وجوہ نہیں بتائی گئیں اور نہ ہی انتظامیہ کے موقف کو سنا گیا۔

-1 1975ء میں مولوی مشتاق نے ایک شخص کی درخواست پر جو یکطرفہ حکم دیا وہ درج ذیل تھا:

درخواست دہندہ کو نظر بندی سے متعلق قانون کے تحت گرفتار نہیں کیا جائے گا، نہ اس کے خلاف نظر بندی کے احکامات جاری کیے جائیں گے اور نہ ہی عدالت کی اجازت کے بغیر اس کے کیے ہوئے کسی بھی جرم پر درخواست دہندہ کو گرفتار یا نظر بند کیا جائے گا۔''

فاضل جج نے بعد میں مزے لے لے کر وضاحت کی کہ اس کے حکم کے تحت متعلقہ شخص عدالت میں گھس سکتا ہے اور چیف جسٹس کو قتل کر کے غائب ہو سکتا ہے۔

-2 لاہور ہائی کورٹ کے ایک دوسرے جج نے ایک گمنام ٹیلیگرام پر احکامات صادر کر دیئے۔ اس ٹیلیگرام میں الزام لگایا گیا تھا کہ پولیس نے گیارہ افراد کو گرفتار کر لیا تھا۔ جج صاحب نے، یہ جانے بغیر کہ گیارہ آدمیوں کو گرفتار بھی کیا گیا ہے یا نہیں اور اگر گرفتار کیے گئے ہیں تو گرفتاری کی وجوہات کیا ہیں، اپنا حکم صادر فرما دیا۔

معزز جج صاحبان نے انتظامیہ کے خلاف اپنے غصے کا اظہار کیا اور اپنے اوچھے رویہ کے ذریعے حکومت کے آئینی اور اخلاقی اختیار کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اس ناعاقبت اندیشانہ اور بچگانہ رویے نے، جو کسی بھی دوسرے سماج میں روا نہیں رکھا جاتا، پانچویں ترمیم کے لیے حالات سازگار کیے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ جج محض گمان کی بنیاد پر یکطرفہ فیصلے نہیں دے سکتا۔ ان ججوں نے پانچویں ترمیم کے خلاف جس غم و غصے کا اظہار کیا ہے اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس سے انہیں مالی نقصان ہے کیونکہ یکطرفہ فیصلہ تو وہ اپنے اختیار کو استعمال کر کے دے سکتا تھا جبکہ پانچویں ترمیم کے تحت یہ ممکن نہ رہا۔

www.bhutto.org

آئین میں ہونے والی دونوں ترامیم سے کسی بھی صورت میں جوڈیشل ریویو کے بنیادی اختیارات کم نہیں ہوتے تھے۔ عدالتیں اپنے ان اختیارات کو بغیر کسی مداخلت کے استعمال کرتی ہیں اس کے برعکس چند ایک موقعوں پر انتظامیہ کی طرف سے نظر بندی کے احکامات کو عدالتوں نے منسوخ کر دیا اور نظر بندوں کی رہائی کے لیے احکامات جاری کیے اور نظر بند رہا کر دیئے گئے۔ ان ترامیم کے ذریعے تو آئین کی روح کو سنوارا گیا کہ عدالتیں انتظامیہ کے موقف کو سننے کے بعد ان امور پر اپنا آخری فیصلہ دیں۔

آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت اعلیٰ عدالتوں کو جو اختیارات دیئے گئے تھے وہ درحقیقت انتظامی اقدامات پر عدالتی نظر ثانی کرنے کے غیر معمولی اختیارات تھے۔ ان اختیارات کے استعمال سے متعلق آئینی اور قانونی حدود کے بارے میں ہر کوئی اچھی طرح واقف ہے۔ یہ اختیار مکمل آئینی اختیارات کی حاکمیت کا متبادل نہیں تھا۔ آئینی اختیار کے تحت حفاظتی نظر بندی کے مقدمات میں ضمانت منظور کرنا برصغیر میں ایک انوکھی بات تھی اور اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے کہ یہ بات حفاظتی نظر بندی کے اقدام کی مکمل منسوخی کے مترادف ہے۔

یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ انتظامیہ کو ایسے اقدام سے باز رکھنے کے لیے اس غیر معمولی اختیار کو کسی بھی طرح وسعت دی جائے باوجود اس کے کہ اعلیٰ عدالتیں اسے جائز سمجھتی ہوں۔ عدالتوں نے پوری طرح یہ تاثر دیا کہ وہ چند دنوں کے اندر اندر اس قسم کے قابل اعتراض اقدام کے خلاف فیصلہ دیں گی۔

پارلیمنٹ میں ان ترامیم پر جو بحث ہوئی اس کی نوعیت علمی تھی۔ ان مباحث کی سرکاری پبلیکیشن سے ظاہر ہو جائے گا کہ نہ تو کسی عدالت اور نہ ہی کسی جج کے خلاف توہین آمیز الفاظ ادا کیے اور نہ توہین آمیز رویہ اختیار کیا گیا۔ اس کے باوجود کہ ان مباحث میں کچھ فیصلوں کا حوالہ آیا لیکن کسی جج یا عدالت کا نام لینے سے گریز کیا گیا۔ ترامیم کا موضوع ایسا تھا کہ ریاستی اختیار کی تثلیث کی وضاحت ناگزیر تھی اور بتایا گیا کہ ان تینوں میں سے ہر ادارے کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور آئین میں ان میں سے ہر ایک کے اختیار کو اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ موقف صحیح تھا کہ اگر ان میں سے ایک ادارہ اپنے اختیارات سے باہر نکلتے ہوئے دوسرے اداروں کے اختیارات پر اثر انداز ہو تو یہ اقدام آئین کی سخت خلاف ورزی ہوگا۔ چاہے یہ قانون ساز ادارہ ہو، انتظامیہ ہو یا عدلیہ ہو۔

یہ بے بنیاد الزام کہ پانچویں ترمیم کے ذریعے کریمینل (Criminal) امور میں ضمانت دینے کے اختیارات ٹریبونلوں یا عدالتوں سے چھین لیے گئے ہیں، ترمیم کے اپنے متن سے اس کی

www.bhutto.org

سختی کے ساتھ نفی ہوتی ہے اس میں ایسی کوئی شق موجود نہیں ہے۔ فوجداری مقدمات میں عام عدالتیں اور ٹریبونلز جن میں اپیلٹ عدالتیں بھی شامل ہیں، ضمانت منظور کرنے کے خصوصی اختیارات کو استعمال کرتی رہیں، زیرالتواء مقدمات اور اپیلوں پر فیصلے دیتی رہیں۔ چیئرمین بھٹو کے دور حکومت میں خصوصی ٹریبونل جو دہشت گردی اور بغاوت کے مقدمات کی سماعت کر رہے تھے۔ اپنے اس اختیار کو پوری طرح استعمال کرتے رہے۔ مثال کے طور پر حیدرآباد ٹریبونل نے جو مسٹر ولی خان اور دوسرے افراد کے خلاف مقدمے کی سماعت کر رہا تھا۔ 1976ء اور 1977ء کے دوران چند افراد کو ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔

سیشن عدالتوں اور ہائی کورٹس کو سی پی سی کے سیکشن 497 اور 498 کے تحت یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی جرم میں متوقع گرفتاری پر متعلقہ شخص کی پیش بندی کے طور پر ضمانت منظور کر لیں۔ گزشتہ دہائی کے دوران اس رجحان کو تقویت ملی کہ لوگ اس اختیار کو سیاسی پبلسٹی کے لیے استعمال کریں اور ان کی ضمانتیں ایسے مقدمات میں منظور کر لی گئیں جن میں ان کو گرفتار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بعض معاملات میں تو ایسے احکامات دیئے گئے جن میں افراد کو باقاعدہ اور بے قاعدہ الزامات میں گرفتار کرنے سے روک دیا گیا۔

یہ ترمیم ایسے ہی غیر معین معاملات کے خلاف تحفظ کے لیے کی گئی تھی اور اس سے عدالت کے اختیارات پر کوئی زد نہیں پڑتی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ایسے شخص کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی جائے جس کے خلاف کسی جرم کا الزام ہو۔ اس کا مقصد اس سے زیادہ نہیں تھا کہ قانون کی صحیح پاسداری کی جائے۔ اس شق سے فوجداری عدالتوں کے ضمانت لینے کے اختیارات قطعاً متاثر نہیں ہوئے اور عدالتیں اس ترمیم کے باوجود قبل از گرفتاری اور گرفتاری کے بعد دونوں صورتوں میں ضمانتیں لیتی رہیں۔

یہ تو مارشل لاء کے اس تاریک اور دہشت گردی کے دور کی دین ہے کہ ہزاروں افراد حفاظتی نظر بندی کے تحت جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ بعض لوگ تو ایک ایک سال سے جیلوں میں بند ہیں اور ان کی حبس بیجا کی پٹیشنیں ان ججوں کے سامنے مدتوں سے پڑی ہیں جو انصاف کے علمبردار بنے پھرتے ہیں لیکن ان کے ضمیر منافقت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی جج صاحبان ہیں جو منافقت کی وگیں پہنے اپنے ہاتھوں میں انصاف کے ترازو کی بجائے جنرل کا چھرا لیے بیٹھے ہیں تاکہ انصاف کو قتل کر سکیں۔

❀❀❀

www.bhutto.org

دسواں باب

افواہ:

''انتظامیہ کے ظلم کو روکنے کے بہانے عدالتوں کے اختیار کو گھٹانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ عدالتوں کے چیف جسٹسوں کی تقرری سے متعلق آئینی شقوں میں بے ڈھنگی تبدیلیاں کی گئیں۔''

حقیقت:

یہ الزام بے ہودہ، انتہائی گھٹیا اور گمراہ کن ہے کہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے چیف جسٹسوں کی میعاد بالترتیب پانچ سال اور چار سال اس لیے مقرر کی گئی تھی کہ اعلیٰ عدالتوں کی آزادی کو مزید کم کیا جائے۔

پاکستان کی ہر آئینی دستاویز کے تحت چیف ایگزیکٹو (انتظامی سربراہ) کا ہمیشہ یہ استحقاق رہا ہے کہ اعلیٰ عدالتی افسروں کا تقرر وہ خود کرے۔ کسی بھی زمانے میں کسی آئین نے انتظامی سربراہ کو اس اختیار سے محروم نہیں رکھا۔ انتظامی سربراہ کبھی اتنا مجبور اور بے بس نہیں رہا کہ بنچ کا کوئی رکن خود بخود اپنا عہدہ بڑھا لے۔ 1960ء میں مسٹر منظور قادر کو، جو ایک سینئر وکیل تھے اور جو مختصر سے عرصے کے لیے صدر ایوب خان کے وزیر خارجہ بھی رہے، اس وقت کی مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے پر براہ راست مقرر کیا گیا۔ 1970ء میں سابق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یحییٰ خان نے ایک ممتاز وکیل طفیل علی عبدالرحمان مرحوم کو براہ راست ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کیا تھا۔

اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کہ پانچویں ترمیم سے قبل چیف جسٹس اپنی ریٹائرمنٹ تک اس عہدے پر فائز رہتا تھا۔ ترمیم کے ذریعے یہ ہوا کہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس بالترتیب پانچ سال اور چار سال کے لیے ان عہدوں پر فائز رہ سکتے تھے۔

www.bhutto.org

ریاست ہائے متحدہ امریکہ سمیت متعدد ممالک میں یہی روایت ہے۔ اسے ''اپائنٹمنٹ بائی روٹیشن'' کہا جاتا ہے یعنی باری باری تقرر کیا جاتا ہے۔ اس ترمیم سے چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ متاثر نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس یہ ترمیم واضح کرتی ہے کہ چیف جسٹس اس عدالت کا خود بخود سب سے سینئر جج بن جائے گا۔

روٹیشن سسٹم اور چیف جسٹسوں کی میعاد مقرر کرنے کے اقدامات اس لیے کیے گئے کہ عدلیہ کے اداروں کی دیانتداری کو یقینی بنایا جائے اور انہیں مزید تباہی سے بچایا جائے جو مارشل لاء جتاؤں کے وقتوں میں رشوت خوری کی وجہ سے تباہی کے دھانے پر کھڑے تھے۔ بعض دفعہ تو چیف جسٹس ہائی کورٹوں ہی میں رہنے کو اس قدر منافع بخش سمجھتے تھے کہ سپریم کورٹ میں ترقی لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ ترقی پسند، جدید عوامی حکومت نے جو ترامیم کیں ان کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو بددیانت اور پیرانہ سال ججوں کے شکنجے سے آزاد کرایا جائے۔ اس عوامی حکومت نے عدالتی نظام کو عصر حاضر کے مطابق بنایا، اسے پاک صاف کیا اور اس سرزمین پر بسنے والوں کے لیے انصاف کے حصول کو بہتر اور آسان بنایا۔

اس حکومت نے عدلیہ کو نیک نام بنایا، لاہور کے بازاروں میں گشت کرنے والی ان کہانیوں کا خاتمہ کیا کہ کس طرح لاہور کی باعزت ہائی کورٹ ''انصاف'' مہیا کرتی تھی اور سجیلے اور خوش اندام لڑکے کی طرح انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ آج صورت حال اس سے مختلف ہے۔ آج عدلیہ کا ہر کارکن اسباب وعلل کی جھوٹی مخاصمت بنانے اور مقدموں کی فائلوں کو موٹا کرنے میں مصروف ہے۔ الٹی سیدھی بحثوں میں ملوث ہو کر مقدمات کے انبار لگائے جا رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ججوں کے نئے اور پرانے فرائض (عوامی حکومت کے بعد اور اس سے پہلے) نے ان کے لیے نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اس لیے کہ فوجی وردی میں ملبوس ججوں کا باس یہی کہتا ہے کہ ''وقت کو مت گنواؤ''، یعنی جلدی جلدی لوٹ مار کر لو یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔

www.bhutto.org

گیارھواں باب

افواہ:

''مسٹر بھٹو نے ایک دستاویز ایسی چھوڑی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عدلیہ میں تقرریوں کو انتظامیہ کے استحقاق کا حصہ سمجھتے تھے۔ مسٹر بھٹو نے بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کو ہدایت کی کہ ''ججوں کی تقرری کرنے میں ایسے سینئر وکلاء کو ترجیح دی جائے جو عوامی حکومت کے وفادار ہوں۔''

حقیقت:

جتنا بار بار اس دستاویز کا حوالہ دیتی ہے حالانکہ مارشل لاء کے جواز کو چیلنج کرنے والی بیگم نصرت بھٹو کی آئینی پٹیشن کی سپریم کورٹ میں سماعت کی کارروائی کے دوران چیئرمین بھٹو اس کا منہ توڑ جواب دے چکے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بارہ مہینوں کی سخت تلاش کے باوجود جنتا کوئی ایسی دستاویز حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے جس سے اس کے اس جھوٹے اور بے بنیاد دعویٰ کی شہادت مل سکے۔ جنتا سپریم کورٹ میں اور ویسے بھی چیئرمین بھٹو کی کردار کشی کے لیے متعدد کتابچے شائع کر چکی ہے۔ ان کتابچوں کے سامنے اس دستاویز کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے جس کا حوالہ بار بار دیا جاتا ہے؟ کیا اس سے جنتا کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے؟

چیئرمین بھٹو نے اس کا جو جواب دیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس دستاویز سے جنتا کے احمقانہ دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ جنتا مکمل طور پر بدکردار ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد خوف و دہشت اور ظلم و جبر پر رکھی گئی ہے۔ اس خط میں، جس کا حوالہ دیا جاتا ہے، مزید ماتحت ججوں کی تقرری کے ذریعے مدتوں سے زیر سماعت مقدموں کے فیصلے جلد کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ خط میں ''سینئر'' ججوں پر زور دیا گیا ہے اور اس کا مطلب قابل اور تجربہ کار جج

www.bhutto.org

ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ججوں کو عوامی حکومت کا وفادار ہونا چاہیے۔ عوامی حکومت سے مراد یہ ہے کہ جج حضرات جمہوریت اور آئین کے وفادار ہوں۔ جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ ہیں ''عوامی حکومت''۔ جس کا مطلب نمائندہ اور ذمہ دار حکومت ہے۔ اس کا مطلب ہے عوام کی حکومت ''عوامی حکومت'' کے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ انہی معنوں میں ہیں اور اس سے قطعی طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت مراد نہیں۔ یہ حوالہ پارٹی کی طرف نہیں۔ بلکہ عوام کی طرف ہے، ان کے مقصد اور ان کے مسائل کی طرف ہے۔ متعدد ملکوں میں مسلح افواج کے سینئر افسروں کو بطور سفیر مقرر کیا گیا ہے، کیا ان کا تعلق میری پارٹی سے ہے؟ پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ اس کی صفوں میں متعدد لائق اور دانشمند مرد و خواتین موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے اپنے پیشوں میں نامور ہیں۔ انہیں قابلیت اور اہلیت کے ہوتے ہوئے محض اس لیے تعینات نہ کیا جائے کہ ان کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے؟ میں نے جماعت اسلامی کے آدمی کو چیف آف سٹاف مقرر کیا اور اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔''

www.bhutto.org

بارھواں باب

افواہ:

''مسٹر بھٹو نے معمول کے فوجداری قانون میں ایک ترمیم کے ذریعے خصوصی عدالتیں قائم کیں جن کے سربراہ ایسے جج مقرر کیے گئے جن کا انتخاب انتظامیہ نے کیا تھا۔ خصوصی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف صرف سپریم کورٹ میں اپیل کی جاسکتی تھی۔''

حقیقت:

اس قسم کے بے ہودہ الزام صرف ایسی بے شرم اور بے حس جنتا ہی عائد کرسکتی ہے جس کے پاس ذہانت نام کی کوئی شے نہ ہو، جو جرنیلوں کو بدترین شکست اور ناکامیوں کی منصوبہ بندی کرنے پر مائل کرتی ہے۔

یہ لوگ غاصب ہیں جنہوں نے ایک منتخب سویلین حکومت کا تختہ الٹا۔ یہ اپنی ظالمانہ حاکمیت کی خونخواری کے ذریعے زندہ رہتے ہیں۔ یہ لوگ یہ کہنے کی گستاخی کر سکتے ہیں کہ خصوصی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل صرف سپریم کورٹ میں ہوسکتی تھی۔ اگر جرنیل مکمل طاقت کے نشے سے باہر نکل کر اپنی یادداشتوں کو تازہ کریں تو انہیں یاد آجائے گا کہ کسی خصوصی عدالت نے کبھی قتل کے الزام میں ملوث شخص پر مقدمہ اس طرح نہیں چلایا کہ اس کو اپیل کے لیے صرف سپریم کورٹ میں جانا پڑے۔ البتہ ان بے شرم اور بے حیا غاصبوں نے یہی کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ انہوں نے مارشل لاء کے خوف کو پوری طرح استعمال کیا ہے، تشدد کرنے کے لیے انہوں نے اپنی تمام جابرانہ قوت کو استعمال کیا ہے۔ بیوروکریٹوں اور سرکاری ملازمین کو رسوا اور ذلیل کر کے عوام کے عظیم رہنما کو ایسے جھوٹے مقدمے میں ملوث کرنے کے لیے جھوٹے اعترافات کرائے اور بیانات لیے ہیں کہ جن کی بدبو جنرل کے غلیظ ہاتھوں سے اٹھتی ہے۔ جنرل کے پالتو قصائی مولوی

www.bhutto.org

مشتاق نے معصوم چیئرمین کو موت کی سزا سنائی اور عوام کے اس عظیم رہنما کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ صرف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کریں اور کیا سپریم کورٹ ہی وہ ادارہ ہے جہاں اپیل پر انصاف مہیا ہو سکے گا جبکہ ایک بد اندیش جالندھری اس کا چیف جسٹس ہے جو اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ کی سربراہی پر مصر ہے اور جو استغاثہ کو ذرہ برابر مدد ملنے کے ہر موقع پر خوشی سے کھل اٹھتا ہے۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ بے شرم جنتا انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ چیئرمین بھٹو اور ان کی حکومت پر خصوصی عدالتوں کے قیام کا الزام اس وقت لگا رہی ہے جب وحشی فوجی عدالتوں کے ذریعے سے ملک میں قبرستان کا سا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ کیا یہ بات تضحیک آمیز نہیں کہ ایک میجر یا بریگیڈئر جسے قانون کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں، انصاف دینے کے نام پر انصاف کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ ''یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے عوام کو دبا کر رکھا جا سکتا ہے۔'' جنرل ضیاء نے یہ بات خود انسانی حقوق کی عالمی کمیٹی کے ایک اہم نمائندے سے کہی جس نے حال ہی میں پاکستان کا دورہ کیا۔

سویلین حکومت کے تحت، مارشل لاء کے ظلم و دہشت سے آزاد، خصوصی عدالتوں نے ایسے ماحول میں کام کیا جو انصاف کے حصول کے لیے ضروری ہوتا ہے، یہ خصوصی عدالتیں ہائی کورٹوں کے حاضر سروس ججوں اور عدلیہ کے باقاعدہ ارکان پر مشتمل تھیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی میعاد کا تعین بھی کیا گیا تھا۔ اس کے برعکس گزشتہ ایک برس کے دوران، جو ''خصوصی عدالتیں'' ٹریبونلز اور تحقیقاتی کمیشن قائم کیے گئے ہیں وہ قانون اور انصاف کے بارے میں جنتا کے رویہ کی عکاسی کرتی ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ جنتا کے لیے عدلیہ کی ''فرمانبرداری'' کافی نہیں تھی۔ اسی لیے اس کو مزید ذلیل کرنے کے لیے زمین پر اس سے ناک رگڑوائی گئی۔ یہ کام سیاست دانوں کے ''احتساب'' کے ڈھونگ کے ذریعے انجام دیا گیا۔ اکتوبر 1977ء میں سیاست دانوں کے خلاف تحقیقاتی کمیشن قائم کیے گئے جو فوجی افسروں پر مشتمل تھے۔ ان کمشنوں کو ہائی کورٹ کے اختیارات تفویض کر دیئے گئے۔ ان کمشنوں کے لیے قانون شہادت ضروری نہیں تھا۔ ان کمشنوں کی سفارشات پر سیاست دانوں کے خلاف مقدمے چلائے جانے تھے جن کے نتیجے میں انہیں سات سات سال قید، املاک کی ضبطی اور خاص مدت کے لیے سیاست کے لیے نااہل

www.bhutto.org

قرار دیا جا سکتا ہے۔

پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت اس قسم کی شکایت پر فیصلہ دینے کا اختیار خصوصی طور پر ہائی کورٹ کے پاس تھا۔ لیکن جنرل ضیاء الحق نے اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں اور ایک ایڈیشنل سیشن جج اور ایک بریگیڈئر پر مشتمل نئے ٹریبونلز قائم کیے جو ان مقدمات کی سماعت کرنے کے مجاز ہیں۔ اس نئے تجربے کے تحت ملزم کو نہ تو وکیل کے ذریعے نمائندگی کا حق دیا گیا اور نہ ہی اسے اپیل کا حق دیا گیا ہے۔ نااہل قرار دینے والے ٹریبونل میں سیشن جج کے ساتھ بیٹھنے والا فوجی بریگیڈئر وہی ہے جو تحقیقاتی کمیشن میں بھی تھا اور اسی نے سیاست دانوں کی نااہلی کے معاملے کو نااہلی کے ٹریبونل کے حوالے کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں بریگیڈئر نے اپنی تحقیقات کے دوران فیصلہ کر لیا تھا کہ سیاست دان کو نااہل قرار دے دیا جائے اس کو یقینی بنانے کے لیے نااہل قرار دینے والے ٹریبونل میں اس کی خواہش کے خلاف فیصلہ نہ ہو وہ ٹریبونل میں بھی سول سروسز کے ایک کمزور اور خوف زدہ چھوٹے افسر کے ساتھ جج کی حیثیت سے بیٹھ گیا۔ یہ چھوٹا اور کمزور افسر بیچارہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کہلاتا ہے۔

نااہل قرار دینے والے ٹریبونل کے لیے کوئی طریقہ کار وضع نہیں کیا گیا۔ گزرے ہوئے زمانے سے متعلق بداطواری کے جرائم گھڑے جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان ٹریبونلوں کو بھی آزادانہ طور پر کام نہیں کرنے دیا جاتا۔ اگرچہ ملزم بیچارہ خاص طور پر تیار کیے گئے ان قوانین کے شکنجے سے نہیں نکل سکتا، اس کے باوجود جنرل ضیاء نے فضا کو اس قدر حبس زدہ کر دیا ہے کہ سانس لینا مشکل ہو گیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے یہ کام اپنے بیانات اور تقریروں میں ان ٹریبونلوں کو تنبیہہ کر کے، ان پر تنقید کر کے اور انہیں دھمکیاں دے کر انجام دیا ہے۔ اس نے ان کی کارکردگی پر حملے کیے ہیں۔ اس نے اپنے بیانات میں ان ٹریبونلوں سے کہا ہے کہ وہ اس کی خواہش کے مطابق کام کریں ورنہ یہ مقدمے ان سے واپس لے لیے جائیں گے۔ اس نے اپنی دھمکیوں کو سچ کر دکھایا اور نئے ٹریبونلوں کو مکمل شہادت قلمبند کرنے یا زبانی فیصلے سنانے کے اختیار سے محروم کر دیا ہے۔ اب یہ ٹریبونل صرف اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج دے سکتے ہیں۔

فوجی عدالتوں کے بھیس میں پاکستان پیپلز پارٹی کی تمام قیادت کو برباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس خوف اور دہشت کا شکار اور کسی پارٹی کو نہیں کیا جا رہا۔ اس کو جالندھری جنتا سٹائل انصاف کہا جاتا ہے۔

www.bhutto.org

عدلیہ کے ساتھ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے تعلقات کے بارے میں جتنا جو بے بنیاد افواہیں اڑا رہی ہے، ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ یہ افواہیں غیر منتخب فوجی حکومت پھیلا رہی ہے جو مارشل لاء کی جابرانہ قوت کے بل بوتے پر حکمرانی کر رہی ہے۔ جتنا کا دوغلا پن اور اس کی منافقت تو اس وقت سامنے آجاتی ہے جب ایک شخص، جس نے آئینی ڈھانچے کو قبر میں دفنا دیا ہے، جو آئینی ڈھانچے کو نفرت کے ساتھ ''پرانا نظام قانون'' قرار دیتا ہے، خود کو آئینی ڈھانچے اور عدلیہ کی آزادی کا محافظ بنا کر پیش کرتا ہے۔

آزاد عدلیہ مارشل لاء کی ضد ہوتی ہے۔ آزاد عدلیہ صرف آئین کی چھتر چھاؤں میں اپنے فرائض انجام دے سکتی ہے اور ویلنگٹن کے براؤن ڈیوک کی بندوق کی چھاؤں میں یہ کام نہیں کر سکتی۔ آزاد عدلیہ کا وجود عوام کے منتخب سربراہ اور عوام کی منتخبہ مقننہ کے ساتھ ہی قائم رہ سکتا ہے لیکن عوام کا منتخب سربراہ تو سزائے موت کے تحت جیل میں ہے۔ اسلام آباد، لاہور، پشاور، کوئٹہ اور کراچی میں اسمبلیاں قبرستان کی طرح خاموش اور گونگی ہو چکی ہیں۔ کیا صحرا میں تبدیل کر دیئے گئے گلشن میں بھی کبھی پھول کھلتا ہے؟ چیئرمین بھٹو 1973ء کے آئین کے مصنف ہیں۔ تمام ریاستی ادارے 1973ء کے آئین ہی سے اپنے ہونے کا جواز اور قوت و اختیار حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ چیئرمین بھٹو کی حکومت پاکستان میں عدلیہ کے اداروں کے اختیارات کم کرتی یا انہیں تباہ کرتی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے ہی ملک کو فتح کرنے والے جرنیلوں کی طرف سے ان کی جارحیت کے شکار شخص پر الزامات تھوپنے کا ایک مضحکہ خیز معاملہ ہے۔ جس شخص کے خلاف جارحیت کی گئی اسی پر جارح جارحیت کا الزام تھوپتا ہے۔ ہے نا عجیب بات۔ یہ فوجی منطق کا حصہ ہے کہ جارحیت دفاع کی بہترین شکل ہوتی ہے۔

یہ صرف اور صرف جنرل ضیاء ہی ہے جس نے 5 جولائی 1977ء کے اپنے غیر قانونی اقدام کے ذریعے عدلیہ سمیت تمام آئینی ڈھانچے کی ہر علامت کو ہر نشان کو کھرچ ڈالا ہے۔ اس نے تمام ریاستی اداروں کو برباد کر دیا ہے۔ جنرل ضیاء کے غیر قانونی اقدام کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نے ملک کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ چیئرمین بھٹو کی حکومت نے 1973ء کے آئین میں یکطرفہ اور بے قاعدہ ترامیم نہیں کی تھیں۔ راولپنڈی میں جب پارٹیوں کے رہنماؤں کے اجلاس میں آئین کے اصول طے ہو گئے تو قومی اسمبلی میں موجودہ تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے دوسرے بنیادی اصولوں کے ساتھ ساتھ اس اصول پر بھی اتفاق رائے دیا تھا کہ

www.bhutto.org

ایک طے شدہ طریق کار کے مطابق آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ طریقہ کار یہ تھا کہ جو بھی ترمیم پیش کی جائے گی اس کی منظوری کے لیے اسمبلی کی دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہوگی۔ یعنی قومی اسمبلی کی دو تہائی اکثریت کی حمایت کے ساتھ آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ ترمیم سے متعلق شقیں ایک آرٹیکل کی صورت میں 1973ء کے آئین میں شامل کر دی گئیں اور اس آرٹیکل کی منظوری بھی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر دی تھی۔ آئین میں ترمیم سے متعلق آرٹیکل آئین کا اٹوٹ انگ بن گیا اور اسے وہی قانونی حیثیت اور اختیار حاصل ہو گیا جو دوسرے آرٹیکلوں کو حاصل تھا۔

آئین کو ایک زندہ و متحرک دستاویز ہونا چاہیے۔ اگر یہ غیر متحرک ہو جائے تو پھر یہ کسی مہم جو کے ہاتھ میں کاغذ کا محض ایک ٹکڑا بن کر رہ جاتا ہے۔ جب کوئی مہم جو ایک زندہ اور متحرک آئین کی توہین و تذلیل کرتا ہے تو اس صورت میں بھی آئین ختم ہو جاتا ہے۔ جمہورت کے وجود کے لیے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور اگر وقت کے تقاضوں کے مطابق اس میں ترمیم و اضافہ نہ ہو تو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیکار ہو جاتا ہے۔ شاید ہی دنیا کے کسی ملک کا کوئی آئین ایسا ہو جس میں ترمیم کے لیے شقیں نہ رکھی گئی ہوں۔ برطانوی پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ سادہ اکثریت سے آئین میں ترمیم کر سکے چاہے یہ اکثریت ایک ووٹ کی ہو کیوں نہ ہو۔

ہوسکتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران آئین میں ترامیم سے متعلق شقوں کی وجہ سے اِدھر اُدھر تنقید اور نکتہ چینی کی گئی ہو۔ لیکن ہمیں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تنقید اور نکتہ چینی جمہوریت کا خاصہ ہوتی ہے اور اسے بہتر پیرائے میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے 1962ء کے آئین کی معروضی کسوٹی کو 1973ء کے آئین میں محفوظ رکھا اور اس میں ترمیم نہیں کی۔ لیورسج بمقابلہ اینڈرسن کی حالت پر آئے بغیر پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے عدلیہ اور ججوں پر اپنے اعتماد اور ان کے احترام کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے چیف آف آرمی سٹاف اور بدترین جارح جنرل ضیاء الحق کی طرح سپریم کورٹ کے ججوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر نیا حلف اٹھانے ورنہ فوری برطرفی کی دھمکی دے کر کوئی قانونی بحران پیدا نہیں کیا تھا۔ جالندھری جتنا عدلیہ اور ججوں کا کس قدر احترام کرتی ہے اس کا مظاہرہ تو جنرل ضیاء کی اس دھمکی سے ہو جاتا ہے۔

❀❀❀

www.bhutto.org

www.bhutto.org

تیرھواں باب

افواہ:

''سب سے زیادہ بدنام مقدمہ جس کی سماعت سپیشل ٹریبونل نے کی، معراج محمد خان کا تھا جو کبھی مسٹر بھٹو کے دست راست تھے اور تقریباً دو سال تک وفاقی حکومت میں ان کے ساتھی رہے۔''

حقیقت:

مسٹر جے اے رحیم کے سات جنرل ضیاء کی نفرت کا مسٹر معراج محمد خان کے ساتھ اس کی نفرت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دونوں سے شدید نفرت کرتا تھا۔ لیکن دونوں کے ساتھ نفرت کی بنیادیں مختلف تھیں۔ مسٹر جے اے رحیم کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ وہ بوڑھے اور ضعیف تھے اور ان کی گفتگو سنی نہیں جا سکتی تھی لیکن معراج محمد خان کے بارے میں اس کا موقف تھا کہ شعلہ بیان مقرر اور ''کمیونسٹوں کا ایک اچھا آرگنائزر'' ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہی معراج نے ایک تقریر کے دوران مشرقی پاکستان میں فوج کے کردار پر سخت حملے کیے۔ کہا جاتا ہے کہ جرنیلوں کے لیے یہ تقریر ناقابل برداشت تھی۔ احتجاج کے طور پر چند فوجی افسروں نے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھنی شروع کر دیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے وزراء اس اقدام پر پریشان تھے۔ سپیشل اسسٹنٹ نے اپنی پریشانی نہیں چھپائی۔ وزیراعظم نے کہا کہ فوجی افسروں کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا اور اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

معراج کے خلاف جنرل گل حسن اور جنرل رحیم کی برہمی دوسرے جرنیلوں کی نسبت زیادہ تھی۔ وہ دونوں اس بات پر مصر تھے کہ اس ''کمیونسٹ'' کو کابینہ سے نکالا جائے جو فوجی

www.bhutto.org

افسروں کی ''تذلیل'' کر رہا ہے۔ جب وزیراعظم نے معراج محمد خان کو کابینہ سے نکالنے یا علیحدہ کرنے سے انکار کر دیا تو بااثر حلقوں نے انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کو ہدایت کی کہ معراج کے خلاف ایسی رپورٹیں دی جائیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوں اور نوجوان معراج محمد خان کو اس قدر اشتعال دلایا جائے کہ وہ استعفیٰ دے دے۔ سازش کامیاب ہوئی اور معراج محمد خان نے استعفیٰ دے دیا۔ ایک رجعت پسند ملا، معراج محمد خان کے مستعفی ہونے کے بعد بھی اس کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔

جب وزیراعظم معراج محمد خان کو آنکھوں کے علاج کے لیے بیرون ملک بھیجنا چاہتے تھے تو اس وقت انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کہا کہ معراج کو علاج کے لیے باہر بھیجنا غلط ہوگا اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں سے چین یا روس چلا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر وزیراعظم نے پوچھا کہ اس میں کیا حرج ہے تو انہیں بتایا گیا کہ سیاسی طور پر ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہو لیکن اس سے دوسرے بہت سے الجھاؤ پیدا ہوں گے۔

ان دوسرے ''الجھاؤ اور پیچیدگیوں'' کے باوجود وزیراعظم نے معراج محمد خان کو کسی اچھے ہسپتال میں منتقل کرنے کے احکامات دیئے۔ وزیراعظم کو اس دوران اے ون رپورٹیں مسلسل دی جاتی رہی ہیں جن میں ان سے سفارش کی گئی کہ اسے کسی ہسپتال میں نہ بھیجا جائے اس لیے کہ ان ''انتہائی معتبر'' انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق معراج محمد خان نے وزیراعظم کو نہ ملنے اور ایک ''تماشا'' پیدا کرنے کے لیے اس موقع کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

1976ء میں کوئٹہ میں جو کانفرنس ہوئی اس میں جنرل ضیاء الحق اور جنرل جہانزیب ارباب نے اصرار کیا کہ معراج محمد خان کو حیدرآباد کیس میں ملزم کی حیثیت سے شامل کیا جائے اس لیے کہ ان کے پاس ''واضح ثبوت'' تھا کہ معراج محمد خان، جیسا کہ جنرل جہانزیب ارباب نے کہا، گردن گردن تک بلوچستان میں ہونے والی شرانگیزی اور سرکشی میں ملوث ہے۔ سرکشی میں معراج محمد خان کے پوری طرح ملوث ہونے کے بارے میں اصرار کرتے ہوئے دونوں جرنیلوں نے کہا کہ اگر ''سیاسی وجوہ'' کی خاطر ایسی اہم کڑی کو مقدمے میں بطور ملزم شامل نہ کیا گیا تو مقدمے کی ناکامی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ وزیراعظم سے مخلص معراج محمد خان کے بارے میں وزیراعظم کے جذبات کا علم رکھنے والے ایک جرنیل نے تجویز دی کہ وزیراعظم جرنیلوں کی اس تجویز کو مان لیں اور اسد اللہ مینگل کو بھی اس مقدمے میں ملوث کر لیا جائے۔ دونوں جرنیل اس پر

www.bhutto.org

پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھی جرنیل سے کہا کہ یہ کوئی مزاحیہ بات نہیں۔ فوج کو مینگل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

اسی اجلاس میں جرنیل، علی بخش تالپور اور علی احمد تالپور کو بھی حیدر آباد کیس میں معراج محمد خان کے ساتھ ملوث کرنے پر بضد رہے۔ اجلاس کے اختتام پر جنرل ضیاء وزیراعظم کے پاس آیا۔ اپنے خوشامدانہ انداز میں جنرل ضیاء نے اپنے ایک ساتھی کی طرف سے عام اجلاس میں اسد اللہ مینگل کا احمقانہ طور پر حوالہ دینے پر وزیراعظم سے معافی مانگی۔ وزیراعظم نے رحم اور حیرت کی نظر سے جنرل ضیاء کو دیکھا اور اس کمرے میں چلے گئے جہاں خان آف قلات ان کے منتظر تھے۔

بعد میں جنرل ضیاء نے اپنا اصرار بڑھا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شام کو پاکستان پیپلز پارٹی اور پی این اے کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے دوران جنرل ضیاء نے وزیراعظم سے پوچھا کہ وہ معراج کے لیے ''نرم گوشہ'' کیوں رکھتے ہیں۔ وزیراعظم نے جنرل ضیاء کو وجوہات بتائیں۔ جنرل سنتا رہا۔ جب وزیراعظم نے اپنی بات ختم کی تو جنرل ضیاء نے کہا کہ اس کی عاجزانہ رائے وزیراعظم کے خیال سے مختلف ہے جنرل ضیاء نے وزیراعظم کو بتایا کہ وہ معراج کو صرف اس لیے ناپسند نہیں کرتا کہ وہ کمیونسٹ ہے۔ (جنرل ضیاء کمیونسٹ کے لیے ''کومی'' کا لفظ استعمال کرتا تھا) بلکہ اس لیے اس سے نفرت کرتا ہے کہ حیدر آباد جیل میں معراج محمد خان وزیراعظم کو مسلسل گالیاں دیتا رہتا تھا۔ چیف آف آرمی سٹاف نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا کہ ''حق بات تو یہ ہے کہ جو شخص میرے وزیراعظم کو گالیاں بکتا ہے وہ ''حرامزادہ'' ہے۔''

www.bhutto.org

www.bhutto.org

چودھواں باب

افواہ:

''مارشل لاء حکام کو انتظامیہ کا کنٹرول اس لیے مجبوراً اپنے ہاتھ میں لینا پڑا کہ مسٹر بھٹو کی ہدایت پر اور ان کی مرضی سے برسر اقتدار پارٹی نے بڑے پیمانے پر دھاندلی کی۔''

حقیقت:

قابل نفریں بغاوت کے بعد سے جنتا اور اس کے پالتو طوطے کی طرح بار بار یہ الزام دہرا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی بڑے پیمانے پر ہونے والی دھاندلی وزیر اعظم کی مرضی سے ہوئی تھی؟ اس کا واضح جواب نفی میں ہے۔

تیرہ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ تک سرکاری دستاویزات کی مسلسل چھان بین اور جھوٹ بولنے والے ابلاغ عامہ کے ذرائع کی وساطت سے اوٹ پٹانگ قصے کہانیاں پیش کرنے کے بعد جنتا کاغذوں کا ایک بڑا پلندہ تیار کر سکی ہے جسے قرطاس ابیض (وائٹ پیپر) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ قرطاس ابیض درحقیقت ٹائن بی کی تاریخ عالم پر جنتا کا حملہ ہے۔ جنتا کی طرف سے شائع کیے جانے والے کاغذوں کے اس ڈھیر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے مارچ 1977ء کے انتخابات میں کوئی دھاندلی نہیں کی۔ اس قرطاس ابیض پر ممتاز اخبار فنانشل ٹائمز (لندن) کے 26 جولائی 1978ء کے شمارے میں ایک مضمون شائع ہوا جو یوں تھا:

''دھاندلی میں اہم کردار ادا کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔''

''پاکستان فوج کی طرف سے مسٹر بھٹو کا تختہ الٹنے کا ایک اہم جواز یہ پیش کیا گیا تھا کہ انہوں نے مارچ 1977ء کے عام انتخابات میں دھاندلی کی تھی، اور پھر نئے انتخابات کرانے سے انکار کر کے وہ ملک کو خانہ جنگی کے دھانے پر لے گئے تھے۔

www.bhutto.org

فوج نے جو قرطاس ابیض انتخابات سے متعلق شائع کیا ہے اور جس کا واضح مقصد مسٹر بھٹو کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا تھا، اس میں اس بات کا ثبوت نہ ہونے کے برابر ہے کہ انتخابات کے آخری نتائج کو اپنی مرضی کے مطابق کرنے میں مسٹر بھٹو براہ راست ملوث تھے۔

یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ مسٹر بھٹو انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کرنا چاہتے تھے، جو شہادت سامنے لائی گئی ہے وہ نام نہاد ''لاڑکانہ پلان'' ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا لاڑکانہ پلان مسٹر بھٹو نے خود تیار کیا تھا جیسا کہ قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے؟ یا یہ کہ اس ہوائی دستاویز کو کسی ذہنی مرض میں مبتلا ملازم نے تیار کیا تھا؟

کیا اس کا فیصلہ ان دستاویزات سے کیا جا سکتا ہے جنہیں قرطاس ابیض کا نام دے کر شائع کیا گیا ہے؟ موجودہ حکومت کو جنرل امتیاز علی، اور وزیر اعظم کے سپیشل سیکرٹری مسٹر راؤ رشید کے تمام کاغذات تک رسائی حاصل تھی۔ جو دستاویزات شائع کی گئی ہیں اگر ان کے علاوہ اور کوئی دستاویز موجودہ حکومت کو نہیں مل سکی تو اس کا مطلب یہی لیا جا سکتا ہے کہ مزید کاغذات اور دستاویزات کا وجود ہے ہی نہیں۔

''قرطاس ابیض مسٹر بھٹو کے اس دعوے کی تردید کرنے سے بھی قاصر ہے کہ انہوں نے ووٹنگ سے پہلے ڈپٹی کمشنر سے کہا تھا کہ وہ دھاندلی میں کسی بھی صورت میں ملوث نہ ہوں۔ کیا یہ دستاویز اس تشدد کا ذکر کرتی ہے جو اپوزیشن ''پاکستان نیشنل الائنس'' نے صوبہ سندھ میں نشستیں جیتنے کے لیے کرایا تھا؟''

قرطاس ابیض سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جتنا لفظ ''دھاندلی'' (رگنگ) کے معنی جاننے سے بھی قاصر ہیں۔ دھاندلی ایک ایسی اصطلاح ہے جو عوام کے آزادانہ اظہار کے حوالے سے استعمال کی جاتی ہے اور عوام کے آزادانہ اظہار کا تعین انتخابی عمل سے ہوتا ہے۔ دھاندلی کا مطلب ہے عوام کے آزادانہ اظہار کو پامال کرنا۔ دھاندلی کا مطب ہوتا ہے عوام کی مرضی کو تہس نہس کرنا۔

انتخابی عمل سے بیلٹ کے نتیجے کا فیصلہ دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ حکومت کرنے کے لیے عوام کی رضا کارانہ منظوری حاصل کی جائے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انتخابی عمل الٹ پلٹ کر دیا جائے، اسے تہس نہس کر دیا جائے اور عوام کی غیر رضا کارانہ منظوری حاصل کی جائے۔ تمام جماعتیں کوشش کرتی ہیں کہ وہ عوام کی رضا کارانہ منظوری حاصل کریں۔

www.bhutto.org

یہ کام وہ اپنی انتخابی مہم، اپنے انتخابی منشور، عام جلسوں میں اپنی تقریروں، اپنے بیانات، ہینڈ بلوں، اشتہارات، پلے کارڈز اور سٹکرز وغیرہ کے ذریعے کرتی ہیں۔ منظم سوچ اور پارٹی تنظیم کے ذریعے ہر جماعت ووٹر کو جیتنے کی کوشش کرتی ہے۔ ووٹر کو بیلٹ بکس تک پہنچا کر اپنے حق میں ووٹ ڈلوانے کی کوشش کرتی ہے۔ دھاندلی کا مطلب ہے کہ دہشت گردی اور غنڈہ گردی کے ذریعے پارٹی کے ووٹروں کے ووٹ ڈالنے سے روکنا۔ بیلٹ بکسوں کو اٹھا لے جانے اور کسی پارٹی کے حق میں ڈالے جانے والے ووٹوں کو پھاڑ دینے کا مطلب ووٹروں کو ان کے آزادانہ اظہار کے استعمال سے روکنا ہوتا ہے۔ قرطاس ابیض واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے انتخابات جیتنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ ان کے لیے یہ ''مارو یا مر جاؤ'' کا منصوبہ تھا۔ ووٹروں کو شہری اور دیہی ووٹروں میں تقسیم کرنا ضروری تھا۔ ووٹروں کی ضروریات کو جاننا، سمجھنا اور ان کی نشاندہی کرنا لازمی تھا۔ ووٹروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پالیسی فیصلے کرنا ضروری تھا، حزب مخالف کے منشوروں اور ان کی تنقید کا تجزیہ کرنا اور ان کی نکتہ چینیوں کا جواب تیار کرنا لازمی تھا۔ قرطاس ابیض یہ بتاتا ہے کہ کس طرح پاکستان پیپلز پارٹی نے عوام کی رضا کارانہ منظوری حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، اور انتخابات میں شاندار فتح حاصل کرنے کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی نے کس طرح سائنسی انداز اختیار کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قرطاس ابیض میں وہ قطعی شہادتیں بھی شامل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر محنت کر کے پیپلز پارٹی نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ ان دستاویزات میں جو ضمیمہ شامل کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے انتخابات کے بارے میں کس قدر جدید اور جمہوری طریقہ کار اپنایا۔ قرطاس ابیض کا جو خلاصہ تیار کیا گیا ہے اسے تو نفرت کے ساتھ مسترد کیا جانا چاہیے اس لیے کہ اس میں ان دستاویزات کا حوالہ تک نہیں جو قرطاس ابیض میں شامل ہیں تو پھر خلاصہ میں دیئے گئے نتائج کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خلاصہ میں قرطاس ابیض میں شامل دستاویزات کی جو تاویلات اور توضیحات کی گئی ہیں، وہ احمقانہ ہی نہیں جاہلانہ اور منتقمانہ بھی ہیں۔ بدقسمتی تو یہ ہے کہ الیکشن کمشن نے ان دستاویزات کے بارے میں وہ کچھ کہا ہے، جس کی تردید وہ پہلے کر چکا ہے اس سے جنتا کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنتا لوگوں میں تو عدلیہ کی تضحیک کرتی ہے جبکہ دوسرے پلیٹ فارموں پر وہ عدلیہ کی تعریف کرتے نہیں تھکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنتا مقدمہ کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی چیئرمین بھٹو

www.bhutto.org

کو ''قاتل'' کہہ کر توہین عدالت کی مرتکب ہوئی ہے۔ اسی طرح اب جنتا پاکستان پیپلز پارٹی کے سیاستدانوں کو دھاندلی کے مجرم قرار دے کر توہین عدالت کی مرتکب ہو رہی ہے اس لیے کہ ان سیاستدانوں کے مقدمے ابھی زیر سماعت ہیں۔

آیئے قرطاس ابیض میں شامل بڑے الزامات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان کی کیا اہمیت ہے۔ بات یہ ہے کہ خلاصہ میں جو الزامات شامل ہیں، ان سے متعلق کوئی شہادت خلاصہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی۔ کوئی دستاویز کیوں منسلک نہیں کی گئی۔ یہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ اگر دستاویز ساتھ لگا دی جاتی تو پھر جنتا کا پول کھل جاتا۔ مولوی مشتاق کے بے رحمانہ فقرے کہ مسٹر بھٹو کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں، خلاصہ میں کیوں شامل کیے گئے۔ اگر کیے گئے ہیں تو پھر مولوی مشتاق کے لگائے ہوئے الزام کی کوئی شہادت اس میں کیوں شامل نہیں کی گئی۔

قرطاس ابیض میں کہا گیا ہے کہ مارچ 1977ء کے انتخابات لاقونونیت کی نئی مثال تھے۔ قرطاس ابیض یہ احمقانہ بات تو بتاتا ہے لیکن یہ حقیقت نہیں بتاتا کہ 7 مارچ 1977ء کے انتخابات پاکستان کے قیام کے بعد سے اب تک پاکستان میں جمہوریت کے فروغ کی بہترین مثال ہیں اس لیے کہ یہ پہلے عام انتخابات تھے جو ملک کی تیس سالہ تاریخ کی پہلی منتخب سول حکومت نے کرائے ہیں۔

آئین کے تحت پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت ایک سال تک کے عرصہ کے لیے انتخابات ملتوی کر کے اگست 1978ء میں کرا سکتی تھی۔ لیکن پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے شعوری طور پر فیصلہ کیا کہ آئین میں دی گئی میعاد سے ایک سال پہلے انتخابات کرائے جائیں اور اس کا مقصد ملک میں جمہوریت کو مستحکم کرنا اور پاکستان کی پُر پیچ تاریخ میں پہلی بار بہترین جمہوری روایات کو قائم کرنا تھا۔

مارچ 1977ء کے انتخابات کو سابقہ طرز کے تاریخی تجربے کی بنیاد پر نہیں جانچا جا سکتا۔ ویسٹ منسٹر کے سے حالات سندھ کے میدانوں میں پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ ہاں اگر کسی طریق کار کو نمونہ بنایا جا سکتا ہے تو وہ 1947ء یا 46-1945ء کے انتخابات ہی ہو سکتے ہیں جن کے نتیجے میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا تھا۔ 46-1945ء کے انتخابات پاکستان کے مطالبے کی بنیاد پر لڑے گئے تھے۔ پاکستان کے حق میں دیوانہ وار جدوجہد کے باوجود مسلم لیگ کے متعدد اہم امیدواروں پر انتخابی دھاندلی کے الزامات لگائے گئے تھے۔ ان کے خلاف الیکشن پٹیشنیں دائر کی گئی تھیں۔

www.bhutto.org

مسٹر لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین، چودھری محمد علی، مسٹر حسین شہید سہروردی اور مسٹر فیروز خان نون کے وزارت عظمیٰ کے ادوار میں قومی انتخابات نہیں کرائے گئے۔ دوسرے لفظوں میں 1947ء سے 1958ء تک کے عرصے میں کسی بھی سول وزیراعظم کے دور میں قومی انتخابات نہیں کرائے گئے۔ صرف صوبائی انتخابات کرائے گئے اور وہ بھی بلوچستان میں نہیں کرائے گئے تھے۔ انتخابات اور ضمنی انتخابات کے دوران دھوکہ بازی، فراڈ اور تشدد کے تمام حربے اپنائے جاتے رہے تاکہ اپنی مرضی کے مطابق نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے انتخابات کا نتیجہ مسلم لیگ کی شرمناک شکست کی صورت میں سامنے آیا جو اس وقت برسراقتدار تھی۔ لیکن برسراقتدار مسلم لیگ نے ان انتخابی نتائج کا عکس وفاقی منظر پر نہیں پڑنے دیا۔ صوبائی سطح پر ان نتائج کو مختصر عرصہ کے لیے تسلیم کرلیا گیا۔ اور یہ بھی اس لیے کیا گیا کہ مشرقی پاکستان میں گورنر راج نافذ کرنے کے لیے تھوڑا سا وقت چاہیے تھا۔

مارچ 1959ء کے عام انتخابات جن کا بہت زیادہ ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا، ہوئے ہی نہیں اور اس کی وجہ ایوب خان کی فوجی بغاوت تھی۔ 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا اور بنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج کر دیا گیا۔ اس نظام کے تحت بھی جس پر نوکر شاہی کا سخت کنٹرول تھا، محترمہ فاطمہ جناح نے ایوب خان کو شکست دی تھی لیکن ایوب خان نے اپنا انتخاب ''جیتنے'' کے لیے دھاندلی کی۔ یحییٰ خاں نے 1970ء کے انتخابات کا حکم دیا لیکن اس کا منصوبہ حقیقی معنوں میں شیطانی تھا۔ اگرچہ انتخابات ہوئے لیکن اس کے لیے ایک سال بعد ملک توڑ دیا گیا۔

اس ناقابل تردید تاریخی تجربے ہی کی روشنی میں مارچ 1977ء کے انتخابات کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے حزب اختلاف کو عام جلسے منعقد کرنے اور جلوس نکالنے کی تمام سہولتیں فراہم کیں۔ حزب اختلاف کے کسی ایک جلسے یا جلوس میں گڑبڑ نہیں ہوئی۔ نہ تو کوئی سیاسی رہنما گرفتار ہوا، نہ کسی سیاسی کارکن کو خوفزدہ کیا گیا اور نہ ہی ان کے حمایتی اخبارات پر کسی قسم کی پابندی لگائی گئی۔

اگر برسراقتدار پارٹی نے کچھ کیا ہے تو وہ یہ کہ حزب اختلاف کے راستے کو صاف کر کے اپنی راہ میں کانٹے بچھائے ہیں۔ قانون میں تبدیلی کر کے حزب اختلاف پی این اے کو ایک انتخابی نشان دیا گیا حالانکہ بنیادی قانون کے تحت پی این اے ایک انتخابی نشان لینے کی مجاز نہیں تھی۔ حزب اختلاف کے کسی رہنما نے مداخلت یا بے ضابطگی کی شکایت نہیں کی۔ 7 مارچ

www.bhutto.org

1977ء کو جب پولنگ ختم ہوئی تو پی این اے کے اصغر خاں نے انتظامات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اگر کوئی زیادتی اور بے ضابطگی ہوئی تھی تو وہ کراچی، حیدرآباد اور دوسری جگہوں پر پی این اے نے کھلے عام کی تھی۔

اگر کسی فرد نے کوئی گڑبڑ یا بے ضابطگی کی ہے تو اس کی ذمہ داری پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت پر تو نہیں عائد کی جاسکتی۔ اور خود پی این اے نے تسلیم کیا ہے کہ صرف انیس انتخابی حلقوں میں بے ضابطگی ہوئی ہے۔ اس قسم کی شکایات کے ازالہ کے لیے ایک آزاد الیکشن مشینری موجود تھی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت پر شدید نکتہ چینی کرنے والے غیر ملکی اخبارات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ انفرادی بے ضابطگیوں یا بے قاعدگیوں کے اثرات پاکستان پیپلز پارٹی کو بہت بھاری اکثریت کے ساتھ حاصل ہونے والی انتخابی فتح پر نہیں پڑے۔ یہ کوئی ایسے واقعات نہیں تھے کہ جن کو بنیاد بنا کر قوم کو مارشل لاء کے عفریت کے سپرد کر دیا جاتا۔ یہ مارشل لاء ہی ہے جو دھاندلی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ مارشل لاء لوگوں کی مرضی کو، ان کی خواہش کو کچل دیتا ہے اور زمین پر بسنے والے شہریوں کی حاکمیت پر غاصبانہ قبضہ کر لیتا ہے۔

وزیراعظم کا بلا مقابلہ انتخاب

قرطاس ابیض اس بات پر زور دیتا ہے کہ وزیراعظم کے بلا مقابلہ انتخاب سے انتخابات میں اوپر سے نیچے تک وزیراعظم کی طرف سے دھاندلی کرنے کا فیصلہ ظاہر ہو جاتا ہے، اور اس دھاندلی کا آغاز انہوں نے اپنے حلقہ نیابت سے کیا۔

حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ مارچ 1977ء کے انتخابات میں ہی چیئرمین بھٹو بلا مقابلہ منتخب نہیں ہوئے تھے۔ 1970ء کے انتخابات میں مختلف صوبوں کے پانچ حلقوں سے چیئرمین بھٹو بھاری اکثریت کے ساتھ منتخب ہوئے تھے۔ چیئرمین بھٹو کئی انتخابات جیت چکے ہیں۔ اگر اکتوبر 1977ء میں انتخابات ہو جاتے تو چیئرمین بھٹو کوٹ لکھپت جیل میں قید ہونے کے باوجود اس قدر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے کہ کئی نئے ریکارڈ قائم ہو جاتے۔

وزیراعظم کے بلا مقابلہ انتخابات کے بارے میں چیف الیکشن کمشنر نے تحقیقات کی جب الیکشن کمشن نے پی این اے کے امیدوار کی شکایت کی سماعت شروع کی تو یحییٰ بختیار نے

www.bhutto.org

وزیراعظم اور ایم انور مرحوم نے پی این اے کے امیدوار کی نمائندگی کی۔ یہ وہی ایم انور ہے جو ہائی کورٹ میں احمد رضا قصوری کیس میں استغاثہ کی پیروی کرنے کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گیا تھا۔ مسٹر یحییٰ بختیار نے تحقیقات کے دوران کہا تھا کہ پی این اے کے امیدوار نے جو پٹیشن دائر کی ہے وہ ایک منظم سازش ہے جس کا مقصد وزیراعظم پر تہمت لگانا، انہیں بددیانتی میں ملوث کرنا، ملک اور انتخابات کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا۔

مسٹر انور نے تحقیقات کے دوران کہا تھا کہ پی این اے کے امیدوار کو کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے روکنے کے لیے اغوا کرلیا گیا تھا تاکہ وزیراعظم منتخب ہوسکیں۔ اس نے کہا کہ اس اقدام کو برسراقتدار جماعت کی طرف سے انتخابات میں دھاندلی کرنے کے منصوبے کا حصہ سمجھا جانا چاہیے۔

الیکشن کمشن انکوائری نے جس کی صدارت چیف الیکشن کمشنر جسٹس سجاد احمد جان کر رہے تھے اپنے فیصلے میں پی این اے کے امیدوار کی پٹیشن یہ کہہ کر خارج کردی تھی کہ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس کی بنیاد خالی اور تصوراتی دھاندلی پر رکھی گئی ہے۔

تحقیقات میں مزید کہا گیا کہ پی این اے کا امیدوار اپنی درخواست کے ساتھ کوئی ایسی شہادت پیش نہیں کرسکا جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اس بلامقابلہ انتخاب میں کچھ بے ضابطگیاں کی گئی ہیں۔ کمشن نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اس کے برعکس دوسری طرف سے جو شہادت پیش کی گئی ہے اس نے پی این اے کے امیدوار جان محمد عباسی کے مقدمے کو مکمل طور پر برباد کردیا ہے۔

کمشن نے مزید کہا ہے کہ ''مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اسی حلقہ نیابت سے 1962ء میں بھی بلامقابلہ منتخب ہوئے تھے۔ پھر 1965ء میں جب ایک آئینی ترمیم کے پیش نظر جس کے تحت کوئی وزیر اسمبلی کی نشست اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا اور مسٹر بھٹو کو اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑا، تو ان کے چچازاد مسٹر ممتاز علی بھٹو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے نامزد کی حیثیت سے اسی حلقہ سے بلامقابلہ منتخب ہوئے تھے۔ 1970ء میں مسٹر کھوڑو نے مسٹر بھٹو کے خلاف اس حلقہ سے انتخاب لڑا لیکن مسٹر کھوڑو کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی انتخاب میں متنازعہ حلقہ کی بجائے لاڑکانہ کی ایک دوسری نشست کے لیے مسٹر جان محمد عباسی نے انتخاب لڑا لیکن وہ مسٹر ممتاز علی بھٹو کے ساٹھ ہزار ووٹوں کے مقابلے میں صرف بارہ ہزار ووٹ لے کر بری طرح ناکام ہوئے۔ ان حالات میں

www.bhutto.org

ہمیں پٹیشن خارج کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اور ہم ہدایت کرتے ہیں کہ مدعا علیہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا نام حلقہ نمبر این اے 163 لاڑکانہ سے کامیاب امیدوار کے طور پر شائع کیا جائے۔''

بنیادی تصور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کا بلا مقابلہ انتخاب نہیں ہے۔ بنیادی تصور ساکھ، اعتبار اور عقیدت ہے۔ چیئرمین بھٹو کے لیے بلا مقابلہ منتخب ہونا کوئی برائی نہیں ہے۔ بداعتمادی، بے اعتباری اور بے عزتی تو جنتا کی ہے جس نے قرطاس ابیض میں یہ بے بنیاد اور جھوٹا الزام لگایا۔ جنرل ضیاء نے چیئرمین بھٹو کے خلاف زہر آلود فضا پیدا کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ کی کارروائی مذاق بن کر رہ گئی۔ کسی بھی ایسے ملک میں جہاں تہذیب رائج ہو، جہاں قواعد وضوابط کا خیال رکھا جاتا ہو، چیئرمین بھٹو کے خلاف یہ مقدمہ محض اس وجہ سے خارج کر دیا جاتا کہ جنتا نے چیئرمین بھٹو کے خلاف بے رحمانہ بدلگامی اور عدلیہ کو دھمکیوں کے ذریعے ایسی ہسٹریائی فضا پیدا کر دی جس میں مقدمہ کی صحیح کارروائی کو جاری رکھنا ممکن ہی نہیں۔ قرطاس ابیض درحقیقت عوام کے غیر متنازعہ اور عظیم رہنما چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جنرل ضیاء کی اندھی نفرت کی پیداوار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

بنیادی تصور تو وہ انتخاب ہے جس کا وعدہ کیا گیا لیکن جسے غاصب ضیاء الحق نے یکطرفہ طور پر ملتوی کر کے قومی امنگوں اور قومی یکجہتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ غاصب ضیاء دھاندلی کے معنی نہیں جانتا۔ یہ ایسا لفظ ہے جو لوگوں کو متوجہ کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے ووٹروں کے فیصلے کو الٹ پلٹ کر دینا۔ اس کا مطلب ہے سازباز کر کے جوڑتوڑ کے ذریعے ووٹروں کے فیصلے کو فسخ کر دینا۔ گذشتہ ایک سال کے دوران عوام کے فیصلے کو رد کرنے کے لیے جو جو سازشیں کی گئیں ان کی مثال نہیں ملتی اگر تمام پارٹی، یا اس کی قیادت اور کارکنوں کی ساکھ کو اس کے حوالے سے، حکام کی طرف سے جھٹلایا جائے جس کا حوالہ قرطاس ابیض میں دیا گیا ہے، اور اگر حکام خود اسے اعتباری آدمی نہیں سمجھتے تو پھر بیلٹ بکسوں کو بھرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے اور پھر عجیب بات تو یہ ہوگی کہ حکام دوسروں سے بھی اس کی توقع کریں۔ کثیر سرمائے کو خرچ کرنے کا پراپیگنڈہ صرف ایک شخص کے کہے ہوئے لفظ پر کیا جا رہا ہے جو اتنی خطیر رقم لانے اور تقسیم کرنے کی حکمت عملی کے مسائل کی تشریح نہیں کرتا۔ دوست قوموں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی ذلیل کوشش کے لیے حکام کے پاس بہت سی تاویلات ہیں جن کا مقصد ان ملکوں کے ساتھ روایتی خوشگوار تعلقات کو تباہ

www.bhutto.org

کرنا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ چیئرمین بھٹو کی کردار کشی کے لیے انہیں ایک اور بات مل جائے اور وہ کیچڑ میں مزید پتھر پھینک سکیں۔

جہاں تک خفیہ فنڈ استعمال کرنے کا تعلق ہے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جتنا عوام کی جماعت کو ختم کرنے کے لیے اس فنڈ کو کس بھونڈے طریقے سے ضائع کر رہی ہے۔ فوجی حکومت کی پاگل پن پر مبنی پالیسیوں کے لیے حمایت حاصل کرنے کی خاطر بدقماش اور موقع پرست افراد کو بے پناہ رشوت دی جا رہی ہے۔ خفیہ فنڈ صحافیوں کو خریدنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ صحافیوں کی اپنے حقوق کے لیے جائز جدوجہد کو سبوتاژ کیا جا سکے۔ خفیہ فنڈ لیبر یونینوں میں شامل موقع پرستوں پر خرچ کیا جا رہا ہے تاکہ مزدور تحریک کو اپاہج بنا دیا جائے اور مفاد پرست سرمایہ داروں کے سر پر سوار خوف کو ختم کیا جائے۔ خفیہ فنڈ احمد رضا قصوری اور اردو ڈائجسٹ والے الطاف حسن قریشی کے غیر ملکی دوروں پر خرچ کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بین الاقوامی سطح پر چیئرمین بھٹو کے خلاف رائے عامہ ہموار کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے اور لوگوں کو بھی خفیہ فنڈ میں سے بھاری رقوم دی جا رہی ہیں۔ تو یہ ہیں وہ ''اعلیٰ ترین مقاصد'' جن کے حصول کے لیے خفیہ فنڈ استعمال کیا جا رہا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ملکی مفادات کے لیے خفیہ فنڈ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس فنڈ کو ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے کہ، دھوکہ دہی کے معماروں کے برعکس، عوامی حکومت یہ جانتی تھی کہ ریاست کیسے چلائی جاتی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ 1973ء کے آئین پر مذاکرات ہو رہے تھے تو اس وقت بہت سے افراد نے تمام پارلیمانی پارٹیوں کے مابین ایک دوسرے پر اعتماد کو فروغ دینے میں مدد دی تھی۔ ان میں سے چند افراد نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہوں نے جو فرائض انجام دیئے ہیں، ان کا اعتراف تحریری طور پر کیا جائے۔ دوسروں نے نوٹوں کے لیے کہا لیکن یہ نوٹ مختلف قسم کے تھے۔

سیکرٹ سروس فنڈز پیپلز پارٹی کے عہدیداروں کو دیئے جاتے تھے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ پارٹی کے عہدیدار ہیں بلکہ اس لیے دیئے جاتے تھے کہ وہ ذمہ دار سرکاری حیثیت رکھتے تھے اور انہیں عوامی مقاصد کے لیے ان سیکرٹ سروس فنڈز کی ضرورت تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کو جن کا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی سے نہیں ہے، جیلوں میں بند کر کے ڈس کوالیفائی کر کے راستے سے ہٹا دیا گیا ہے۔ غاصب ضیاء نے پاکستان پیپلز پارٹی کو ختم کرنے کے لیے تمام غیر قانونی اقدامات

www.bhutto.org

کیے ہیں۔ غاصب ضیاء نے چیئرمین بھٹو کی اپیل کے فیصلے تک انتخابات نہ کرانے کا اعلان کرنے کی بھی احمقانہ جرأت کی۔ اس نے اعلان کیا کہ جب تک چیئرمین بھٹو کا فیصلہ نہیں ہو جاتا یوری قوم غیر متحرک ہو جائے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ چیئرمین بھٹو کے خلاف غاصب ضیاء کے بہیمانہ انتقامی جذبے کی تکمیل کی خاطر ساڑھے سات کروڑ عوام کو سزا دی جائے۔ شاید غاصب ضیاء جھوٹے مقدمے میں بھٹو کو ختم کرنے کے لیے بے آواز، بے نام اور استحصال کا شکار ہونے والے عوام کو سزا دے رہا ہے۔ قرطاس ابیض جھوٹ کی بنیاد پر تیار کیے گئے کاغذات کا ایک اور پلندا ہے۔ اگر جھوٹے مقدمے سے چیئرمین بھٹو کی ذات کے خلاف بداعتمادی پیدا کرنا ہے تو قرطاس ابیض کا مقصد پارٹی کے خلاف بداعتمادی پیدا کر کے چیئرمین بھٹو کی ذاتی اور سیاسی شخصیت کو نقصان پہنچانا ہے۔ بہر حال لوگوں کے شعور کی توہین نہیں کی جا سکتی۔ وہ جھوٹی کہانیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

ماسٹر پلان جس میں پوری حکومت مشینری کو ملوث کیا گیا

قرطاس ابیض کے اس الزام میں شاعرانہ خیال کی جھلک ملتی ہے کہ چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے مارچ 1977ء کے انتخابات میں دھاندلی کرانے کے لیے ایک ماسٹر پلان تیار کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے، انتخابات میں دھاندلی کرانے کے لیے کوئی ماسٹر پلان تیار نہیں کیا گیا تھا۔ ہاں ایک ماسٹر پلان تھا۔ لیکن اس کا نام ''لاڑکانہ پلان'' نہیں تھا۔ اس ماسٹر پلان کا نام ''آپریشن فیئر پلے'' تھا۔ اور اس کا مقصد آئین کو منسوخ کرنا اور پاکستان کی قانونی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ غصب کرنے کا یہ پلان جنرل ضیاء نے تیار کیا تھا اور اسی نے اس پر عمل درآمد بھی کیا۔

سیکرٹ سروس فنڈز اور دوست ملک کی طرف سے ملنے والے فنڈ

قرطاس ابیض کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک دوست حکومت کی طرف سے خطیر رقم ملی۔ حیرت کی بات ہے کہ اتنی خطیر رقم لائی گئی لیکن جنتا اس الزام کی تصدیق کے لیے کوئی بھی دستاویزی ثبوت مہیا نہیں کرتی۔ قرطاس ابیض میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کس ملک سے یہ خطیر رقم ملی۔ جنتا نے بس نوکر شاہی کے ایک سابق کل پرزے کی بات پر یقین کر لیا جو مولانا مودودی کا رشتہ دار ہے یعنی وزیراعظم کا سیکرٹری مسٹر افضل سعید۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جنرل ضیاء وقتاً فوقتاً مولانا مودودی کو ملنے کے لیے ان کی رہائش گاہ واقع اچھرہ میں جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کوئی کیتھولک بشپ اپنے پوپ سے ملنے جاتا ہے۔ 5 جولائی 1977ء کو گرفتار ہونے کے بعد

www.bhutto.org

مسٹر افضل سعید کو 1978ء کے موسم بہار میں رہا کر دیا گیا۔ اعلیٰ عہدہ رکھنے کے سبب اسے سیکرٹ سروس فنڈز میں سے بھاری رقم دی گئی۔ اس نے بتایا کہ اعلیٰ عہدیداروں کو رقوم دی جاتی تھیں۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ رقوم رفاہ عامہ کے لیے دی جاتی تھیں۔ ان لوگوں کو جو اعلیٰ سرکاری عہدیدار نہیں تھے اس مقصد کے لیے محدود رقم دی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر سپریم کورٹ کی کارروائی کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ ایک صوبائی گورنر کو جو پاکستان پیپلز پارٹی کا رکن نہیں تھا، سیکرٹ سروس فنڈز میں سے بھاری رقم مہیا کی گئی تھی۔ بعض اوقات اس نے مزید رقم کے لیے خطوط بھی لکھے۔ ظاہر ہے اس نے یہ رقمیں اپنی جیب میں نہیں ڈالیں اور نہ ہی ان رقوم کو پاکستان پیپلز پارٹی پر خرچ کیا۔ وہ خود صاحب حیثیت شخص تھا۔ اسے ان رقوم کی ضرورت رفاہ عامہ کے مقاصد کے لیے تھی۔ اسے یہ فنڈز اس وقت تک دیئے جاتے رہے جب تک وہ پیپلز پارٹی کا رکن نہیں تھا۔ اس نے پارٹی میں شمولیت گورنری چھوڑنے اور 5 جولائی 1977ء کی فوجی بغاوت کے بعد اختیار کی۔ جنتا حقیقت کو جانے بغیر اس بات کو الزام کے طور پر اچھال رہی ہے لیکن ایک بار پھر بے جا تصرف اور صحیح استعمال کی حقیقی تعریف کرنے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ سیکرٹ فنڈز کا ناجائز استعمال اور بے جا تصرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب فنڈ کو عوامی مقاصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ حقیقت کہ جنتا اس سلسلے میں ایک بھی شہادت پیش نہیں کر سکی یا اپنے کسی نوکر شاہی کے کل پرزے سے یہ بیان نہیں لے سکی کہ فنڈز عوامی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیے گئے تھے، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ جنتا یہ بات تسلیم کر چکی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے فنڈز کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہی استعمال کیا تھا، اور اس صورت میں سیکرٹ سروس فنڈز کو پارٹی کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جنتا اپنے ہی جھوٹ کے جال میں بری طرح جکڑی گئی ہے۔

ہزارہ کمشنر اور دھاندلی

قرطاس ابیض میں جو الزامات لگائے گئے ہیں، ان کے کمزور ہونے کی تصدیق ہزارہ کے کمشنر کی اس رپورٹ سے ہو جاتی ہے جو اس نے 22 ستمبر 1977ء کو پیش کی جس کی بنیاد پر دھاندلی کے الزامات کی ناقص عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

کمشنر کی رپورٹ تضادات پر مبنی ہے اور قانون کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

www.bhutto.org

یہ ایک اچھا پراپیگنڈہ تو ہو سکتی ہے لیکن حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کمشنر نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کی رپورٹ بہت تاخیر سے تیار کی گئی۔ اپنی رپورٹ کے پہلے صفحے پر وہ کہتا ہے ''چونکہ بہت وقت گزر چکا ہے اس لیے اس بات کی قطعی نشاندہی کرنا ممکن نہیں کہ کس انفرادی وی آئی پی نے افسروں کو کیا کرنے کا حکم دیا۔''

کمشنر نے جن اہم ترین شخصیتوں کا حوالہ دیا ہے وہ وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری جنرل امتیاز علی اور سیاسی مشیر مسٹر محمد حیات ٹمن ہیں۔ اگر ہزارہ کے کمشنر کی بات کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ دونوں حضرات ہزارہ اس لیے گئے کہ تحریک استقلال کے اصغر خان اور مسلم لیگ کے گوہر ایوب کے عام انتخابات میں کامیاب نہ ہونے کو یقینی بنائیں۔

اپنی رپورٹ میں کمشنر ہزارہ نے خود کو ایک شریف آدمی قرار دیا ہے۔ خود کو قانون کا احترام کرنے والا اور باضمیر شخص گردانا ہے۔ اگر اس شخص میں ان میں سے ایک بھی خوبی ہوتی تو پھر اس کا فرض تھا کہ وہ وزیراعلیٰ کو تحریری رپورٹ پیش کرتا جس میں تفصیلات بیان کی گئی ہوتیں اور اپنی صفائی پیش کی گئی ہوتی۔ لیکن اس کے برعکس اس ''باضمیر'' اور ''شریف'' آدمی نے اس وقت تک انتظار کیا جب جنرل ضیاء نے بیگم نصرت بھٹو کی آئینی پٹیشن کا جواب داخل کرنا تھا۔ جواب دعویٰ میں جنرل ضیاء نے چیئرمین بھٹو کی پارٹی پر انتخابات میں دھاندلی کرنے کا الزام لگایا اور ہزارہ کے کمشنر سے فوری طور پر ایک تحریری رپورٹ حاصل کی۔ شاید کمشنر صاحب یہ چاہیں کہ ہم اس بات پر یقین کریں کہ یہ سب کچھ محض اتفاق تھا کہ اس نے اپنی رپورٹ 2 ستمبر 1977ء کو اس وقت پیش کی جب جنرل ضیاء کو اس کی ضرورت تھی اور 5 یا 6 مارچ کو اس باضمیر شریف شخص نے پیش نہیں کی جب اس کا پیش کیا جانا موزوں تھا۔

ہزارہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سرکاری حکام نے سیاسی صورت حال پر بات چیت کی۔ جمہوریت میں سیاسی صورتحال پر بات چیت کرنا کوئی بری بات تو نہیں ہے۔ انتخاب کے مہینے مارچ 1977ء کے دوران پورے ملک میں جگہ جگہ سیاسی صورتحال زیر بحث تھی۔ لوگ آپس میں گفتگو کرتے تھے۔

ہزارہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دونوں سرکاری افسروں نے چیئرمین کی قیادت سے متعلق اپنی رائے دی۔ اپنی رائے دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں افسروں نے جو رائے دی وہ جنرل ایم زیڈ حق کی اس رائے سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے جو اس نے 5

www.bhutto.org

جولائی 1977ء کی فوجی بغاوت سے قبل اور بعد میں متعدد مواقع پر پاکستان کے لیے چیئرمین بھٹو کے ناگزیر ہونے کے بارے میں دی تھی۔

بادی النظر میں انتخابات اور دھاندلی سے چند روز قبل ان دونوں افسروں کی انتخابی پیشگوئیوں میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر وزیراعظم نے ان دونوں افسروں کو یہ یقینی بنانے کے لیے ایبٹ آباد بھیجا ہوتا کہ پی این اے کے دونوں امیدوار کسی صورت میں کامیاب نہ ہوں تو پھر یہ دونوں افسر عام سیاسی گفتگو کی بجائے دونوں امیدواروں کو ہرانے کے جتن کرتے۔ جیسا کہ ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے پی این اے کے یہ دونوں امیدوار ہزارہ ڈویژن کے حلقوں سے انتخاب جیتے۔

اگر وزیراعظم قومی سطح پر انتخابات میں دھاندلی کرانے کا انتظام کرتے تو ان کے لیے ملک کے دور دراز علاقے میں اپنی پسند کے نتائج حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوتا خاص طور پر اس صورت میں کہ ان کے اعلیٰ اختیارات کے دو افسر ایسے کام پر لگائے گئے ہوں۔

خصوصاً اگر ملٹری سیکرٹری اور سیاسی مشیر کو صوبہ سرحد اور ہزارہ ڈویژن میں انتخابات میں دھاندلی کرانے کے لیے بھیجا گیا ہوتا تو ان دونوں کے لیے وزیراعظم کی حکم عدولی ممکن نہیں ہو سکتی تھی اور اگر ہزارہ کا کمشنر کوئی اعتراض کرتا تو یہ لوگ اس ''بے بس کمشنر'' کو درست کر دیتے۔

یہ رپورٹ اسی قسم کے تضادات اور جھوٹ اور مکر و فریب پر مشتمل ہے۔ جہاں تک قرطاس ابیض کا تعلق ہے تو یہ رپورٹ ''کلیدی'' حیثیت رکھتی ہے اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزارہ رپورٹ قرطاس ابیض کی غیر یکسانیت اور تضادات کی صحیح عکاس ہے۔

ریفرنڈم کا مطلب دھاندلی کو تسلیم کرنا

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نئے انتخابات کرانے پر اتفاق کر کے چیئرمین بھٹو نے در پردہ طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوئی ہے۔

پارلیمانی حکومت کے وزیراعظم چیئرمین بھٹو کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی وقت قومی اسمبلی کو توڑ دیں اور انتخابات کرائیں۔ قائد ایوان کے اس حق کے بارے میں آئین قطعی طور پر واضح ہے۔ اس لیے ایک بار پھر انتخابات کرانے کے لیے چیئرمین بھٹو کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چیئرمین نے دھاندلی کی وجہ سے دوبارہ انتخابات کرانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے قومی مفاد کے پیش نظر ایک اور انتخاب کرانے کا فیصلہ کیا۔ ایک اور انتخاب کرانے کا یہ ہرگز

www.bhutto.org

مطلب نہیں کہ پچھلے انتخابات میں دھاندلی ہوئی تھی۔ بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں قانون ساز اسمبلی کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی انتخابات کرائے گئے۔ یہ سہولت اور لچک پارلیمانی نظام کا حصہ ہوتی ہے۔ کوئی بھی بحران اور واقعات کی غیر متوقع تبدیلی کے پیش نظر وزیراعظم کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ حالات وواقعات پر قابو پانے کے لئے نئے انتخابات کرائیں۔

نئے انتخابات کرانے کی وجوہ کچھ بھی ہوں جنرل ضیاء کے پاس مارشل لاء نافذ کرنے اور خود کو ملک کا چیف ایگزیکٹو بنا دینے کا کوئی معقول جواز نہیں تھا۔ اگر جنرل ضیاء یہ سمجھتا تھا کہ مارچ کے انتخابات میں دھاندلی ہوئی تھی تو اسے دوبارہ انتخابات کرانے کا فیصلہ کا خیر مقدم کرنا چاہیے تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کو قانونی قرار دینے اور پھر اس اعلان سے فرار اختیار کرنے کے بعد بھی جنرل ضیاء کے پاس مارشل لاء نافذ کرنے کا کوئی قانونی اور آئینی جواز نہیں تھا۔ ایک نام نہاد غیر قانونی حکومت کی جگہ شخصی حکومت قائم کرنا لاقانونیت کی انتہائی مکروہ شکل ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ ملک میں نئے انتخابات کرانے کا فیصلہ ہو چکا تھا جب سیاسی صورتحال میں دراڑ پڑ جائے تو اس صورت میں مارشل لاء کبھی بھی پل کا کام نہیں دیتا۔ صرف اور صرف آئین ہی وہ پل ہوتا ہے۔ لیکن جب اس پل کو کوڑوں اور خوف ودہشت کی طاقت سے تباہ کر دیا جائے تو پھر سوائے بربادی کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

www.bhutto.org

پندرہواں باب

افواہ:

پاکستان پیپلز پارٹی اور پی این اے کے درمیان ہونے والے مذاکرات بری طرح ناکام ہو چکے تھے اور آسمان پر خانہ جنگی کا عفریت منڈلا رہا تھا۔ فوج خون خرابے کو روکنے کے لیے کود پڑی۔

حقیقت:

اس کے برعکس بحران پر مکمل طور پر قابو پایا جا چکا تھا اور 4 جولائی 1977ء کی رات کو فوج کی مداخلت پر قوم نے غم اور دکھ کا اظہار کیا۔ مذاکرات ناکام نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی خانہ جنگی کا عفریت کہیں نظر آ رہا تھا۔ صورتحال تیزی کے ساتھ معمول پر آ رہی تھی جب جنرل ضیاء نے پاکستان کے چہرے کو مارشل لاء کے جوتے کے نیچے کچل دیا۔ چیئرمین بھٹو مسلسل اس بات پر مصر تھے کہ اگلی صبح پیپلز پارٹی اور پی این اے کے درمیان ہونے والے معاہدے پر دستخط ہو جانے تھے لیکن جنرل ضیاء نے رات کے اندھیرے میں فوجی بغاوت کے ذریعے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ پی این اے کے نائب صدر نوابزادہ نصراللہ خان نے فوجی بغاوت کے موقع پر ایک انٹرویو دیا جو پاکستان ٹائمز کے 5 جولائی 1977ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس میں نوابزادہ نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے اور ان کے دو ساتھیوں نے نو نکات وزیراعظم کو پیش کیے۔ یہ نکات مسودے کی زبان اور حکومت کی طرف سے دی گئی تجاویز میں ''معمولی ترامیم'' پر مشتمل تھے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان نو نکات سے پہلے سے طے شدہ مسائل میں سے کوئی بھی مسئلہ دوبارہ نہیں چھڑتا تھا۔

سوالات کا جواب دیتے ہوئے نوابزادہ نے کہا کہ وہ گذشتہ رات وزیراعظم کی رہائش

www.bhutto.org

گاہ سے یہ تاثر لے کر واپس آئے تھے کہ حکومت کو پی این اے کا موقف نامنظور نہیں تھا۔ مسئلہ کو ختم کرنے کے لیے خود جنرل ضیاء نے یہی کہا کہ پی پی پی اور پی این اے کے درمیان معاملہ طے ہو چکا تھا۔ فوجی بغاوت کے بعد اس نے نیوز ویک کو جو انٹرویو دیا اس میں اس نے کہا ''انہوں نے (چیئرمین بھٹو) حزب اختلاف کے ساتھ معاہدہ کرنے کی مخلصانہ کوشش کی تھی۔''

پی پی پی کی حکومت اور پی این اے کے وفد قومی بحران کے بارے میں تصفیے پر پہنچ چکے تھے حالانکہ جنرل ایم زیڈ حق نے تصفیہ کو برباد کرنے کی خاطر بہت سی دشواریاں پیدا کیں۔ 5 اپریل 1977ء کو اس نے وزیراعظم کو لاہور میں بتایا کہ اگر حیدرآباد کی خصوصی عدالت میں ولی خان اور دوسرے لوگوں پر مقدمہ چلانے کی اجازت نہ دی گئی اور اگر بلوچستان سے فوج کو واپس بلا کر بیرکوں میں بھیجا گیا تو فوج کسی معاہدے کو تسلیم نہیں کرے گی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایم زیڈ حق اور تمام دوسرے کور کمانڈران دو شرائط پر سختی کے ساتھ اڑ گئے۔ اور وزیراعظم کے بلائے ہوئے ہر اجلاس میں اپنی ان شرطوں پر اصرار کرتے رہے۔

2 جولائی اور 3 جولائی 1977ء کو وزیراعظم کے سیکرٹریٹ راولپنڈی میں پی پی پی اور پی این اے کے درمیان جو مذاکرات ہوئے ان میں ایم زیڈ حق پچاس صفحے کی ایک دستاویز لے کر آیا جس میں اصرار کیا گیا تھا کہ حیدرآباد میں جن ''علیحدگی پسندوں'' اور ''غداروں'' پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے انہیں کسی صورت رہا نہ کیا جائے۔ ایم زیڈ حق نے اپنی بات کی حمایت میں متعلقہ افراد کی تقریروں اور گفتگوؤں کا حوالہ دیا۔ ایک موقع پر اسے نوابزادہ نصراللہ خان نے ٹوکا۔ نوابزادہ کا کہنا تھا کہ جنرل کو کوئی حق نہیں کہ وہ سیاسی امور پر سیاسی رہنماؤں کو لیکچر دے۔

جنرل ایم زیڈ حق نے اس بات پر اصرار کر کے حکومت کو مشکل میں ڈال دیا کہ پی پی پی اور پی این اے کے درمیان معاہدہ نہ ہونے کے صورت میں صورتحال قابو سے باہر ہو جائے گی اور فوج میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اتنی ہی طاقت کے ساتھ اس بات پر بھی اصرار جاری رکھا کہ کسی بھی صورت میں ایسا معاہدہ نہ کیا جائے جس کے تحت ''غداروں'' اور ''علیحدگی پسندوں'' کو رہا کرنا اور بلوچستان سے فوج کو واپس بلانا ضروری ہو جائے۔

''چت میری پٹ تیرا'' کی صورتحال میں پی پی پی کی حکومت اور پی این اے کے درمیان مذاکرات کو آگے بڑھانے میں ہونے والی تاخیر کا ذمہ دار جنرل ضیاء ہی تھا۔ جنرل ضیاء نے صورت حال کو خراب کرنے کے لیے ساز بازی۔ اس نے کشیدگی کو بڑھانے کے لیے آئین

www.bhutto.org

کے آرٹیکل 245 کے تحت سول حکومت کی ''لنگڑی لولی'' مدد کی۔ وہ اس طرح کے حالات پیدا کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ غیر آئینی اور غیر قانونی مداخلت کر سکے۔

جنرل ایم زیڈ حق نے ملک میں خانہ جنگی برپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے ایسے عناصر کی مدد کی، ان کے ساتھ ساز باز کی اور اس خانہ جنگی کا مقصد یہ تھا کہ اس نے جو وقت منتخب کیا ہے، اس وقت پر ملک کی قانونی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اگر جنرل نے وزیراعظم کے ساتھ اور وفاقی حکومت کے ساتھ مخلصانہ اور محبِ وطن شخص کی حیثیت سے تعاون کیا ہوتا تو قومی اثاثوں کو نقصان نہ پہنچتا۔ آئین کے تحت وزیراعظم اور وفاقی حکومت کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ خون خرابے کو روکنے کے لیے مسلح افواج کو کنٹرول کرے اور ان کی کمان کرے۔ جنرل نے آئین کے آرٹیکل 244 کے تحت جو حلف اٹھایا تھا اگر وہ اس کے ساتھ وفادار رہتا تو اس المیے کو ٹالا جا سکتا تھا جو پاکستان پر نازل ہوا۔

جنرل ضیاء نے یہ جھوٹا تاثر دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت برسر اقتدار رہنے کے لیے خانہ جنگی کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چھوٹے سے چھوٹے ذہن والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ کوئی بھی پارٹی ملک میں خانہ جنگی اور خون خرابہ کرا کر اپنے دور اقتدار کو طوالت نہیں دے سکتی۔ اقتدار اور اختیار کو بحران اور عدم استحکام پیدا کر کے یا پیدا کرنے کی کوشش کے ذریعے مستحکم نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا مفاد آئین کے تقدس کو برقرار رکھنے ہی میں تھا اور خانہ جنگی کرانے میں اس کے مفاد کو نقصان ہی پہنچ سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جسے حل نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ اب صورتحال مختلف ہے۔ اب پاکستان کی فضاؤں میں خانہ جنگی کا عفریت منڈلا رہا ہے۔ اس ایک تاریک اور المناک سال کے دوران یہ قوم سیاسی خلا میں بے ہوشی کی حالت میں لٹک رہی ہے۔ لوگوں کو دبا کر، عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر کے، عوام کے رہنما اور ان کی جماعت کے ساتھ گھناؤنا سلوک کر کے طبقاتی تضاد کو بڑھا کر اور لوگوں کو دو انتہاؤں میں تقسیم کر کے جالندھری جنتا نے ملک و قوم کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اپنی رجعت پسندانہ پالیسیوں کے ذریعے مارشل لاء نافذ کر کے علاقائی منافرت پھیلا کر، ان لوگوں نے عوام کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ان پر کوئی باہر کے لوگ حکومت کر رہے ہیں اور یہی وہ باتیں ہیں جنہوں نے ملک کی فضا کو خانہ جنگی سے آلودہ کر دیا ہے۔ جرنیلوں نے خانہ جنگی کے لیے راستہ ہموار کرنے کے لیے بھرپور

www.bhutto.org

کوششیں کی ہیں اور اس طرح انہوں نے عوام اور فوج کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یہ کام جرنیلوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ متصادم ہو کر انجام دیا ہے اس لیے کہ پاکستان پیپلز پارٹی ہی اس سرزمین کے عوام کی قانونی ترجمان ہے۔ اگر جرنیلوں نے عوام کے ساتھ مفاہمت کا راستہ اختیار نہ کیا تو پھر یہ ملک خون میں نہا جائے گا اور چار حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ جنرل ضیاء کے ہاتھ میں چاقو ہے جو اس ملک کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ اگر جنرل ضیاء کے ہاتھ میں امن کی علامت زیتون کی شاخ آ جائے تو وہ عوام کو امن مہیا کر سکتا ہے ان عوام کو جن کو اس نے فتح کیا ہے اور جن پر اس نے مظالم کے پہاڑ ڈھا دیئے ہیں۔

www.bhutto.org

سولہواں باب

افواہ:

''مقدمہ جس میں لاہور ہائی کورٹ نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزا دی ہے، کوئی نیا نہیں ہے۔ اس کی ابتدا اب نہیں ہوئی۔ ٹریبونل کے سامنے مقتول کے بیٹے نے اپنے اور اس وقت کے وزیراعظم کے درمیان سیاسی مخاصمت کے بارے میں تفصیلی بیان دیا تھا۔''

حقیقت:

قصور کا جوتے چاٹنے والا تو ایک کامیاب وزیراعظم کے خلاف مخاصمت رکھ سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وزیراعظم اس جوتے چاٹنے والے کے بارے میں بھی یہی رویہ رکھتے تھے۔ رضا قصوری کی زندگی کا سرسری طور پر جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ایسے قابل نفرت کردار کا مالک شخص ہے کہ جو سیاسی مقاصد کے لیے اپنے باپ کی موت سے بھی ناجائز فائدہ اٹھالیتا ہے۔

ابھی ایم اے قصوری کا لہو بھی خشک نہیں ہوا ہوگا کہ اس کا بیٹا چیختا چلاتا حزب مخالف کے پاس گیا اور ان سے مشورہ کیا کہ وہ اپنے باپ، جو قصور کا ایک مجسٹریٹ تھا، کی موت سے کس طرح فائدہ اٹھائے۔ جنرل ضیاء کی کابینہ کا وزیر ظہور الٰہی بھاگا بھاگا ایم وی سی ہسپتال گیا۔ ہسپتال کے برآمدوں میں ان لوگوں نے سازش کی کہ اس افسوسناک واقعہ کو اقتدار کے ایوانوں میں پہنچنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ باہمی صلاح مشورے کے بعد رضا قصوری نے یہ کہنے کا فیصلہ کیا کہ اس کی دشمنی وزیراعظم کے سوا اور کسی سے نہیں۔

یہ وہی وزیراعظم تھے جنہوں نے قصور سے اس گمنام شخص کو چنا اور اسے قومی اسمبلی کا رکن بنایا۔ قصوری کے خاندان نے تو کبھی بنیادی جمہوریتوں یا بلدیاتی انتخاب بھی نہیں جیتا تھا۔ یہ وزیراعظم ہی کی عنایت تھی کہ یہ گمنام شخص قومی اسمبلی میں پہنچ گیا۔ یہاں تک پہنچنے کے بعد اچانک

www.bhutto.org

اس کے سامنے نئے راستے وا ہو گئے۔ ظاہری سی بات ہے کہ جس وزیراعظم نے اسے ایم این اے بنایا تھا وہ اسے وزیر بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ قصوری کے پاس نہ تو وہ ذہانت تھی، نہ ہی عقل اور نہ ہی تجربہ جو اس عہدے کے لیے چاہئے ہوتا ہے۔ وہ تو صرف لڑائی جھگڑوں میں ملوث ہونے، ذرا ذرا سی بات پر غضبناک ہونے اور اپنی بدزبانی کی وجہ سے مشہور تھا۔

قصوری نے وزارت حاصل کرنے کے لیے لومڑی کی سی چالاکی سے کام لینے کی کوشش کی۔ وہ ہر اس شخص کے ساتھ انتہائی تابعداری کی حد تک خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتا جو اسے وزارت دلانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ جب وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے ذریعے یہ عہدہ حاصل کرنے میں ناکام ہو گیا تو اس نے پارٹی پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ قصوری کی زندگی ایک بڑے گھڑیال کی مانند ہے جس کا پنڈولیم چاپلوسی اور خوشامد سے نکتہ چینی تک جھولتا ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف بڑا نام کمانا، بڑی حیثیت حاصل کرنا اور جھنڈے والی کار پر بیٹھنا ہوتا ہے۔

اچانک ہی اسے یہ موقع اپنے باپ کی موت کی شکل میں مل گیا۔ قصوری نے ہر ممکن حد تک جذبات انگیز ڈرامائی صورت اختیار کی اور اس نے جتنے بھی ناشائستہ الزامات لگائے وہ انتہائی ڈرامائی تھے۔ قصوری اور اس کے ساتھ ظہور الٰہی نے فیصلہ کیا کہ مقدمہ میں وزیراعظم کا نام یہ کہہ کر ملوث کر دیا جائے کہ قصوری کی صرف انہی کے ساتھ دشمنی تھی۔ اس طرح انہوں نے ایک سیکنڈل کو ہوا دی اور وزیراعظم کے استعفا کا مطالبہ کیا۔

ایم اے قصوری کی موت کی تحقیقات کے لیے ٹریبونل قائم کر دیا گیا۔ مولوی مشتاق کے ایک قریبی دوست جسٹس شفیع الرحمان کو اس کی سربراہی کے لیے چنا گیا۔ چونکہ یہ بات ہر کسی کو معلوم تھی کہ جسٹس شفیع الرحمان وزیراعظم کو پسند نہیں کرتا اس لیے قصوری کو ٹریبونل پر مکمل اعتماد تھا اور وہ اس کے سامنے پیش ہوا۔ ٹریبونل نے اس واقعہ کی پوری تحقیقات کی قصوری نے ٹریبونل میں حلفی بیان میں تسلیم کیا کہ یہ ضروری نہیں کہ حملہ وزیراعظم کے ساتھ اس کی دشمنی کے نتیجے میں ہوا ہو۔ اس نے چار قسم کے لوگوں کے بارے میں بتایا جو اس کے بارے میں بری نیت رکھتے تھے۔ اس نے قادیانیوں کا ذکر کیا جن پر اس نے اس وقت شدید حملے کیے جب قادیانی مسئلہ اپنی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔ اس نے قصور میں اپنے ان مخالفوں کا ذکر کیا جن کے ساتھ اس کی دیرینہ دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اس نے حزب اختلاف کے چند ارکان اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا ذکر کیا جن کے ساتھ اس کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے۔ ٹریبونل کی رپورٹ کے اختتام پر قصوری نے ٹریبونل کے

www.bhutto.org

اخذ کیے ہوئے نتائج پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

جونہی ٹریبونل کی رپورٹ شائع ہوئی۔ قصوری نے وزیراعظم سے ملاقات کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا۔ وزیراعظم نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ قصوری نے وزیراعظم کو رقت آمیز خطوط لکھے وزیراعظم نے آخر کار قصوری کو پارٹی کی صفوں میں واپس لینے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

قصوری پارٹی میں واپس آنے کے لیے بے چین تھا کہ عام انتخابات قریب آ رہے تھے۔ اسے علم تھا کہ قصور پیپلز پارٹی کا مضبوط گڑھ ہے اس لیے اسے احساس ہوا کہ وزیر تو نہیں بن سکا لیکن اس کے پاس ایک سنہری موقع ہے کہ وہ دوبارہ ایم این اے ہو جائے۔ قصوری نے دھوم دھڑکے کے ساتھ پی پی پی میں واپس آنے کا اہتمام کیا۔ اس نے بیگم نصرت بھٹو صاحبہ سے درخواست کی کہ اس کی پارٹی میں واپسی کے موقع کو اپنی موجودگی سے عزت بخشیں۔ اس استقبالیہ میں اس نے وزیراعظم کی بے حد تعریف کی۔ اس کی ماں نے سرعام اعلان کیا کہ وہ وزیراعظم پر اپنے تمام بیٹے قربان کر دے گی اس لیے کہ وزیراعظم کے بغیر پاکستان نہیں رہے گا۔

مارچ 1977ء کے انتخابات آ گئے۔ پارٹی ٹکٹ دینے کا وقت آ گیا۔ قصوری نے بھیک مانگی اور ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے گھٹنوں کے بل چلا۔ یہ قصوری کی بدقسمتی تھی کہ اس کی چالبازی اسے کچھ نہ دلا سکی۔ پارٹی کے پارلیمانی بورڈ نے اسے متلون مزاج قرار دے دیا اور کہا گیا کہ اس کے دوست اسے سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیتے۔ اس لیے اس کو ٹکٹ کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا۔

اگر موقع پرست رضا قصوری کے بارے میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو کوئی احساس جرم ہوتا تو وہ قصوری کا منہ اسے ٹکٹ دے کر بند کر دیتے جس کے لیے وہ بھیک مانگ رہا تھا۔ وزیراعظم نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ انہیں کوئی احساس جرم نہیں تھا۔

جب لاہور ہائی کورٹ میں سابق وزیراعظم کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوئی تو رضا قصوری سے ان چار قسم کے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جن کا ذکر ٹریبونل کی رپورٹ میں تھا تو قصوری نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس نے وزیراعظم کے سوا کسی اور کا نام نہیں لیا تھا۔ چیف جسٹس نے ٹریبونل کی رپورٹ کو کارروائی کا حصہ بنانے سے انکار کر دیا تاکہ اس سے کہیں قصوری کا انکار غلط ثابت نہ ہو جائے کیونکہ اس سے مقدمہ فوری طور پر ختم ہو جاتا تو جناب یہ ہے جالندھری انصاف۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

سترہواں باب

افواہ:

''بھٹو حکومت کے الٹنے کے فوری بعد بیوہ (محمد احمد خاں قصوری کی بیوہ) نے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر کو ایک درخواست دی جس میں استدعا کی گئی تھی کہ سابق وزیراعظم کے خلاف مقدمہ دوبارہ شروع کیا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ مارشل لاء حکام کو بھٹو کے خلاف مقدمہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

حقیقت:

خود قصوری نے شفیع الرحمان ٹریبونل کی رپورٹ پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا تھا قصوری نے کہا تھا کہ وزیراعظم آج کے مسیحا ہیں جنہوں نے عوام کے دکھ اور تکالیف کو ختم کیا ہے۔ جب مارشل لاء نافذ ہوتا ہے تو قصوری کو رنجیدہ فریق بنا دیا جاتا ہے۔

قصوری کے بارے میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ کھوکھلا آدمی ہے جو مسند اقتدار تک پہنچنے کے لیے اپنے باپ کی لاش کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرنے کو تیار رہتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے یا شاید اتنی حیرت کی بات بھی نہیں کہ مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی قصوری نے ٹریبونل کی رپورٹ پر عدم اطمینان کا اظہار کر دیا اور اپنے آپ کو مظلوم فریق بنا لیا۔ اس وقت انتخابات کا ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اور قصوری نے لاہور کے حلقہ نیابت نمبر 3 سے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف انتخاب لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ قصوری نے اس بات کا اظہار کیا کہ جنرل ضیاء نے اس کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ چیئرمین بھٹو کے خلاف درخواست دائر کرے تو معاوضے کے طور پر اسے انتخاب میں یقینی طور پر کامیاب کرا دیا جائے گا۔ جنرل ضیاء کے ساتھ اپنے قریبی تعلقات پر وہ فخر کرتا تھا۔ اس نے لوگوں سے یہ بھی کہا کہ جنرل ضیاء نے انتخابات کے بعد اسے وزیر بنانے کا وعدہ کیا ہے۔

www.bhutto.org

جنرل نے تاحال قصوری کو وزیر نہیں بنایا۔ تاہم وہ اور اس کی ''بیوی'' حکومت کے خرچ پر مغربی ملکوں کا شاہانہ دورہ کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی مہنگے ہوٹلوں میں ٹھہرتا ہے، سب سے مہنگی شیمپین پیتا ہے اور پاکستانی سفیر جب اس کی انگلی کے ایک اشارے پر ناچنے لگتے ہیں تو وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ قصوری کو آخر کار وہ ''شفقت'' مل ہی گئی جس کے لیے وہ ان برسوں میں خواہش کرتا رہا ہے۔ یقینی طور پر یہ اس شخص اور اس کے خاندان پر ایک بدنما دھبہ ہے اس نے اپنی روح شیطان کے ہاتھ فروخت کر دی لیکن وہ فیصلے کی گھڑی سے بچ نہیں سکے گا۔

www.bhutto.org

اٹھارہواں باب

افواہ:

''مارشل لاء انتظامیہ نے مسٹر بھٹو پر مارشل لاء عدالتوں میں مقدمہ نہیں چلایا اور اس طرح اس نے معمول کے عدالتی طریق کار میں مداخلت سے احتراز کیا ہے۔''

حقیقت:

مارشل لاء انتظامیہ کو چیئرمین بھٹو کو قتل کرنے کی اس قدر جستجو ہے کہ اس مقصد کے لیے اس نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات بنانے کی ہر طرح کی کوشش کی ہے۔ یہ کمزور اور افسوسناک انکار جرنیلوں کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ان کی یہی نااہلی سقوط ڈھاکہ کا سبب تھی اور اس کا انجام ڈھاکہ سٹیڈیم میں بھارتی فاتح جنرل اروڑہ کے ساتھ جنرل نیازی کی بغل گیری کی صورت میں سامنے آیا۔

پاکستانی جرنیلوں کے بارے میں عام لوگوں سے پوچھیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ یہ جرنیل جھوٹ اور دھوکہ دہی کے معمار ہیں غداری کی علامت ہیں اور وطن کو دشمن کے پاس بیچ دینے کو عار نہیں سمجھتے جرنیلوں کے لیے عوام ''بیوقوف'' اور ''جاہل'' ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کے لیے کیا بہتر ہے۔ جنرل ضیاء نے جو مقدمات تیار کیے ہیں ان کے بارے میں اس نے جو قلابازیاں کھائی ہیں شاید وہ انہیں بھول جانے کو ترجیح دیتا ہے لیکن عوام کے لیے ان باتوں کو بھول جانا آسان نہیں ہے۔ ایک برس سے بھی کم عرصہ پہلے کی بات ہے جب جنرل ضیاء نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو دھمکی دی تھی کہ ان کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمے چلائے جائیں گے۔ وہ بین الاقوامی اور اندرونی ردعمل کے پیش نظر ایسا نہیں کر سکا۔ اس کے دو بدقماش اور جلاد ساتھیوں مولوی مشتاق حسین اور انوار الحق نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہ کام عدالتی کارروائی کے پردے میں مکمل کر دیں گے۔ جنتا کے سربراہ اور اس کے چیف جسٹس نے فیصلہ کیا کہ مسٹر بھٹو کو راستے سے ہٹانے کے لیے

www.bhutto.org

عدالتی کارروائی کا ڈھونگ ہی رچایا جائے اور یہ کام اس لیے بھی آسان ہو گیا تھا کہ استغاثہ کی شہادتیں مارشل لاء کی ''حفاظتی نظر بندی'' میں تھیں اور مارشل لاء کی پوری قوت استعمال کر کے ان پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کے بیانات لیے جا سکتے تھے۔ جنرل ضیاء نے عدالتی طریقہ کار ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اس لیے کہ عدالتیں اس کے انگوٹھے کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ جنتا کے رویہ اور سوچ کی بنیاد ہی دھوکہ دہی، دغابازی اور دورنگی پر رکھی گئی ہے اور ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے وکیلوں کے ساتھ عدالت میں جو غیر انسانی سلوک کیا گیا اور انہیں جو اذیت دی گئی، اسے سن کر بڑے سے بڑا بے شرم آدمی بھی شرمندگی سے نہیں بچ سکتا۔ جہاں گشتی سفیروں کو پوری دنیا میں یہ پراپیگنڈہ کرنے کے لیے بھیجا گیا کہ ''مقدمہ منصفانہ'' طریقے سے اور مارشل لاء کی ''مداخلت'' کے بغیر چلایا جا رہا ہے وہاں بھٹو خاندان اور ان کے ساتھیوں پر مارشل لاء حکام نے ہر روز نیا مقدمہ بنانا شروع کر دیا اور ہر دن گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مصائب میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

یہ کوئی وقت نہیں تھا اور نہ ہی مسٹر بھٹو کے وقار کے مطابق تھا کہ ان پر مصیبتوں کا بوجھ بڑھایا جاتا اس لیے کہ وہ اور ان کا خاندان ایک بہت بڑے بحران کا سامنا کر رہے تھے۔ بہر حال یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان پر جس قدر بھی مصائب لادے گئے، انہیں جس قدر شدید بحران میں مبتلا کیا گیا، انہوں نے اس کا مردانہ وار اور پُر وقار طریقے سے مقابلہ کیا اس بحران کا مزا پارٹی کارکنوں اور اخبارات نے بھی چکھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے لیے مزید مصائب بچا کر رکھے گئے ہوں۔ ان کی قسمت اور ان کا مستقبل عوام اور خدائے بزرگ و برتر کے ہاتھ میں ہے۔

جنتا کا یہ غیر اخلاقی اصرار قابل مذمت ہے کہ وہ قصوری کیس میں مداخلت نہیں کر رہی جبکہ مسٹر بھٹو کے وکیل صفائی کے ساتھ انتہائی شرمناک سلوک کیا گیا۔

موکل کا اپنے وکیل کے ساتھ تعلق بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس تعلق کی بنیاد اعتماد اور بھروسہ ہوتی ہے۔ موکل اپنے لیے وکیل کا انتخاب اس کی قابلیت اور دیانتداری کو دیکھ کر کرتا ہے۔ موکل کو اپنے منتخب کیے ہوئے وکیل پر اعتماد کرنا ہوتا ہے۔ وکیل کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر اور سنجیدگی کے ساتھ کیا جاتا ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ موکل کی موت اور زندگی کا مسئلہ سامنے ہو تو یہ انتخاب اور زیادہ سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ موکل کی کوشش ہوتی ہے کہ بہترین شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے۔ ایسی صورتحال میں موکل کے مکمل اطمینان کے مطابق وکیل چنا جاتا ہے۔ یہ انتخاب ذاکر

www.bhutto.org

کے انتخاب سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کو تو علاج کے دوران تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ایسے خطرناک مقدمے میں وکیل کو بدلنا یا اسے ذہنی انتشار کا شکار کرنے کا مطلب موت کو آواز دینا ہوتا ہے۔

کراچی جیل میں جب سابق وزیراعظم کو لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ کی طرف سے ان کی ضمانت کی منسوخی اور مقدمے کی سماعت کا نوٹس دیا گیا تو انہوں نے کراچی کے ممتاز فوجداری وکیل مسٹر محمد حیات جونیجو سے درخواست کی کہ وہ انہیں کراچی جیل میں ملیں۔ جب سابق وزیراعظم نے مسٹر جونیجو سے ان کا مقدمہ لڑنے کے لیے کہا تو وہ فوری طور پر تیار ہو گئے۔ تاہم پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے مسٹر جونیجو کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان پر مقدمہ ہاتھ میں نہ لینے کے لیے دباؤ پڑ سکتا ہے یا اس بات کا امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ درمیان ہی میں انہیں مقدمہ چھوڑ دینے کے لیے مجبور کیا جائے۔ انہوں نے واضح طور پر مسٹر جونیجو سے پوچھا کہ کیا وہ دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے مسٹر جونیجو سے کہا کہ اگر انہیں ذرا بھی شک ہے تو وہ مقدمہ ہاتھ میں لینے سے پہلے ہی اس کا اظہار کر دیں۔ مسٹر جونیجو کی یقین دہانی پر انہیں وکیل کر لیا گیا۔ مسٹر جونیجو نے کہا تھا کہ وہ ہر قسم کے دباؤ کا سامنا کر لیں گے اور ٹرائل کورٹ اور بعد میں یہاں تک کہ اپیل میں بھی ان کی وکالت کریں گے۔ اس مکمل یقین دہانی کے بعد ہی پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے مسٹر محمد حیات جونیجو کو اپنی ضمانت، سماعت اور ٹرائل کے لیے سینئر کونسل مقرر کیا۔

مسٹر جونیجو نے لاہور ہائی کورٹ میں درخواست ضمانت پر بڑی مہارت کے ساتھ دلائل پیش کیے۔ ہر شخص قانون سے متعلق ان کے علم اور ان کی کارکردگی سے متاثر تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مطمئن تھے کہ ان کا بہتر طور پر دفاع کیا جائے گا۔ ضمانت کی منسوخی کے بعد مسٹر جونیجو نے سابق وزیراعظم کے ساتھ ایک موقع پر کوٹ لکھپت جیل میں ملاقات کی اور دوسری ملاقات انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ کراچی میں ان کی رہائش گاہ پر کی۔

اس کے بعد مسٹر جونیجو اچانک غائب ہو گئے۔ وہ نہ تو اپنی کراچی رہائش گاہ پر ملتے اور نہ ہی دادو میں ان کا پتہ چلایا جا سکا حالانکہ وہ خود کو ''خاندانی دوست'' کہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں غائب ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس کا سبب ہر کوئی جانتا ہے۔ بہرحال نہ تو یہ وقت اس پر بحث کرنے کا ہے اور نہ ہی دودھ بلونے سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے ہدایت کی تھی کہ مسٹر جونیجو کو شرمندہ نہ کیا جائے حالانکہ انہوں نے وعدے کے باوجود

www.bhutto.org

چیئرمین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔

یہ حقائق صرف اس لیے پیش کیے گئے ہیں کہ اس انتہائی بحران کے وقت میں ایک دوسرے حوالے سے ان کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل، پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور بلوچستان سے پارٹی کے مرکزی نائب صدر مسٹر یحییٰ بختیار مسٹر جونیجو نہیں ہیں۔ وہ کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ وہ آزادی کے لیے لڑنے والے اور قائداعظم کے زبردست پیروکار رہے ہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ قائداعظم انہیں بے پناہ چاہتے تھے اور مادر ملت محترم فاطمہ جناح کو ان پر مکمل اعتماد تھا۔ وہ ایک اصول پرست اور بہادر انسان ہیں اور ملک کے ایک مایہ ناز وکیل ہیں۔ انہوں نے مسٹر جونیجو کی طرح نہ تو چیئرمین کا دفاع کرنے کے لیے کوئی فیس وصول کی اور نہ ہی سپریم کورٹ میں سماعت یا دوسرے الزامات میں ان کا دفاع کرنے کے لیے کوئی فیس طلب کی۔ انہوں نے چیئرمین کے خاندان کے کسی بھی رکن کا دفاع کسی فیس کے بغیر کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ بھاگیں گے نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ کسی دباؤ میں نہیں آئیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان پر براہ راست دباؤ نہیں ڈالا جائے گا جیسے کہ مسٹر جونیجو پر ڈالا گیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ مسٹر بختیار پر اس قسم کا دباؤ ڈالنا خود ان کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

موقع کی مناسبت سے طریق کار بدل دیا گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے 20 مئی 1978ء سے اپیل کی روز کے روز کی بنیاد پر سماعت شروع کر دی تھی۔ سابق وزیراعظم کے سینئر کونسل مسٹر یحییٰ بختیار نے 20 مئی سے 14 جون تک ہر روز دلائل دیئے تاکہ استغاثہ کا کیس ختم کیا جا سکے۔ ان کی کارکردگی شاندار تھی۔ پوری قوم اور پوری دنیا کی توجہ اس روز کے روز کی کارروائی پر لگی ہوئی تھی۔ سابق وزیراعظم کے سینئر کونسل نے مثالی انداز میں اپنے فرائض انجام دیئے۔ یہ کوئی ذاتی خیال نہیں بلکہ عام طور پر یہی تاثر موجود ہے۔

سپریم کورٹ نے 14 جون کی کارروائی کے بعد سماعت ملتوی کر دی تاکہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جکارتہ میں منعقد ہونے والی ساتویں جوڈیشل کانفرنس میں شریک ہو سکیں۔ اپیل کی دوبارہ سماعت یکم جولائی کو شروع ہوئی۔

ایسے وقت میں جب کہ سماعت پورے زور و شور سے جاری تھی اس میں وقفہ کر دیا گیا اور اس وقفہ کے دوران مسٹر یحییٰ بختیار کے خلاف مہم چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی ایف آئی اے نے، جس نے سابق وزیراعظم کو بندھوایا تھا، 22 جون کو سابق اٹارنی جنرل کا کوئٹہ

www.bhutto.org

میں مارچ 1977ء کے انتخابات میں مبینہ دھاندلی اور دوسری ''بے ضابطگیوں'' کے خلاف بیان ریکارڈ کیا۔ اس قسم کے گھٹیا کام کرنے کے لیے اس سے بہتر وقت اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی وجہ واضح ہے اور مقصد اس قدر صاف ہے کہ خود حکام نے یہ کہہ کر تسلیم کیا کہ ''مسٹر زیڈ اے بھٹو کی سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت کے وقفے کے دوران حکومت نے مسٹر یحییٰ بختیار کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاہم وہ مسٹر بھٹو کے دفاعی کونسل کے طور پر بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے فرائض انجام دے سکیں۔'' (پاکستان ٹائمز 23 جون 1978ء)

اگر حکومت جیسا کہ وہ دعویٰ کرتی ہے، اتنی ہی نیک نیت تھی تو پھر وہ مسٹر یحییٰ بختیار کے خلاف کارروائی کی ابتدا کو اس وقت تک کے لیے ملتوی رکھ سکتی تھی جب تک اپیل کی سماعت مکمل نہ ہو جاتی۔ ایک قابل احترام اور قابل عزت شخص کے لیے اس سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں یا اسے کسی بے ہودہ قسم کے مقدمے میں ملوث کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس تمام تر کارروائی کا مطلب بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسٹر بختیار کی شخصیت کو گھٹایا جائے، ان کے کردار کو آلودہ کیا جائے اور ان کی شہرت کو نقصان پہنچایا جائے۔ مقصد پورا ہوتا ہے یا اس کا الٹا اثر ہوتا ہے، یہ الگ معاملہ ہے۔ انہیں تو اس کوشش کے مقصد اور وقت سے غرض ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام اور بار کی نظروں میں مسٹر بختیار کو گرایا جائے۔ یہ وقت اس لیے منتخب کیا گیا کہ اپیل کے انتہائی مشکل مرحلہ میں ان کے اعصاب کو متاثر کیا جائے۔

مسٹر یحییٰ بختیار بڑے بہادر انسان ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے وقار اور احترام کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہیں۔ اس نکتہ نظر سے مسٹر بختیار کو نقصان پہنچایا گیا۔ وہ کوئی موٹی جلد والے انسان نہیں اور نہ ہی ان کی کھال گینڈے کے کھال جیسی ہے۔ ان کی ذات اور اخلاق پر جو گھٹیا حملے کیے گئے، ان سے پریشان نہ ہونا اور ان پر تشویش نہ ہونا ممکن نہیں۔ یہ کہنا کہ ان کے خلاف کارروائی اس لیے نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ ''مسٹر بھٹو کی سپریم کورٹ میں پھانسی کی سزا کے خلاف اپیل میں مسٹر بھٹو کے دفاعی کونسل کے طور پر بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے فرائض انجام دے سکیں'' انتہائی بے ہودہ اور کمینہ حرکت ہے، اور یقینی طور پر مسٹر یحییٰ بختیار جیسا حساس شخص اسے اپنی توہین سمجھنے میں حق بجانب ہے۔ ان کے ذہنی سکون کا خراب ہونا یقینی بات ہے۔ ان کی توجہ کا بھٹکنا یقینی امر ہے۔ اگر وہ اس کا اثر نہ لیتے تو پھر وہ انسان نہ ہوتے ان کے سر پر خطرے کی

www.bhutto.org

تلوار لٹکا دی گئی ہے۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ وہ بد دیانت ہیں۔ ان کی ساکھ اور کردار پر حملے اس لیے کیے گئے کہ وہ استغاثہ کے گواہوں خصوصاً بڑے گواہوں کی بد طینتی اور بد کرداری کو منظر عام پر لا رہے تھے۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ وہ شیشے کے گھر میں رہتے ہیں اور وہ استغاثہ کے گواہوں اور لوئر کورٹس پر پتھر نہ پھینکیں۔ اس لیے کہ دوبارہ سپریم کورٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر جیل حکام کی زیادتیوں کا مسئلہ اٹھایا گیا تھا جن پر سپریم کورٹ نے صحیح فیصلہ دیا تھا کہ سپریم کورٹ اپیل پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہتی ہے اور اس قسم کے مسائل کو عدالت سے باہر ہی بہتر طور پر حل کر لیا جائے تا کہ عدالت کی توجہ اِدھر اُدھر نہ ہو۔ تو کیا مسٹر بختیار کے خلاف کی گئی کارروائی سے ان کی توجہ اصل مسئلے سے نہیں ہٹتی؟ اس وقت جبکہ مسٹر یحییٰ بختیار پوری طرح اپیل کی سماعت میں مصروف ہیں، ان پر ذلیل اور رکیک حملے کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی توجہ اپیل سے ہٹائی جائے جس کا تعلق پاکستان کے اہم ترین شخص کی زندگی سے ہے۔

مسٹر جونیجو کا واقعہ اور اب مسٹر یحییٰ بختیار کے ساتھ پیش آنے والی صورتحال مارشل لاء حکام کی مداخلت کی عکاس ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔

پنجاب پولیس کے سابق انسپکٹر جنرل اور 5 جولائی 1977ء کی فوجی بغاوت سے پہلے وزیراعظم کے سپیشل سیکرٹری مسٹر راؤ عبدالرشید کو مارشل لاء حکام نے 5 جولائی 1977ء کو فوجی بغاوت والے دن ہی گرفتار کر لیا تھا۔ انہیں آٹھ ماہ تک قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اس غیر قانونی حراست کے دوران کئی بار متعدد سول اور فوجی افسروں نے ان سے ملاقاتیں کیں اور پوچھ گچھ کی۔ وہ راؤ صاحب سے یہی کہتے رہے کہ اگر انہوں نے یعنی راؤ صاحب نے سابق وزیراعظم کو غلط طور پر پھانسا ہے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ انہوں نے سپریم کورٹ میں ایک حلف نامہ داخل کیا جس میں اس واقعہ کو کمینگی اور حکومت کی بدنیتی پر مبنی قرار دیا۔ راؤ رشید اپنی اہلیہ کے ساتھ سپریم کورٹ میں روزانہ کی کارروائی دیکھتے رہے اور پھر تین یا چار روز بعد انہیں نظر بندی کے ضابطوں کے تحت گرفتار کر کے اٹک قلعہ بھیج دیا گیا۔ شاید وہ ان کے ساتھ ''اچھا سلوک'' کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اہلیہ کو ان کی راولپنڈی کی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے دونوں دکھائی نہیں دیئے۔

سندھ حکومت میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق وزیر جام صادق علی کو ان کے خاندان سمیت مارشل لا حکام نے فوجی بغاوت کے بعد ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ اب

www.bhutto.org

انہیں قاتل اور مفرور کہا جا رہا ہے اس کی وجہ بہت سادہ ہے اور یہ وجہ ان کے حلفی بیان میں موجود ہے جو انہوں نے پاکستان کی سپریم کورٹ کو لندن سے بھجوایا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جنتا کے اعلیٰ عہدیداروں نے ان کے ساتھ رابطہ قائم کر کے کہا کہ وہ سابق وزیراعظم کو قتل کے مقدمہ میں ملوث کریں۔ انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ اب انہیں مفرور قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک ماہ سے بھی کم عرصہ قبل مارشل لاء کے سیاسی مشیر نے لندن میں جام صادق علی سے ملاقات کی۔ واپسی پر اس مشیر نے وضاحت کی کہ یہ ایک ''معمول کی ملاقات'' تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ حکومت کا سیاسی مشیر ایک ایسے آدمی سے ''معمول کی ملاقات'' کے لیے جاتا ہے جسے قاتل اور مفرور قرار دیا جا چکا ہے۔

لندن میں مقیم ایک اور مفرور غلام مصطفےٰ کھر ہے جو پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کا رکن اور پنجاب کا سابقہ گورنر اور وزیراعلیٰ ہے۔ جام صادق کو تو مارشل لاء لگنے کے فوراً بعد ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی جبکہ مسٹر کھر مارشل لاء کے نفاذ کے تین چار ماہ بعد تک پاکستان ہی میں مقیم رہے۔ انہوں نے جنتا کے بڑوں سے متعدد ملاقاتیں کیں اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے بھی کئی بار خفیہ ملاقات کر چکے ہیں۔ حکومت کی مرضی سے وہ اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ پاکستان سے چلے گئے۔ اب وہ بھی مفرور ہیں۔ انہوں نے بھی لندن سے سپریم کورٹ کو ایک حلف نامہ بھیجا ہے جس میں انہوں نے بھی جام صاحب والی کہانی بیان کی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے رہنما اور چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ان کے خلاف تیار کیے گئے مقدمات میں سے کسی ایک میں پھنسانے سے انکار کر دیا۔

مارشل لاء کی مداخلت کے بارے میں کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے؟ عوام نے کئی مرتبہ بدبودار سازشوں کا سامنا کیا ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں ان سازشوں کی مثال نہیں ملتی۔ کسی رہنما کو اس قدر اذیت نہیں دی گئی جس قدر ہمارے رہنما کو دی جا رہی ہے۔ آنکھوں کی روشنی چھین کر انہیں انصاف دکھایا جا رہا ہے اور سچ کی زبان کاٹ دی گئی ہے۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

انیسواں باب

افواہ:

''نچلی سطح پر عدالتی کارروائی کو انتظامیہ کے دباؤ سے روکنے کے لیے 5 ججوں پر مشتمل فل بنچ (قانون کے تحت دو جج چاہئے ہوتے ہیں) نے مقدمہ کی سماعت کی۔ اس بنچ کی صدارت چیف جسٹس نے کی لیکن اس میں اس جج کو شامل نہیں کیا گیا جس نے ٹرانسفر کا حکم دیا تھا۔''

حقیقت:

مسٹر بھٹو کے خلاف عدالتی کارروائی میں انتظامیہ کی مداخلت کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ یہ بات بے معنی ہے کہ مقدمہ کو نچلی عدالت سے اعلیٰ عدالت میں منتقل کرنے سے انتظامیہ کی مداخلت ختم کر دی گئی تھی۔ ظاہری طور پر ہائی کورٹ میں ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ یہ حقیقت کہ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو چیف الیکشن کمشنر بھی بنا دیا گیا تھا، انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات و فرائض کو ایک دوسرے سے گڈمڈ کرنے کا مزید ثبوت ہے۔ مزید برآں چیف جسٹس مسٹر بھٹو کا شدید مخالف تھا اور مقدمے کی تمام کارروائی کے دوران اس نے مسٹر بھٹو کے خلاف اپنی نفرت اور کمینگی کا اظہار کھلے عام کیا۔ اس کا تعصب اور مخاصمت کارروائی کی ابتدا ہی سے کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ مقدمے کو نچلی عدالت سے ہائی کورٹ میں منتقل کرنے کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مسٹر بھٹو کو ہائی کورٹ میں پہلی اپیل اور بعد میں اگر ضروری ہو تو سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کے حق سے محروم رکھا جائے۔ قانونی روایت کے مطابق مقدمہ کی منتقلی کا حکم دینے والے دو ججوں کو بنچ میں شامل کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ وہ معاملے کو پہلے سے اچھی طرح جانتے تھے۔ انہیں بنچ میں صرف اس لیے شامل نہیں کیا گیا تھا کہ انہوں نے 13 ستمبر 1977ء کو مسٹر بھٹو کو ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔ بنچ میں پانچ ججوں کو شامل کر کے ''اعلیٰ ظرفی'' کی جو داد دکھائی گئی اس کا واحد مقصد اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ مولوی مشتاق کو اس کے خصوصی مشیروں کی حمایت حاصل رہے۔

www.bhutto.org

قانونی طریق کار کی روایت کے برخلاف مولوی مشتاق نے بی بی سی کے نمائندے سمیت غیر ملکی اخبار نویسوں کی ایک پریس کانفرنس بلائی اور انہیں بتایا کہ وہ اس مقدمہ کی سماعت عام قانونی روایات کے مطابق کر رہا تھا اور مقدمے کی سماعت ''دن کی روشنی'' میں کی جا رہی تھی۔ کونسی روشنی اور کونسا دن؟ اب اپیل، جرم میں مولوی مشتاق کے حصہ دار انوار الحق کے پاس ہے۔ انوار الحق اپنی تصنع آمیز بزرگی اور عیارانہ احترام کے باوجود مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف اپنی نفرت کو چھپانے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔

چیف جسٹس انوار الحق سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ مولوی مشتاق کے دیئے گئے فیصلے پر اپنا انگوٹھا لگا دے تو اس کے معاوضے میں اسے صدارت کا عہدہ دے دیا جائے گا۔ اس کام میں اس کی معاونت جسٹس اکرم کر رہا ہے جو اس امید پر زندہ ہے کہ انوار الحق کے بعد چیف جسٹس کی کرسی پر اسے متمکن کیا جائے گا۔ انوار الحق کا دوسرا معاون جسٹس چوہان ہے جسے صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے لاہور ہائی کورٹ سے ترقی دے کر سپریم کورٹ میں لایا گیا ہے۔

اپنے مختصر لیکن مضبوط قائم مقام دور صدارت میں انوار الحق نے سی ایس پی افسروں کے ایک اجتماع کو بتایا کہ ''اگر پاکستان کو بچانا ہے تو بھٹو کو ختم کرنا ضروری ہے۔'' ایک جرات مند سی ایس پی افسر نے کھڑے ہو کر پوچھا ''جناب! آپ یہ بات قائمقام صدر کی حیثیت میں کہہ رہے ہیں یا چیف جسٹس کی حیثیت میں کہہ رہے ہیں؟'' انوار الحق نے فوراً جواب دیا ''میں یہ بات صدر کی حیثیت سے چیف جسٹس اور پاکستان کے ایک شہری کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں۔''

مسٹر بھٹو کے خلاف اس قدر شدید نفرت اور تعصب کے ساتھ انوار الحق کو بنچ میں بیٹھنے اور مسٹر بھٹو کی سزائے موت کے خلاف اپیل سننے کا کوئی حق نہیں۔ چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے انوار الحق سے دو مرتبہ کہا ہے کہ وہ اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ کی صدارت نہ کرے۔ مسٹر بھٹو کی دونوں درخواستیں، جو مسترد کر دی گئیں، اگلے باب میں پیش کی جا رہی ہیں جو ان وجوہ کو بیان کرتی ہیں کہ انوار الحق کو اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ کی صدارت کیوں نہیں کرنی چاہیے تھی۔

www.bhutto.org

بیسواں باب

کانفیڈنشل
مسٹر جسٹس انوار الحق
چیف جسٹس آف پاکستان اور
صدر پاکستان راولپنڈی
جناب!

لاہور ہائی کورٹ نے مجھے جو سزائے موت اور سزائے قید دی ہے، اس کے خلاف میری اپیل سپریم کورٹ آف پاکستان میں، جس کے آپ چیف جسٹس ہیں، زیر غور ہے۔ میں یہ درخواست کوٹ لکھپت جیل لاہور کی موت کی کوٹھری سے لکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں فوقیت کے اعتبار سے یہ جائز اور مناسب ہے۔ میں یہ درخواست بہت سوچ بچار کے بعد لکھ رہا ہوں۔ درخواست بہت سادہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ 20 مئی 1978ء کو جب میری اپیل سماعت کے لیے آئے تو آپ سپریم کورٹ کی صدارت نہ کریں۔ میری اس درخواست کی وجوہ درج ذیل ہیں:

1- آپ نے آئین میں چھٹی ترمیم پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا جسے پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا۔ اسی ترمیم کے مطابق آپ کے پیشرو کے عہدہ کی میعاد میں توسیع ہوئی جس کے نتیجے میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے پر آپ کی ترقی میں تاخیر ہوئی۔ جی ہاں! آئین میں دیئے گئے طریقہ کار کے مطابق پارلیمنٹ کے ذریعے آئین میں یہ ترمیم کی گئی اور قائد ایوان کی حیثیت سے میں اس ترمیم کا ذمہ دار تھا۔ آپ اب بھی آئین کو اس سرزمین کا اعلیٰ ترین قانون قرار دیتے ہیں تاہم آپ اپنے اس بیان کی تردید اپنے اس فیصلے میں کر دیتے ہیں کہ ایک فرد واحد جسے عوام کی طرف سے کوئی اختیار نہ ہو، اپنی مرضی کے مطابق آئین میں ترمیم کر سکتا ہے۔ آپ نے اسے (جنرل ضیا کو) یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ آئین کی شکل مکمل طور پر تبدیل کر دے بلکہ اسے کھرچ ڈالے، اسے ختم کر

www.bhutto.org

دے۔ یہ آپ ہی ہیں جنہوں نے اسے انتہائی آمرانہ طور پر غیر معینہ عرصہ کے لیے عوام کے ساتھ جوابدہ ہوئے بغیر ملک پر حکمرانی کرنے کی سند دی ہے۔ آپ نے اس شخص کو اس لیے یہ اختیار دینا ضروری سمجھا تا کہ وہ آئین کی چھٹی ترمیم کو اگلے روز منسوخ کر دے جب آپ کے پیشرو نے سپریم کورٹ کی صدارت کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کو چیلنج کرنے کی بیگم نصرت بھٹو کی پٹیشن کو سماعت کے لیے منظور کیا تھا۔ اس آئینی ترمیم کی منسوخی نے اسے یہ اختیار دیا کہ وہ انتہائی مکروہ طریقے سے آپ کے پیشرو مسٹر جسٹس محمد یعقوب علی کو چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے سے ہٹا دے اور ان کی جگہ آپ کا تقرر کر دے۔ ایک چیف جسٹس اپنے ہی زیر صدارت بنچ پر کس قدر اثر انداز ہو سکتا ہے اس بات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ نے بنچ کی صدارت سنبھالنے کے فوراً بعد اس بنچ کے اس فیصلے کو منسوخ کر دیا جو چار روز قبل اسی بنچ نے مسٹر جسٹس یعقوب علی کی صدارت میں دیا تھا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ملک کی مختلف جیلوں سے نکال کر پٹیشن کی سماعت کے لیے راولپنڈی لایا جائے۔

آپ کے چیف جسٹس کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے، سپریم کورٹ کے ججوں نے، مجھے یقین ہے، نیا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تھا جو آئین کو معطل کر دینے والے نے تیار کیا تھا۔ لیکن آپ کے چیف جسٹس کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد سپریم کورٹ کے تمام ججوں نے نیا حلف اٹھانے پر رضامندی ظاہر کر دی بس کا سم جنرل ضیاء الحق نے دیا تھا۔

آپ کی تقرری پر جو ریفرنس منعقد کیا گیا اس میں آپ نے میرے دور حکومت میں ہونے والی آئینی ترامیم پر میری انتظامیہ کو ہدف تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ اس سے میرے خلاف آپ کی شدید ناراضگی عیاں ہو جاتی ہے۔ آپ نے ضیاء الحق کے لیے اپنی شکر گذاری کا اظہار کیا کہ اس نے جسٹس یعقوب علی کو ہٹا کر آپ کو چیف جسٹس مقرر کیا۔ بیگم نصرت بھٹو کی پٹیشن پر آپ نے فیصلہ دے کر جنرل ضیاء کی طرف سے اپنی تقرری پر سپاس گذاری کا کھل کر اظہار کیا ہے اور یہ فیصلہ درحقیقت وہ معاوضہ ہے جو آپ نے جنرل ضیاء کو دیا۔ اس فیصلے کی رو سے جنرل ضیاء کو قوم کا محافظ، اس کے مارشل لاء اور فوجی بغاوت کو نظریہ ضرورت کے تحت جائز قرار دے دیا گیا اور اس کے اس اختیار کی تصدیق کر دی گئی ہے کہ وہ ایک شخصی پارلیمنٹ کے طور پر آئین میں ترمیم کر سکتا ہے۔ آپ اس کو

www.bhutto.org

آئینی میں ترمیم کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے کہ اس اختیار کے بغیر وہ چھٹی آئینی ترمیم کو ختم یا منسوخ نہیں کر سکتا تھا۔ اس ترمیم کی منسوخی ہی نے چیف جسٹس کے عہدے پر آپ کی تعیناتی کو اور مسٹر جسٹس یعقوب علی کی برخاستگی کو ممکن بنایا ہے۔

4- ایک بار پھر، چوتھی جیورسٹس کانفرنس کے موقع پر جس کا افتتاح جنرل ضیاء الحق نے کیا تھا، آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں میری حکومت پر نکتہ چینی کرنا مناسب سمجھا۔

5- اسی سال 23 اور 24 جنوری کو کراچی میں بار ایسوسی ایشنوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے سرعام اور انتہائی سخت الفاظ میں میری حکومت اور میری پارٹی پر تنقید کی۔ آپ وکیلوں کو ہدایت کرنے میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ آپ نے ان سے کہا کہ وہ لوگوں کو ''تعلیم'' دیں تاکہ آئندہ وہ میرے اور میرے ساتھیوں جیسے افراد کو اقتدار میں نہ لائیں۔ (جناب! اپنے اطمینان کی خاطر آپ اپنے ان خطابات کے مسودے ریڈیو پاکستان سے لے کر چیک کریں اس لیے کہ اخبارات نے آپ کی مکمل تقریروں کو شائع نہیں کیا تھا۔ میرے خیال میں آپ کی کراچی کی تقریروں کے ٹیپ بعض افراد کے پاس بھی موجود ہیں۔)

6- آپ اور لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس مشتاق حسین بہت برسوں سے ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں اور آپ دونوں ہی بڑھ چڑھ کر مارشل لاء حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس بارے میں دو آرا نہیں ہو سکتیں۔

7- آپ نے اس وقت جبکہ میری اپیل سپریم کورٹ میں زیر غور ہے، جنرل ضیاء کی اس پیش کش کو قبول کرنے میں ذرہ برابر تردد نہیں کیا کہ وہ آپ کو پاکستان کا قائمقام صدر مقرر کر دے گا۔ کیا اس سے بھی نظریہ ضرورت کے تحت گریز نہیں کیا جا سکتا تھا؟ ایسے نازک وقت میں جب پورے ملک پر مارشل لاء کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، آپ کا صدر مملکت بن جانا اور انتظامیہ کے ساتھ پوری طرح اپنی شناخت کرانا میری اپیل کے زیر غور ہونے کے دوران اپنے آپ کو انتظامیہ کا مکمل حصہ بنانا صدر کے عہدے اور چیف جسٹس کے عہدے کو ایک دوسرے میں آئینی طور پر ملانا نہیں تو اور کیا ہے ریاست کے دونوں اداروں کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے، چاہے یہ عارضی ہی کیوں نہ ہو، آپ نے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ہائی کورٹ نے مجھ پر جس طرح مقدمہ چلایا ہے، جنرل

www.bhutto.org

ضیاء الحق نے اسے منصفانہ اور جائز قرار دیا ہے حالانکہ میں نے اپنی اپیل میں اس کی مزاحمت کی ہے، اس کی صداقت پر اعتراض کیا ہے اور سپریم کورٹ کو ابھی ان سوالات کا جائزہ لینا ہے۔ اس نے اس وقت مجھے ''قاتل'' کہا تھا جب میرا مقدمہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت تھا۔ اب تاخیر کے بعد وہ دنیا کے لیڈروں کہ کہتا ہے کہ وہ اسے میری سزائے موت کو ختم کرنے کے انتظامی اختیارات کو استعمال کرنے سے روکنے کی اپیلیں نہ کریں اس لیے کہ ابھی معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ اگرچہ اس انتظامی اختیار کا سپریم کورٹ میں زیر غور اپیل سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے باوجود اسے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ میرے خلاف جھوٹے مقدمے کے بارے میں تعصب نہ برتے اور اس کا پہلے ہی فیصلہ نہ سنائے جبکہ ابھی یہ اعلیٰ عدالت میں زیر غور تھا۔

اس لیے میری اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ میں نہ بیٹھ کر آپ پاکستان، عدلیہ اور خود اپنی خدمت کریں گے۔ آپ ججوں کا انتخاب نہ کر کے بلکہ فل کورٹ کو ایڈ ہاک ججوں سمیت اپیل کی سماعت کی اجازت دے کر ملک اور عدلیہ کی خدمت کریں گے۔ فل کورٹ کو اسی طرح کام کرنا چاہیے جس طرح بیگم نصرت بھٹو کی مارشل لاء کے خلاف پٹیشن کے وقت اس نے کیا۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ خود ہی میری اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ کی صدارت کرنے سے اوپر دیئے گئے غیر متنازعہ اور جانے پہچانے حقائق کے پیش نظر احتراز کریں گے۔ میں آپ کو یہ خط لکھنے پر اس لیے مجبور ہوا ہوں کہ ابھی تک ایک بھی ایسی علامت سامنے نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ آپ میرے مقدمے سے متعلق اپیل کی سماعت سے خود کو علیحدہ رکھیں گے۔

7 مئی 1978ء

(ذوالفقار علی بھٹو)

اپیل کنندہ

ڈیتھ سیل۔ ڈسٹرکٹ جیل۔ کوٹ لکھپت۔ لاہور

www.bhutto.org

اکیسواں باب

28 جون 1978ء

مسٹر جسٹس انوار الحق

چیف جسٹس آف پاکستان

سپریم کورٹ۔ راولپنڈی

بذریعہ: سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ جیل، راولپنڈی

جناب عالی!

24 جون 1978ء کو پاکستان کے اخبارات نے آپ کے ایک انٹرویو سے متعلق رپورٹ شائع کی ہے جو آپ نے ایک انڈونیشی اخبار روزنامہ ''سنار ہاریپان'' کو دیا تھا۔ اس رپورٹ کو سرکاری ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی وژن نے بھی بڑھ چڑھ کر مشتہر کیا تھا۔

(2) لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے بی بی سی کو جو انٹرویو دیا تھا اور ہائی کورٹ میں مقدمے کی سماعت کے دوران ایک اور غیر ملکی اخباری نمائندے کو انہوں نے انٹرویو دیا اس سلسلے میں مَیں نے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف سپریم کورٹ میں ایک درخواست پیش کی میری اس شکایت کے بعد میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ آپ بھی میری اپیل کی سماعت کے دوران ایسا ہی کریں گے۔ اس وقت جب میرے وکیل نے سپریم کورٹ میں مقدمے سے متعلق گذارشات خلاصے کی صورت میں پیش کی تھیں اور اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ قانون کی عام روایات کے مطابق جج صاحبان مقدمے کی نوعیت پر تبصرہ نہیں کرتے یا دنیا میں مقدمے کی سماعت کے صحیح اور جائز ہونے کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے، آپ نے کہا تھا کہ سپریم کورٹ میں میری اپیل دائر ہونے کے بعد کچھ غیر ملکی صحافیوں نے لاہور میں آپ سے آپ کا انٹرویو کرنے کی درخواست کی تھی۔ آپ نے بتایا کہ آپ ان سے ملے لیکن آپ بے حد محتاط تھے کہ اپیل کے کسی

www.bhutto.org

بھی پہلو پر کوئی بات نہ کریں۔

(3) اس لیے توقع کی جاتی تھی کہ ایک غیر ملک میں جہاں متعدد ممالک سے آئے ہوئے قانون دان جمع ہوئے تھے، آپ کہیں زیادہ احتیاط برتیں گے لیکن اس کے برعکس آپ نے پاکستان کے چیف جسٹس کی حیثیت سے اپنے اعلیٰ عہدے کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا بلکہ آپ وہاں مختار کل بن گئے اور آپ نے پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیاسی ترجمان کی حیثیت اختیار کر لی۔

(4) جیسا کہ پاکستان ٹائمز راولپنڈی کی 24 جون 1978ء کی اشاعت میں رپورٹ کیا گیا ہے؟ آپ نے کہا کہ

''مسٹر بھٹو کے ساتھ بدسلوکی سے متعلق مسٹر جسٹس انوار الحق نے جو تردید کی اخبار نے (غیر ملکی اخبار) اُسے شائع کیا۔ انہوں نے (مسٹر جسٹس انوار الحق نے) مزید کہا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کبھی ان کے (مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے) عزیزوں کو جیل میں ان سے ملاقات کرنے سے نہیں روکا۔''

آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت کے چار ہفتوں کے دوران مجھ سے بدسلوکی کا سوال سپریم کورٹ میں، جس کی صدارت آپ کر رہے تھے، اٹھایا گیا تھا۔ عدالت نے اس میں مداخلت کی اور حکام کو مناسب احکامات جاری کیے تھے۔ حکام نے عدالت کے ساتھ وعدے کے باوجود بدسلوکی جاری رکھی اور اس معاملے کو بار بار عدالت میں اٹھانا پڑا۔ مارشل لاء حکومت کی نظر میں جس کے لیے آئین کے بنیادی تقاضوں سے انحراف روز کا معمول بن چکا ہے جیل مینوئل بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا تھا اور روایت پر عمل کرنا ان کے لیے سب سے زیادہ اہم بن چکا تھا۔ اسی برس قبل برطانوی راج نے جو قواعد وضوابط بنائے تھے، ان کی سختی اور کرختگی سے انحراف قابل برداشت نہیں' چاہے یہ قواعد وضوابط بنیادی حقوق اور قیدیوں کے ساتھ سلوک سے متعلق اقوام متحدہ کے منشور کی شدید خلاف ورزی ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ میں نے کسی بھی مرحلہ پر اس خواہش کا اظہار نہیں کیا کہ میرے ساتھ دوسرے پاکستانی قیدیوں کی نسبت مختلف سلوک کیا جائے اور نہ ہی میں نے خود کو قانون سے بالاتر سمجھا لیکن جیل میں جس طریقے سے مجھے رکھا گیا ہے، جو نام نہاد حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں اور جس طرح مجھے بے عزت اور بے وقار کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں غیر جانبدارانہ تحقیقات کا ہونا ضروری ہے۔ دنیا میں کسی

www.bhutto.org

بھی جگہ کسی قیدی کو ''اس قدر توجہ'' کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ جیل مینوئل پر عمل درآمد کرنے اور اپنی مرضی استعمال کرنے کے سلسلے میں جیل حکام کو مجبور و بے بس کر دیا گیا ہے۔ وہ وہی کچھ کرنے پر مجبور ہیں جس کا حکم انہیں فوجی افسر دیتے ہیں اور یہ فوجی افسر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت ہیں۔ ملکی قانون کے تحت فوجی حکام کو جیل حکام کے اختیارات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ کیا میری ہی طرح کے دوسرے قیدیوں کی حفاظت کے انتظامات کو یہ فوجی حکام نظر انداز کر دیتے ہیں؟ مجھے بار بار یہ باور کرایا جاتا ہے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں لیکن اس کے باوجود میرے ساتھ دوسروں سے ''کہیں زیادہ سلوک'' کیا جاتا ہے۔ فوجی حکام کی کوششیں یہ رہی ہیں کہ میری قوت ارادی کو توڑا جائے اور میں ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دوں لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے حالانکہ انہوں نے جسمانی طور پر مجھے کسی حد تک ضرور ختم کر دیا ہے۔

(5) آپ نے یہ کہہ کر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا دفاع کیا ہے کہ انہوں نے میرے عزیز و اقارب کو مجھ سے جیل میں ملنے سے نہیں روکا۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ دنیا کا کون سا ملک ہے جہاں موت کی سزا پانے والے قیدی کے قریب ترین مرد اور خاتون رشتہ داروں کو طویل مدت کے لیے حفاظتی نظر بندی کے قوانین کے تحت قید رکھا گیا ہو جیسا کہ میرے معاملے میں کیا گیا ہے۔ جیل مینوئل کی روایت کے مطابق رشتہ داروں اور دوستوں کو موت کی سزا پانے والے قیدی کے ساتھ ہفتے میں کم سے کم ایک بار ملاقات کی اجازت ضرور دی جاتی ہے۔ تاہم یہ جیل سپرنٹنڈنٹ کی مرضی ہے کہ وہ ہفتے میں ایک سے زائد بار ملاقات کرنے کی اجازت دے دے۔ میری اہلیہ اور بیٹی کو جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی نظر بندی میں ہیں، کبھی کبھار ہی ہفتہ میں ایک بار مجھ سے ملوانے جیل لایا جاتا ہے۔ میری ہمشیرہ کو متعدد درخواستوں کے باوجود دس ماہ کے عرصے کے دوران صرف دو بار مجھ سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ میرے دوسرے رشتہ داروں کو ایک بار بھی مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی حالانکہ انہوں نے اس مقصد کے لیے متعدد درخواستیں بھی دیں۔ اس کے باوجود آپ نے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے میرے عزیزوں کو مجھ سے جیل میں ملنے سے کبھی نہیں روکا۔

(6) یہ بھی رپورٹ کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ

''مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمے کا پاکستان کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔'' یہ بیان

www.bhutto.org

دے کر آپ نے 20 مئی 1978ء کو میری اپیل کی سماعت کے پہلے روز میرے وکیل کی طرف سے اٹھائے جانے والے اس سوال پر پہلے ہی فیصلہ دے دیا ہے کہ

''یہ ایک جھوٹا، من گھڑت مقدمہ ہے جس کا محرک سیاسی ہے۔ یہ مقدمہ بین الاقوامی سازش ہے جس کا نشانہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بنایا گیا۔ انہیں 5 جولائی 1977ء کو اقتدار سے ہٹایا گیا اور انہیں سیاسی و جسمانی طور پر ختم کرنے کے لیے قتل کی سازش کے اس جھوٹے مقدمے میں پھنسایا گیا ہے۔''

اس بارے میں تفصیلی دلائل میرے وکیل نے ابھی دینے ہیں۔ اس سے پہلے وہ اس مقدمہ میں استغاثہ کی کہانیوں کے بارے میں اپنا موقف بیان کریں گے۔ یہ کہانیاں وہ ہیں جو ریکارڈ میں موجود ہیں جسے ٹرائل بنچ نے تیار کیا ہے۔ میرے وکیل کا موقف سننے سے قبل چیف جسٹس جو سپریم کورٹ کے نو ججوں کے بنچ کی صدارت کر رہے ہیں، غیر ملک میں کیسے یہ بات کہہ سکتے تھے کہ میرے خلاف مقدمہ کا پاکستان کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا چیف جسٹس نے ایسا کہہ کر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور استغاثہ کی حمایت نہیں کی؟ یکم مارچ 1978ء سے اب تک چار ماہ گزر چکے ہیں اور ملک میں سیاسی سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں اور یہ سب کچھ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے پیش نظر کیا گیا۔ یہ فیصلہ 25 جون 1978ء کو سنایا گیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کہا تھا کہ یہ پابندی آئندہ دو تین ماہ تک رہے گی اس کا واضح مقصد یہی تھا کہ اس دوران سپریم کورٹ میں میری اپیل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ میرے ہزاروں حامیوں کو سیاسی وجوہ کی بنا پر جیلوں میں بند کر دیا گیا اور انہیں انتہائی بے رحمی کے ساتھ کوڑے مارے گئے۔ گذشتہ بارہ ماہ کے دوران چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تمام تر توجہ مجھ پر اور میری پارٹی پر مرکوز رہی ہے۔ یہ رائے غیر جانبدار مبصروں کی ہے۔ اس کے باوجود آپ کا یہ کہنا ہے کہ میرے مقدمہ کا پاکستان کی سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

''چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے لیے یہ کیوں ضروری تھا کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر سے چلا کر کہے کہ ''میں قاتل تھا'' اور اس طرح لاہور ہائی کورٹ میں زیر سماعت میرے مقدمے پر اثر انداز ہو اور میرے خلاف تعصب پیدا کرے۔''

مارشل لاء کے جبر و دہشت کے سائے میں کس طرح دہشت زدہ، خوفزدہ اور نظر بند سرکاری ملازمین تصدیق کر سکتے تھے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر غلط تھا؟ کس طرح کوئی شخص

www.bhutto.org

عدالت پر اعتماد کر سکتا ہے جبکہ عدالت بار بار ایک ملزم کے وکلاء کو توہین عدالت کے تحت سزا دینے کی دھمکیاں دے رہی ہو اور دوسری طرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے ہونے والی توہین عدالت کو نظر انداز کر رہی ہو؟ ایسی عدالت پر کوئی کیسے اعتماد کر سکتا ہے؟ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ملک کا سابق صدر اور وزیر اعظم جو عوام کا مقبول ترین رہنما ہو اور جس کا احترام تمام مسلمان ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک کرتے ہوں، قانون سے بالاتر نہیں ہے لیکن ایسا کیوں ہے کہ فوجی حکمران جس نے اپنی قوم اور پوری دنیا سے کیے گئے وعدوں کو کئی بار توڑا ہو، قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے؟

(7) پاکستان ٹائمز اپنی رپورٹ میں کہتا ہے کہ

''اخبار کہتا ہے کہ چیف جسٹس کے مطابق عدلیہ اور انتظامیہ میں کوئی تعلق نہیں ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کبھی بھی سپریم کورٹ کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔''

مجھے یاد دہانی کرانے کی ضرورت نہیں کہ اس ملک کے عوام اس حقیقت کو جواب پاکستان کی تاریخ کا المناک حصہ بن چکی ہے، فراموش نہیں کر پائیں گے کہ پاکستان کے چیف جسٹس کو فوری طور پر ان کے عہدے سے نکال دیا گیا تھا۔ جنہوں نے صرف ایک روز قبل سپریم کورٹ کے اس بنچ کی صدارت کی تھی جس نے مارشل لاء کے جواز کو چیلنج کرنے کی بیگم نصرت بھٹو کی پٹیشن سماعت کے لیے منظور کی تھی۔ ان کے جانشین کی حیثیت سے کیا آپ اس اصرار کو صحیح ثابت کر پائیں گے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے سپریم کورٹ کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی؟

(8) یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ اس مقدمے کے مدعی احمد رضا قصوری کی بکواسیات جسے حال ہی میں حکومت نے اپنے خرچ پر امریکہ اور کینیڈا بھیجا ہے اور جو وہاں پاکستانی سفارت خانوں کی طرف سے ترتیب دیئے گئے اجلاسوں میں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو صحیح قرار دینے کے لیے تقریریں کرتا پھر رہا ہے اور جنہیں پاکستانی اخبارات شہ سرخیوں کے ساتھ باقاعدگی سے شائع کرتے ہیں، اسی قسم کی ہیں جس قسم کی گفتگو پاکستان کے چیف جسٹس نے جکارتہ میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفاع میں کی اور جس میں انہوں نے اس حقیقت کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی کہ پاکستان کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا جا رہا ہے اور جھوٹے اور بے بنیاد مقدمے کے پیچھے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیاسی محرکات ہیں۔ حالانکہ یہ مقدمہ

www.bhutto.org

پوری دنیا میں ایک بہت بڑا اسکینڈل بن چکا ہے۔

(9) انڈونیشیا کے دورے کے دوران آپ نے میری اپیل کے بارے جو بیانات دیئے انہیں ہمارے ہاں کے سرکاری ذرائع ابلاغ نے خوب مشتہر کیا۔ بہرحال ذرائع ابلاغ نے سپریم کورٹ میں ہونے والی کارروائی کی تشہیر روک دی حالانکہ ہائی کورٹ میں استغاثہ کے موقف کو کئی ماہ تک ان ذرائع ابلاغ نے خوب تشہیر دی۔ میرا خیال تھا کہ جونہی میرا وکیل اپنے دلائل ختم کرے گا اور استغاثہ اپنا جواب دینا شروع کرے گا تو ذرائع ابلاغ اس کی تشہیر دوبارہ شروع کر دیں گے۔ کیا یہی وہ قانون میں برابری ہے جس کی بار بار مجھے یاد دہانی کرائی جاتی ہے؟ کیا یہ باور کرانے کے لیے مزید کسی شہادت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ میرے خلاف اس مقدمے کا تعلق پاکستان کی سیاست کے ساتھ بہت گہرا ہے؟

(10) میں نے اوپر جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ میں نے اپنی 7 جولائی 1978ء کی درخواست میں کہا تھا، ان کے پیش نظر واقعاتی منطق مجھے ایک بار پھر آپ سے یہ درخواست کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ آپ اس بنچ کی صدارت نہ کریں جو میری اپیل کی سماعت کر رہا ہے۔ میرے لیے اس کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے کہ میں اس بات پر یقین کر لوں کہ آپ مارشل لاء حکومت کے ساتھ اپنی پہچان کرانے میں بہت دور نکل چکے ہیں اور آپ میری اپیل کا فیصلہ غیر جانبداری کے ساتھ اور تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہیں کر سکیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو

اپیل کنندہ

موت کی کوٹھری۔ ڈسٹرکٹ جیل۔ راولپنڈی

www.bhutto.org

بائیسواں باب

افواہ:

''دس سال پہلے جب ایوب خان مسٹر بھٹو کے پیچھے پڑ گیا تھا تو مسٹر بھٹو نے لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر جسٹس مولوی مشتاق ہی سے، جو اب چیف جسٹس ہیں اور قصوری کیس کی سماعت کرنے والے بنچ کی صدارت کر رہے ہیں، انصاف حاصل کیا تھا۔''

حقیقت:

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف شدید تعصب پر منتج ہونے والی مولوی مشتاق کی نفرت کا آغاز 1965ء میں ہوا۔ ہوا یہ کہ ڈھاکہ میں ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں جب بنیادی حقوق کے بل پر بحث ہو رہی تھی تو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اس وقت وزیر خارجہ اور مولوی مشتاق مرکزی سیکرٹری قانون تھے۔ مولوی مشتاق دانشمند اور مقبول وزیر خارجہ سے حسد کرتے تھے۔ اس سے ایک دوسرے وزیر نے فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کے درمیان غلط فہمی کی خلیج پیدا کر دی۔

مولوی مشتاق نفسیاتی پیچیدگیوں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے آدمی ہے۔ وہ خواہش کے باوجود اپنے پس منظر کو فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت ہر وقت اسے پریشان رکھتی ہے کہ جالندھر میں اس کے باپ کی گوشت کی دوکان تھی اور وہ ایک قصاب کا بیٹا ہے۔ جب مولوی مشتاق جالندھر سے پاکستان آیا تو اسے امید تھی کہ وہ پاکستان میں کوئی اعلیٰ عہدہ حاصل کر لے گا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ اس کا تعلق بڑی آبادی والے صوبے پنجاب سے تھا اس لیے حکومت میں اسے جلد ہی کوئی اعلیٰ عہدہ مل جائے گا۔ لیکن اسے اس کی بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے ایک اقلیتی صوبے یعنی صوبہ سرحد کے رہنے والے صدر کے سامنے ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے اقلیتی صوبے کے رہنے والے وزیر خارجہ کے سامنے بھی سارنگی بجانا پڑی۔ مولوی مشتاق نے کبھی بھی قومی یکجہتی کے بارے میں نہیں سوچا۔ وہ طبعاً شدید صوبائیت پرست ہے۔ یہی وہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ وہ

www.bhutto.org

ایک اولوالعزم نوجوان، سندھ کے ایک بڑے جاگیردار خاندان سے تعلق رکھنے والے ذہین شخص اور عوام کے محبوب رہنما سے نفرت کرنے لگا۔ مولوی مشتاق کی یہی علاقائی سوچ تھی جو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے نفرت کی بنیادی وجہ ہے۔ مسٹر بھٹو لوگوں کے پاس براہ راست گئے۔ اور اُن کے ساتھ ان کے مسائل پر بات چیت کی اور ان کے مسائل کے حل پیش کیے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام نے بہت بھاری اکثریت میں مسٹر بھٹو کے حق میں ووٹ دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام نے مسٹر بھٹو کو اپنا رہنما تسلیم کیا۔ مولوی مشتاق نے فوجی حکومتوں کے ساتھ سازشیں کر کے سرکار میں اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مولوی مشتاق کو حقیر جانتے ہیں اور عوام اسے مسترد کرتے ہیں۔ عوام کی طرف سے مسٹر بھٹو کی شاندار پذیرائی اور مولوی مشتاق کو مسترد کرنے کے عمل نے مولوی مشتاق کے اندر مسٹر بھٹو کے خلاف پرانے حسد کو ہوا دی۔ قصوری قتل کیس میں یہ حسد کھل کر اس وقت سامنے آیا جب مولوی مشتاق نے صوبائیت کے تعصب میں مبتلا ہو کر قومی یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ مولوی مشتاق نے کھل کر کہا کہ وہ سندھیوں سے نفرت کرتا تھا اور یہ بات اس نے انتہائی مکروہ انداز میں کہی تھی۔ اپنے اس صوبائیت پرستانہ نکتہ نظر کی وجہ سے مولوی مشتاق کو ایک سابق صدر اور وزیراعظم جو صوبہ سندھ سے تعلق رکھتے ہیں، کے فیصلے میں شامل ہونے کا کوئی حق نہیں تھا۔ عوام کے عظیم رہنما اور وزیراعظم کے خلاف مولوی مشتاق کی نفرت کی یہ محض ایک وجہ ہے۔ ورنہ اور بہت سی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

مولوی مشتاق کے نفسیاتی عوارض کو جانتے ہوئے ہی صدر ایوب خاں نے جان بوجھ کر 1968ء میں مسٹر بھٹو کی حبس بیجا کی پٹیشن کا فیصلہ دینے کے لیے اسے منتخب کیا تھا۔ یہ پٹیشن مسٹر بھٹو کی ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بندی کے خلاف دائر کی گئی تھی۔ سماعت کے پہلے روز مولوی مشتاق کھلی کچہری میں مسٹر بھٹو کے ساتھ بھڑ گیا تھا۔ یہ کھلی کچہری مولوی مشتاق کے سٹائل کے عین مطابق لاہور کیمپ جیل میں خفیہ طور پر منعقد کی گئی تھی۔ جس عرصے کے دوران سماعت ہوتی رہی ملک بھر میں ایوب خاں کے خلاف زبردست مظاہرے شروع ہو گئے، اور صورتحال اس قدر گھمبیر ہو گئی کہ مولوی مشتاق کو یقین ہو گیا کہ اس کا والی وارث اب حکومت سے نکلنے ہی والا ہے۔ چنانچہ وہ مسٹر بھٹو کی پٹیشن کی سماعت قانون کے مطابق کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس صورتحال کے پیش نظر ایوب حکومت نے مسٹر بھٹو کے خلاف نظر بندی کے احکامات واپس لے لیے۔

قصوری کیس کے دوران مولوی مشتاق بار بار اس بات پر اصرار کرتا رہا کہ اس نے

www.bhutto.org

جنوری 1969ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پٹیشن کی سماعت ''ایمانداری'' سے کی تھی۔ جیسے انوار الحق ''صبر کے ساتھ سماعت'' کو بڑی نوازش اور عنایت سمجھتا ہے اور اسے ملزم کا حق نہیں جانتا، اسی طرح مولوی مشتاق مقدمے کی سماعت ''ایمانداری'' سے کرنے کو ملزم کا حق نہیں سمجھتا بلکہ اپنی طرف سے اسے نوازش اور عنایت و کرم قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ''ایماندارانہ سماعت'' جج کا بنیادی فرض نہیں ہے۔

دسمبر 1971ء میں جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے تو مولوی مشتاق نے ان کے ساتھ ملاقات کی۔ مولوی مشتاق نے صدر بھٹو سے کہا کہ اس انتہائی بحرانی دور میں انہیں عدلیہ کی مکمل حمایت کی ضرورت ہے۔ مولوی مشتاق کا مطلب واضح تھا اور وہ یہ کہ اسے لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بنا دیا جائے۔ اور اس کے معاوضے میں حکومت کے لیے کسی قسم کی مشکلات پیدا نہیں کی جائیں گی۔ صدر پاکستان جانتے تھے کہ مولوی کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ ایک سیاسی جج ہے۔ وہ جانتے تھے کہ مولوی مشتاق ایک ایسا شخص ہے جو عدلیہ کا لباس پہن کر درحقیقت مالی اور سیاسی میدان میں اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ ریکارڈ میں اس کے بارے میں واضح طور پر بددیانت اور سیاسی جج کے ریمارکس موجود ہونے کے پیش نظر مولوی مشتاق کو لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بنانے کے لیے دو مرتبہ نظر انداز کیا گیا۔ یہ کہنا بیکار ہے کہ اس کی جگہ دوسروں کو چیف جسٹس بنانے کے فیصلے نے مولوی مشتاق کو اس شخص کا مزید مخالف بنا دیا جس سے وہ پہلے ہی حسد کرتا تھا۔ مولوی مشتاق نے اس حقیقت کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس نے واضح طور پر کہا کہ اس کے خیال میں ''اس شخص بھٹو'' کو ہٹا دیا جانا چاہیے۔ آئینی اور جمہوری طریقوں سے نہیں بلکہ ''اس کے سر میں گولی مار کر'' اسے اقتدار سے ہٹا دینا چاہیے۔

مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد مولوی مشتاق کو بیک وقت دو تاج پہنچائے گئے اسے لاہور ہائی کورٹ کا قائم مقام چیف جسٹس (مقدمے کی سماعت کے دوران مستقل چیف جسٹس) بنایا گیا اور ساتھ ہی چیف الیکشن کمشنر بنا دیا گیا۔ خیال یہ ہے کہ مولوی مشتاق نے جنرل ضیاء کو بھی عدلیہ کی مکمل حمایت کا یقین دلایا ہوگا بالکل اسی طرح جس طرح دسمبر 1971ء میں اس نے مسٹر بھٹو کو یقین دہانی کرانے کی کوشش کی تھی۔ قصائی کے اس بے شرم بیٹے نے بندوق کی گولی کو پھانسی کے پھندے کے ساتھ تبدیل کر لیا اور چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمے کے فیصلے میں بیٹھنے پر اصرار کیا۔ مولوی مشتاق عوام کے رہنما کو موت کی سزا سنانے کے بعد اب عوام کی جماعت

www.bhutto.org

کو پاکستان دشمن کہہ کر اسے ختم کرنے پر تُلا ہوا ہے اور یہ حرکت وہ چیف الیکشن کمشنر کی حیثیت سے کر رہا ہے۔ مولوی مشتاق جیسا فانی انسان یہ نہیں سمجھتا کہ عوام کے رہنما اور عوام کی جماعتوں کو جرنیل کے دلال لوگ کبھی ختم نہیں کر سکتے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان کا کون ہے اور عوام کی مرضی کو کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ آج عوام کے خلاف فیصلے کرنے بیٹھے ہیں آنے والے کل کو ان کا فیصلہ عوامی عدالت میں ہوگا۔ تاریخ کے عمل کو پیچھے نہیں لے جایا جا سکتا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران مولوی مشتاق نے کھلی کچہری میں بدتمیزی کا اور غیر انسانی رویہ اختیار کیا۔ مولوی مشتاق نے جس عدالتی قتل کا اقدام کیا ہے اس کے بارے میں پوری دنیا میں حیرت کا اظہار ہی نہیں کیا جا رہا بلکہ مولوی مشتاق اور پاکستان کی عدلیہ پر لعن طعن کی جا رہی ہے۔ مسٹر بھٹو کے خلاف مولوی مشتاق کی نفرت اور اس کے تعصب کو پوری دنیا اچھی طرح جان گئی ہے۔

جب سابق وزیر اعظم کو عدالت کے تعصب پر بات کرنے کا موقع ملا تو مولوی مشتاق اور اس کے منتخب کردہ ''ساتھیوں'' نے عدالتی کارروائی کو بند کمرے میں منتقل کر دیا۔ انصاف کے مسخرہ پن کی وضاحت چیئرمین نے خوب طریقے سے اپنے لفظوں میں کی ہے انہوں نے کہا کہ ''استغاثہ کے تمام تر مقدمے میں جب استغاثہ کے گواہ، جن پر زبردست تشدد کیا گیا تھا جھوٹی شہادت دے رہے تھے تو مقدمے کی سماعت بند کمرے میں نہیں کی گئی۔ لیکن اب جبکہ میری باری آئی ہے کہ 342 کریمنل پروسیجر کوڈ کے تحت بیان دوں، تین ماہ تک خود تیار کی گئی شہادتیں دلوانے کے بعد میری جرح کرنے کی باری آئی۔ جب میں نے بتانا شروع کیا کہ مجھ پر کیسے کیسے مظالم کیے گئے اور جب میری یہ بتانے کی باری آئی کہ مقدمے کی سماعت کیوں ایمانداری سے نہیں ہوگی تو اس وقت حکم دے دیا گیا کہ عدالت کو تمام لوگوں سے خالی کرا دیا جائے۔ کیا یہ حق صرف میرے لیے ہی ہے کہ جب میں حق کہنے لگوں تو کارروائی کو خفیہ قرار دے دیا جائے''؟

''تم اسے حق کہتے ہو؟ تم اسے مقدمے کی کارروائی کہتے ہو؟ اس بات کو بھول جاؤ کہ میں پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم رہا ہوں۔ بھول جاؤ کہ میں ملک کی سب سے بڑی پارٹی کا رہنما ہوں۔ ان سب باتوں کو بھول جاؤ۔ لیکن یہ بات تو ذہن میں رکھو کہ میں اس ملک کا ایک شہری ہوں اور میں قتل کے ایک مقدمے کا سامنا کر رہا ہوں۔ ایک عام شہری کو اور میں خود کو ایک عام شہری سمجھتا ہوں، انصاف دینے سے انکار نہیں کیا جاتا لیکن جو کچھ میرے ساتھ کیا جا رہا ہے یہ سراسر انصاف سے انکار ہے یہ انصاف کی توہین ہے۔''

www.bhutto.org

''مجھے بار بار یہ یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ میں بھول جاؤں کہ میں پاکستان کا سابق صدر اور وزیراعظم ہوں۔ مجھے اس یاد دہانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے میں یہ کہوں گا کہ جس طریقے سے میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے جس طریقے سے میرے خاندان کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور جو سلوک میرے دوستوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے اس کے بعد مجھ سے بار بار یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں قید تنہائی میں نظر بند تھا۔ ساتھ والی کوٹھریوں میں پینتالیس نیم پاگل لوگ بند کیے گئے تھے۔ تین ماہ تک وہ راتوں کو چیختے چلاتے رہے۔ وہ مجھے سونے نہیں دیتے تھے۔ اس معزز عدالت سے جو ہائی کورٹ کے پانچ معزز ججوں پر مشتمل ہے، میں توقع کرتا تھا چند ایک ان ججوں سے کہ وہ اس معاملے کا جائزہ لیں گے۔ میری بیوی پر لاٹھیاں برسائی گئیں اور ان کی کھوپڑی توڑ دی گئی۔ فطری بات تھی کہ اس روز میں سخت پریشان تھا اور اس واقعہ کے بارے میں مَیں نے یہیں سنا تھا۔ جب میں مسٹر اعوان کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو میں نے ایک لفظ استعمال کیا جس نے معزز چیف جسٹس کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اسے بتایا کہ ''مائی لارڈ میں اس روز بہت پریشان تھا۔'' میں نے انہیں آرام کے ساتھ وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن اس معزز چیف جسٹس نے کیا کہا؟ ''مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم پریشان ہو'' اور پھر اس نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو حکم دیا کہ ''جب تک یہ شخص اپنے حواس میں نہ آجائے اسے یہاں سے لے جاؤ۔'' میں نے ایسا کونسا لفظ بول دیا تھا اور وہ لفظ بھی میں نے اپنے وکیل سے کہا تھا اور یہ وہی لفظ تھا جسے قائداعظم عام طور پر بولا کرتے تھے۔ قائداعظم نے متعدد بار ''لعنت بھیجو'' (ڈیم اٹ) استعمال کیا تھا۔ اس لفظ میں کونسی ناشائستگی یا بے ہودگی ہے؟ فاضل چیف جسٹس اس عدالت میں کہانیاں بیان کر سکتے ہیں، وہ برائیوں کے بارے میں قصے بیان کر سکتے ہیں۔ وہ طوائفوں اور دلالوں کے قصے بیان کریں تو وہ سب ٹھیک ہے لیکن جب میں اپنے وکیل سے کہوں ''لعنت بھیجو'' تو یہ عدالت گرجا بن جاتی ہے۔ یہ میری پیاری بیوی کی تصویر ہے۔ اس کے خون کا کچھ حصہ شہباز قلندر کی چادر کو اور خون کا کچھ حصہ داتا دربار کی چادر کو سرخ رنگ کر گیا ہے۔ مائی لارڈز۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں نے یہ تشدد اور یہ دکھ درد اپنے ملک کے لیے برداشت کیا ہے۔''

مولوی مشتاق نے بند کمرے کی سماعت کے دوران چیئرمین کے بیان کو عام کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ روزانہ اخبارات کو پریس ریلیزیں جاری کرتا تھا جن میں اعتراف جرم کرنے

www.bhutto.org

والیے تین ملزموں کی جھوٹی اور غیر فطری کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ مولوی مشتاق نے چیئرمین کی وہ پٹیشن بھی مسترد کر دی جس میں انہوں نے مولوی مشتاق پر تعصب کا الزام لگایا تھا۔ یہ پٹیشن مخالف پارٹی کو نوٹس دیئے بغیر ہی خارج کر دی گئی لیکن یہ تو پٹیشن سے متعلق مولوی کی ناانصافیوں کا صرف دسواں حصہ ہے ابتدائی طور پر چیئرمین کی طرف سے پٹیشن سپریم کورٹ میں دائر کی گئی تھی جس میں قائمقام چیف جسٹس پر تعصب اور جانبداری کا الزام لگایا گیا تھا اس لیے کہ چیف جسٹس کمشنر کی حیثیت سے اس نے پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف انتہائی متعصبانہ الزامات عائد کیے تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے قصوری کیس کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی مولوی مشتاق کے متعصب رویے پر سخت اعتراضات کیے تھے۔ سپریم کورٹ میں مولوی کے جالندھری بھائی انوارالحق نے قرار دیا کہ پٹیشن ٹرائل بنچ کے سامنے پیش کی جائے تاکہ اپنے ہی تعصب کے بارے میں فیصلہ بھی وہ خود ہی دے۔ مولوی مشتاق نے اس پٹیشن کو جب مسترد کر دیا تو اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس پٹیشن کے ساتھ دستاویزی ثبوت بھی لگائے گئے تھے لیکن مولوی مشتاق نے اسے مسترد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اس نے ''پورا پورا انصاف'' کیا ہے۔

سپریم کورٹ نے یہ کہہ کر مسٹر بھٹو کو ان کی بعد والی پٹیشن واپس لینے پر مجبور کر دیا کہ چونکہ مقدمہ کی کارروائی شروع ہو چکی ہے اس لیے مسٹر بھٹو کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ فیصلے سے پہلے یا بعد میں پٹیشن داخل کریں۔ یہ کہنا ہی بیکار ہے کہ مسٹر بھٹو دوبارہ پٹیشن داخل کرانے کے لیے آزاد تھے۔

چیف جسٹس اور ٹرائل بنچ کے شدید تعصب کے کبھی ختم نہ ہونے والے واقعات نے دفاع کے وکیل کے لیے ضروری کر دیا کہ دہشت کے چیمبر المعروف لاہور ہائی کورٹ میں ہونے والی انصاف کی عصمت دری کے خلاف ایک اور پٹیشن داخل کی جائے۔ مولوی مشتاق نے اپنے سٹار چیمبر ہی میں پٹیشن مسترد کر دی اور حکم دیا کہ اسے کسی بھی شکل میں شائع نہ ہونے دیا جائے۔ مولوی مشتاق نے چیئرمین بھٹو کو خود ان کے اپنے بیان کی نقول دینے سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ کارروائی بند کمرے میں ہو رہی تھی چنانچہ مسٹر بھٹو بند کمرے میں سماعت کو چیلنج کرنے کے لیے سپریم کورٹ میں نہ جا سکے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ لاقانونیت کی محض چند ایک مثالیں ہیں۔ انتہائی لاقانونیت کے واقعات کے پیش نظر مقدمہ باطل ہو جاتا ہے۔ یہ غیر قانونی ہے۔ یہ انصاف دینے سے واضح انکار ہے۔ یہ مقدمے کا قتل ہے، قتل کا مقدمہ نہیں۔

www.bhutto.org

تیئیسواں باب

افواہ:

''پاکستان کی خاموش اکثریت، جو بھٹو کے دور اقتدار میں چھ برس تک بھیانک خواب دیکھتی رہی ہے، چاہتی ہے کہ قانون اپنا راستہ اختیار کرے۔ غیر ملکی اپیلوں کی وجہ سے لوگوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا ہے۔ غیر ملکی ریاستیں جنہوں نے معافی کی اپیلیں کی ہیں، نہیں جانتیں کہ پاکستان کے عوام قانون کی عملداری کا احترام کرتے ہیں۔''

حقیقت:

اذیت پسند، غیر منتخب، ناپسندیدہ اور جواب دہی سے مبرا حکومت کی طرف سے سنگدلانہ، اور بے رحمانہ، غیر مہذب اور غیر انسانی سزاؤں کے بعد پاکستان کے عوام کو اس وقت اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا جب ان کے ''سزا یافتہ'' رہنما کی جان بچانے کے لیے غیر ملکی سربراہوں نے اپیلیں بھیجیں۔ غیر ملکی سربراہوں اور ریاستوں کی طرف سے آنے والی اپیلوں نے صرف اور صرف پاکستان کے جرنیلوں میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ گذشتہ تیس برسوں کے دوران ان جرنیلوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ کوئی جنگ جیتنے کے قابل نہیں۔ وہ صرف اپنے ہی لوگوں کو مفتوح بنانے اور انہیں لوٹنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اب وہ عوام کے ایک ایسے سچے رہنما کو قتل کر کے اپنا انتہائی گھناؤنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں، جس نے پاکستان میں ہونے والے ہر عام انتخاب میں، یہاں تک کہ فوجی آمریت کے تحت ہونے والے انتخاب میں بھی زبردست فتح حاصل کی۔ انہیں بنگلہ دیش کے سابقہ پاکستانیوں کی عصمت دری کر کے، انہیں قتل کر کے بھی چین نہیں آیا۔ اب یہ خون کے پیاسے اور بزدل جرنیل ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اس وحشیانہ اور سنگ دلانہ اقدام کا سبب وہ نفسیاتی محرک ہے جس کی جڑیں اس اس ذلت وخواری میں ہیں جو انہیں بھارتی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر حاصل ہوئی۔ پاکستانی فوج کے تمام جرنیل نوے ہزار جنگی قیدیوں کو بھارت کے ہاتھوں میں جانے سے نہ بچا سکے ان کے پاس توپ و

www.bhutto.org

تفنگ تھے لیکن انہیں صرف شراب نوشی اور عورت بازی سے دلچسپی تھی۔ یہ مردار جرنیل، یہ بدبودار جرنیل ڈھاکہ میں بھارتیوں کے سامنے اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو بالکل اکیلے بھارت گئے اور انہوں نے کسی توپ وتفنگ کے بغیر ہی وہ مقصد حاصل کر لیا جو کوئی جرنیل حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نوے ہزار جنگی قیدیوں کو باعزت طور پر وطن واپس لائے، انہیں جنگی جرائم کا سامنا کرنے سے بچالیا جس کا اعلان شیخ مجیب کر رہا تھا۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کرنے کی سازش میں سب سے زیادہ متحرک جرنیل راؤ فرمان علی ہے۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ شیخ مجیب نے مسٹر بھٹو سے کہا تھا کہ اگر جنرل فرمان علی کو ان کے حوالے کر دیا جائے تو وہ یعنی شیخ مجیب تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔ لیکن مسٹر بھٹو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ نوے ہزار جنگی قیدیوں کی رہائی کے واسطے جنرل فرمان ہی کو شیخ مجیب کے حوالے کیا جا سکتا تھا اس لیے کہ جنرل فرمان علی وہ شخص ہے جس نے انسانیت قتل کیا۔ لیکن مسٹر بھٹو کی حکومت نے جنرل راؤ فرمان علی کو شیخ مجیب کے حوالے نہیں کیا اس لیے کہ جنرل کا تعلق پاکستانی فوج سے تھا اور مسٹر بھٹو کی حکومت ایسے ادارے کو جس سے اس کے جرنیلوں نے دغابازی کی تھی، مزید ذلیل وخوار نہیں کرانا چاہتی تھی۔ اب یہی فرمان علی مسٹر بھٹو کو قتل کرنے کی سازش میں سب سے زیادہ متحرک ہے۔ مسٹر بھٹو نے حزب مخالف کے شدید اصرار کے باوجود صرف اس لیے مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کے اسباب سے متعلق حمود الرحمان کمشن کی رپورٹ شائع نہ کی کہ اس سے مسلح افواج کے ادارے کو شدید دھچکا لگے گا۔ مسٹر بھٹو کے اس اقدام پر حزب مخالف نے طرح طرح کی چہ میگوئیاں بھی کیں اور الزامات بھی عائد کیے لیکن ایک ادارے کو تباہی سے بچانے کے لیے مسٹر بھٹو نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ مسلح افواج کے ادارے کو تحفظ دینے کی خاطر جرنیلوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ اگر حمود الرحمان کمشن کی رپورٹ شائع ہو جاتی تو پاکستان کے عوام جرنیلوں کا کچومر نکال دیتے اس لیے کہ اس رپورٹ میں مشرقی پاکستان کے سقوط کی تمام تر ذمہ داری پاکستانی فوج کے عیاش اور شرابی جرنیلوں پر عائد کی گئی ہے۔ مسلح افواج کے ادارے کو تحفظ دینے کی خاطر نیوز ویک کے اس شمارے پر پابندی لگا دی گئی جس میں رپورٹ کے کچھ حصے شائع ہوئے تھے۔ رپورٹ میں ان عورتوں کے ناموں کی تفصیل بھی موجود ہے جن کا تعلق جرنیلوں سے تھا۔ ان عیاشیوں نے قوم کو تباہ کن نتائج سے ہمکنار کیا۔ اس رپورٹ میں ان جرنیلوں کی ہوس، حرص ولالچ اور اس ملک کے غریب عوام کو لوٹنے کی بے انتہا بھوک کا تفصیلی ذکر بھی موجود ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان عیاش جرنیلوں نے کس طرح ملک کی بہترین زمینوں پر

www.bhutto.org

قبضے کیے۔ رپورٹ جرنیلوں کی بد دیانتیوں سے اٹی پڑی ہے۔

1971ء کی ذلت آمیز شکست کے بعد مسٹر بھٹو نے مسلح افواج کی عزت اور وقار کو بحال کیا۔ انہوں نے مسلح افواج کو بہترین لڑاکا قوت بنا دیا کہ کوئی بھی جرنیل اس معاملے میں مسٹر بھٹو کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آج پھر جرنیل شراب نوشی اور عیاشیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ اسلام کا نام لے کر شراب میں غوطہ لگاتے ہیں اور پھر بے رحمی کے ساتھ عورتوں پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ وہ اسلام کے نام پر عوام کا استحصال پھر سے کرنے لگے ہیں۔ وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس ملک کے غریب اور پسے ہوئے عوام کی خواہشوں اور امنگوں کی علامت ہیں۔ وہ ان جرنیلوں کے سب سے بڑے سیاسی حریف ہیں اس لیے ان کا قتل جرنیلوں کے لیے ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دوست ملکوں کی اپیلیں ان جرنیلوں اور ان کی بیویوں کے لیے بے معنی ہیں۔ یہ وہ بدکردار لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کو شاپنگ کرانے کے لیے فالکن طیارے استعمال کرتے ہیں اور انہیں اس ملک کی تنگدستی کی کوئی پرواہ نہیں۔ ان دوست ممالک کی اپیلوں پر ان بدمعاش اور بدکردار جرنیلوں نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن پاکستان کے عوام نے ان اپیلوں کا خیر مقدم کیا ہے اس لیے کہ مسٹر بھٹو کی زندگی کا براہ راست تعلق اس ملک کے عوام کی زندگیوں کے ساتھ ہے۔ پاکستان کے عوام کے دلوں میں قانونی طریق کار کے بارے میں کوئی احترام نہیں ہے اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ پچھلے مارشل لاؤں کی طرح موجودہ جنتا اور عدلیہ کے درمیان ایک غلیظ معاہدہ ہو چکا ہے کہ عوام کے ہر دلعزیز رہنما کو ختم کر دیا جائے اور مفاد پرستوں کو لوٹ مار کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ جنرل ضیاء نے جان بوجھ کر ہزاروں افراد کو جیلوں میں بند کر رکھا ہے تاکہ وہ اپنے عظیم رہنما کی جان بچانے کے لیے سڑکوں پر نہ نکل آئیں۔ جنتا نے جان بوجھ کر ملک بھر میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا رکھی ہے اور کوڑوں کی مدد سے معاشرے کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا ہے کہ اس ملک میں ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ لوگوں کو دہشت زدہ کر کے خاموش کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے عوام اپنی سرحدوں کے پار ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں جو خوشگوار ہواؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ پاکستان کے عوام باہر کے لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ کے اس تاریک ترین لمحے میں کوئی ان کے رہنما کو بچانے کے لیے بولے۔ جنتا اپنی غیر مقبولیت کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ انتخابات کرانے سے انکار کر رہی ہے۔ جنتا اچھی طرح جانتی ہے کہ انتخاب ہوئے تو مسٹر بھٹو اور ان کی پاکستان پیپلز پارٹی کو دوبارہ اقتدار میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

www.bhutto.org

اذیت پسند جرنیلوں کی کوڑوں اور چابکوں کی پالیسیوں اور عوام پر جنتا کی طرف سے ہونے والے ظلم و جبر جنتا کے اس احمقانہ اور غلط پراپیگنڈہ کی نفی کر دیتے ہیں کہ عوام ''قانون کی عملداری'' پر یقین رکھتے ہیں۔ ذیل میں بین الاقوامی رائے عامہ کے کچھ حصے دیئے جا رہے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خیبر سے کیماڑی تک قبرستان کی سی خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے۔

فار ایسٹرن اکنامک ریویو:

''بھٹو پھانسی کے پھندے کو تنگ ہوتا محسوس کرتے ہیں۔ 13 مارچ 1978ء''

''یکم مارچ سے 18 مارچ تک کے عرصے کے دوران پاکستان پیپلز پارٹی کے نچلی سطح تک کے تمام کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی بار سیاسی وجوہ کے باعث خواتین کو جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ ایک خاتون کو اس کے چار ماہ کے بچے سمیت جیل بھیج دیا گیا۔''

''نظر بندی کے چند احکامات میں وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ''چونکہ بھٹو کے مقدمہ کے فیصلے کے اعلان پر تم خراب صورتحال پیدا کرو گے اس لیے.....'' تمام سرکاری عمارتوں اور بنکوں پر خصوصی طور پر تربیت یافتہ محافظ مقرر کیے گئے ہیں۔ بنکوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ''اپنے تحفظ کی خاطر'' خصوصی حفاظتی اقدامات کریں۔ ان مقامات پر سادہ کپڑوں میں فوجی سپاہی تعینات کیے گئے ہیں۔ پہلی بار سٹین گنوں سے مسلح فوجی پولیس کو سڑکوں پر دیکھا گیا ہے راولپنڈی میں فوجی دستے بکتر بند گاڑیوں میں گشت کرتے ہیں۔ بھٹو کے آبائی صوبہ سندھ میں، جہاں سب سے زیادہ گرفتاریاں کی گئی ہیں، فوج ایسے ٹرکوں پر گشت کر رہی ہے جن پر مشین گنیں نصب ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے گرفتار ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے۔

لاہور میں تین روز تک سکیورٹی کی ریہرسلیں کی گئیں تاکہ فیصلے کے وقت شہر میں امن و امان بحال رکھا جا سکے۔

سزا کے اعلان کے بعد، باوجود اس کے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کیا جا چکا تھا، اور شہروں میں مسلح پولیس اور فوجی دستے گشت کر رہے تھے، کراچی سے پشاور تک زبردست احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔

18 مارچ کو پنجاب اسمبلی کے ایک رکن قیوم بٹ راولپنڈی میں مظاہرے میں شامل ہونے کے لیے اپنی خفیہ کمین گاہ سے باہر آئے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور اسی رات انہیں دو سال قید بامشقت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنا دی گئی۔ اگلے ہی روز انہیں کوڑے مار دیئے گئے اور دوسرے لوگوں کی طرح انہیں جیل کے ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔

www.bhutto.org

روزنامہ ٹیلی گراف۔19 مارچ 1978ء

''بھٹو کی سزائے موت کے بعد سکیورٹی کا بحران۔''

مسٹر بھٹو کے ہزاروں حامیوں کو پہلے ہی گرفتار کر کے جیل بھیجا جا چکا ہے۔ ہر قسم کی سیاسی سرگرمی اور اخبارات میں سیاسی بحث پر اس ماہ کے آخر تک کے لیے پابندی لگا دی گئی ہے۔ جنرل ضیاء نے کہا ہے کہ مکمل بلیک آؤٹ میں توسیع بھی کی جا سکتی ہے۔

روزنامہ ٹیلی گراف۔20 مارچ 1978ء

''لاہور میں فساد کو روکنے والی پولیس اور بھٹو کے حامیوں میں تصادم''۔

لاہور میں کل آنسو گیس سے مسلح فساد روکنے والی پولیس اور حکومت کے خلاف مظاہرے کرنے والے لوگوں میں تصادم ہو گیا۔ مظاہرین سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف زبردست احتجاج کر رہے تھے۔

بھٹو مقدمہ کا فیصلہ سنائے جانے کے فوراً بعد بڑے پیمانے پر حفاظتی اقدامات دیکھنے میں آئے، اور کل ہی معلوم ہوا کہ پاکستان میں سب سے زیادہ محترم ریٹائرڈ جرنیل اور بھٹو کے حامی جنرل ٹکا خان کو حکام نے نظر بند کر دیا ہے۔

دی گلوب اینڈ میل۔21 مارچ اور 2 اپریل 1978ء

''مسٹر بھٹو موت کی قطار میں''

''پاکستان اس وقت ہر اعتبار سے ایک انتہائی قسم کی فوجی آمریت کا شکار ہے۔ آمریت کے خلاف عوام کے احتجاج کو بڑے پیمانے پر کی جانے والی گرفتاریوں سے دبا دیا گیا ہے۔ ہر اس شخص کو جس نے حکومت کے خلاف احتجاج کیا یا سیاسی قتل کے الزام میں مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمہ کے قانونی جواز پر نکتہ چینی کی، گرفتار کر لیا گیا اور اسے کوڑے مارے گئے۔ مسٹر بھٹو کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادی کو سرعام زدوکوب کیا گیا اور انہیں مسلسل گھر میں نظر بند رکھا جا رہا ہے۔ مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا ہے۔''

دی اکانومسٹ۔25 مارچ 1978ء

''مسٹر بھٹو کی جان بچانے کے لیے کتنی آوازیں اٹھیں گی؟''

www.bhutto.org

''فوج نے پاکستان پیپلز پارٹی کے کم سے کم ایک ہزار رہنماؤں کو نظر بند کر دیا ہے اور ان مظاہرین کو جنہیں گرفتار کیا گیا ہے کوڑے مارے گئے اور قید کی لمبی سزائیں دی گئیں۔ ایک شخص کو شام سات بجے گرفتار کیا گیا۔ صبح سویرے تین بجے فوجی عدالت نے اس پر مقدمہ چلایا اور سات بجے صبح اسے کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ اسے فوری طور پر کوڑے مار کر ایک سال کے لیے قید بامشقت میں پھینک دیا گیا۔

ڈیلی ٹیلیگراف

''بھٹو کے حامیوں نے کوڑے کھانے کے باوجود حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی کی''

مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمات پر سیاسی غم وغصہ کا اظہار ابھی تک جاری ہے۔ کل ہی بھٹو کے کچھ حامی مظاہرین کو کوڑوں کی سزائیں دی گئیں کیونکہ انہوں نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کی خلاف ورزی کی تھی۔ کوڑے کھانے والے ان لوگوں نے بڑی جرات اور دلیری کے ساتھ تشدد کو برداشت کیا۔ پشاور کے دس نوعمر لڑکوں کو بھٹو کی حمایت میں مظاہرہ کرنے پر نوے کوڑوں کی جو سزا دی گئی، اس کے بارے میں ایک مقامی اخبار لکھتا ہے ''ایک نوعمر لڑکے کو جب کوڑے مارے گئے تو وہ بھٹو سٹائل میں دونوں ہاتھ باندھ کر نعرہ لگاتا ''جئے بھٹو'' اس کے جواب میں باس کھڑے ہوئے تماشائیوں نے بھی بھرپور انداز میں ''جئے بھٹو'' کے نعرے لگائے۔ ڈیوٹی پر موجود افسر نے اس پر بگڑ کر حکم دیا کہ اب جن لڑکوں کو کوڑے مارے جانے ہیں ان کے ہاتھ پیچھے باندھ کر اور منہ میں روئی ٹھونس کر لایا جائے۔

دی سنڈے ٹائمز۔ 9 اپریل 1978ء

''کوڑوں کو حکمرانی''

ضیاء نے کہا ہے کہ چند اور لوگوں کو سرعام پھانسیاں دینے سے ملک میں امن وامان قائم ہو جائے گا۔ اس کی انتظامیہ نے قانون توڑنے والوں کو شدید ترین سزائیں دینے کا عزم کر رکھا ہے۔ اس کا حالیہ اقدام یہ ہے کہ اس نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی میں غیر معینہ مدت تک کے لیے توسیع کر دی ہے۔ سرسری سماعت کی فوجی عدالتوں نے بھٹو کے حامی متعدد مظاہرین کو

www.bhutto.org

ایک ایک سال قید بامشقت اور دس سے پندرہ کوڑوں تک کی سزائیں دی ہیں۔

ایشیا ویک۔7اپریل 1978ء۔

''کیا وہ بھٹو کو پھانسی دے دیں گے؟''

''پورے ملک کے بڑے شہروں اور قصبوں میں بھٹو کی سزا کے خلاف بھٹو کے ہمدرد مارشل لاء احکام کو روندتے ہوئے مظاہرے کرنے سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ان میں سے متعدد کو کوڑوں اور قید کی سزائیں فوجی طور پر دیدی گئیں۔

سزا سنانے سے قبل پیپلز پارٹی کی تقریباً سبھی اہم شخصیات کو یا تو گرفتار کر لیا گیا یا انہیں نظر بند کر دیا گیا۔بھٹو کی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو کو ان کے گھر کی چار دیواری میں محدود کر کے گھر کے چاروں طرف مسلح محافظوں کی ایک بھاری تعداد کو تعینات کر دیا گیا۔بھٹو کی بیٹی، آکسفورڈ کی فارغ التحصیل بےنظیر کو بھی اسی طرح کراچی میں ان کے گھر کے اندر نظر بند کر دیا گیا۔

تمام تر حفاظتی اقدامات کے باوجود راولپنڈی میں سزا کے فیصلہ کے خلاف فوری طور پر خوفناک ردعمل ہوا۔پولیس نے مظاہرین کو گرفتار کر لیا اور انہیں کوڑوں کی سزاؤں کے ساتھ ساتھ ایک ایک سال کے لیے جیلوں میں بند کر دیا گیا۔کوڑے کھانے والوں میں ایک سابق پارلیمنٹرین اور وکیل بھی شامل ہے۔

فار ایسٹرن اکنامک ریو:7اپریل 1978ء

''ضیاء شدید ردعمل سے بچ نکلا''

پاکستان پیپلز پارٹی کی تقریباً پوری کی پوری تنظیم ہی جیل میں بھیج دی گئی۔صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن ملک کی تاریخ میں جتنی گرفتاریاں ہوئیں اس کی مثال نہیں ملتی۔اس ملک کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اس قدر شدید ردعمل نہیں ہوا۔اور نہ ہی کبھی اس قدر منظم حملہ کسی سیاسی جماعت یا سیاسی رہنما پر کیا گیا۔اس کے باوجود اندرون ملک اور پاکستان سے باہر پاکستان پیپلز پارٹی کے ہمدردوں نے اپنی موجودگی کو پوری طرح محسوس کرایا۔سنگاپور، ڈنمارک اور برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں نے بھرپور طریقے پر احتجاج کیا۔پاکستان میں مظاہرین کو سرعام کوڑے مارنے اور طویل قید کی سزائیں دینے کے باوجود خونی مظاہرے ہوئے۔سندھ، صوبہ سرحد اور پنجاب،

www.bhutto.org

جموں وکشمیر کے بھارتی اور پاکستانی دونوں حصوں میں خونی مظاہرے ہوئے۔

ان سات دنوں کے دوران (اپیل دائر کرنے سے پہلے) پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ دو شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ سرکاری عمارتوں پر حملے کیے گئے۔ آبپاشی والی نہروں کے بند توڑ دیئے گئے جس سے وسیع رقبہ میں کھڑی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ ایک درجن سے زائد مقامات پر ریلوے لائنیں اکھاڑ دی گئیں۔ (حالانکہ بارہ ہزار مسلح فوجی ان کی حفاظت کر رہے تھے) سرکاری ٹرانسپورٹ پر حملے کیے گئے اور دوسری متعدد سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ ہر روز لوگوں کو کوڑے مارے گئے۔ بڑی بھاری تعداد میں خواتین ان مظاہروں میں شریک ہوگئیں سکولوں کے بچے اور سینئر طلباء نے بھی مظاہرے کیے۔ اگرچہ عورتوں اور بچوں کو کوڑے نہیں مارے گئے لیکن ایک بارہ سالہ لڑکے کو سزا دی گئی کہ وہ پانچ ہزار روپے جرمانہ ادا کرے یا پھر پانچ ماہ کی قید بامشقت کاٹے۔

سری نگر میں خونی مظاہرے میں پانچ افراد مارے گئے۔ اس مظاہرے کے بعد کشمیر کے بھارتی علاقے کے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں پیدا ہونے والے حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ انہوں نے 1947ء میں کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کا جو فیصلہ کیا تھا وہ درست تھا۔

ضیاء نے تمام محاذوں پر سخت رویہ اپنایا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ سرعام چند مزید پھانسیوں سے ہر چیز درست ہو جائے گی۔ دوسری طرف مظاہروں کے سات روز کے دوران ایک نعرہ ہر شخص کی زبان پر آ گیا کہ ''بچہ بچہ کٹ مرے گا، بھٹو پھانسی نہیں چڑھے گا۔''

دی ڈیلی میل۔ 27 اپریل 1978ء

''جرم اور سزا کی وحشیانہ رسم''

''پہلی بار جب فیصل آباد میں سرعام کوڑے لگانے کے حکم پر دستخط کر دیئے گئے تو پھر اس کام کو پورا کرنے کے لیے صحیح آدمی کی تلاش کا کوئی مسئلہ نہ رہا۔ سنٹرل جیل میں جب رحمت علی سے اس کے سیل میں انہوں نے انٹرویو کیا تو اس کے بعد کوڑے مارنے والے کی تلاش بند کر دی گئی۔ رحمت علی ایک انتہائی اذیت پسند شخص کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اگلے لمحے میں سرور پاکستان کے نئے نظام کی تقریب کا ایک حصہ بننے والا تھا۔ تیرہ سو سالہ پرانی مذہبی سزا میں پوری

www.bhutto.org

طرح یقین رکھنے والا جنرل ضیاء پہلے ہی سرعام کوڑے مارنے، پھانسیاں دینے اور اسلحہ استعمال کرنے کے احکامات دے کر پوری دنیا کو دھچکا لگا چکا تھا۔ گراؤنڈ میں ایک جیلر اور سرور تھا۔ سرور آٹھ فٹ لمبی زنجیر کے آخر میں بندھا ہوا تھا بالکل ایسے جیسے کوئی بڑا کتا ہو۔ انہوں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو شکنجے میں کس کر اس کے سر پر باندھ دیئے۔ سرور کو کوڑے مار کر رحمت علی اپنے نشان پر واپس آیا اور فتح کی خوشی میں ناچنے لگا۔ میجر حیدر پہلے ہی لکھ چکا تھا ''کوڑے مار دیئے گئے'' دوسرے دو قیدیوں نے پورے بارہ کوڑے کھائے۔''

دی ڈیلی میل۔ 28 اپریل 1978ء

''کوڑوں کے پیچھے شخص چائے کے ساتھ''

''آج دل دہلا دینے والے ایجنڈا پر غور ہونا تھا۔ اس نے پاکستان کے لیے سرعام پھانسی دینے، سرعام کوڑے مارنے، اسلحہ کا عام استعمال کرنے اور دوسری وحشیانہ سزائیں تجویز کر کے ملک کو تاریک دور میں واپس دھکیل دیا۔ اس نے کہا'' کیا اس معاملے میں پر بات چیت میرے گھر پر آسانی سے نہیں ہو سکتی؟ وہاں جا کر بات کریں گے۔ پانچ بجے میرے گھر آ جایئے اور میرے ساتھ چائے پیجئے۔''

ڈرائنگ روم میں اندھیرا تھا لیکن جونہی وہ اس کمرے میں بیٹھا اس کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیڈ لائٹس کی طرح چمکنے لگیں۔ اس فضا میں اس کی یہ آنکھیں ہی سب سے زیادہ چمکدار تھیں۔ یہ ایسا کمرہ نہیں تھا جہاں کوئی شخص بیٹھ سکے اور لوگوں کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرے۔ ضیاء کی ہر بات جھوٹی اور پُر فریب تھی۔ جب گفتگو پھانسی پر پہنچی تو وہ اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹا۔ صرف اتنا ہوا کہ اس کی جھکی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھ کر پوری طرح کھل گئیں اور کمرہ میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ، ماہرین اقتصادیات اور خارجہ امور کے ماہرین کو اس کا فیصلہ سن کر ذرہ برابر بے چینی نہیں ہوئی۔ ضیاء نے فیصلہ کیا کہ لوگوں کو ملنے والی پھانسیوں کو ٹی وی پر دکھایا جائے۔ سرعام کسی شخص کو کوڑے مارنا کچھ عجیب لگتا ہوگا لیکن ان میں خوف خدا پیدا کرنا چاہیے۔ آپ کو انہیں بتانا ہے کہ ان کے کیا فرائض ہیں۔'' پھر فوراً ہی جنرل ضیاء کو کچھ خیال آیا اور وہ کہنے لگا ''ہم نے کچھ افراد کو پھانسیاں دی ہیں۔ لیکن ابھی بہت سے بڑے لوگ باقی رہ گئے ہیں۔'' جب ضیاء نے ان بڑے لوگوں میں بھٹو کا نام لیا تو وہ کنکریٹ کی طرح سخت ہو گیا۔ اس کی کوئی بات نہیں کہ وہ کیا سوچتا تھا

www.bhutto.org

لیکن بھٹو کے بارے میں وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں بھٹو کے خلاف سخت نفرت بھری ہوئی تھی بھٹو کے خلاف اس کی نفرت اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ جنرل ضیاء کے پانچ بچوں میں سے ایک بچی کمرے میں آ گئی۔ یہ بچی ذہنی طور پر معذور تھی۔ وہ اسی طرح اٹھ کر چلا گیا۔''

ذہنی طور پر معذور بچی کے باپ نے اس ملک اور اس کے عوام پر طاقت کے زور پر فتح حاصل کی ہے۔ اس نے اپنی وحشیانہ پالیسیوں کے ذریعے عوام کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا ہے اور ان سے ان کے بنیادی انسانی حقوق تک چھین لیے ہیں۔ ضیاء کا پاکستان ایک طویل ڈراؤنا خواب ہے۔ یہ دوپہر کے وقت اندھیرا ہے، تاریکی ہے۔ پاکستان کے عوام مارشل لاء سے پہلے کے دنوں کو واپس لانا چاہتے ہیں جب جمہوریت کا سورج چمک رہا تھا اور جب ان کے محبوب رہنما نے انہیں اندرون ملک وقار اور عزت دی تھی اور اقوام عالم میں پاکستان اور پاکستانیوں کو ایک باعزت مقام دلوایا تھا۔ غریب اور خاموش لوگ ذوالفقار علی بھٹو کے لیے بے چین ہیں۔ وہ اپنے رہنما کے لیے سخت دکھی ہیں۔ وہ بے نام لوگوں کے دلوں میں بستا ہے جن کے لیے اس نے آواز بے حد خوبصورتی کے ساتھ بلند کی اور جن کی بہتری کے لیے اس نے دن رات انتھک جدوجہد کی۔ ذوالفقار علی علی کی تلوار کے ساتھ آیا اور اس نے جہالت اور غربت کی زنجیروں کو توڑ ڈالا۔ جنرل ضیاء نے عوام کو خوفزدہ کرنے کے لیے اپنے ٹینک اور فوجیں استعمال کیں اور لوگوں کو عارضی طور پر خاموش کر دیا۔ لیکن عوام ان کے خلاف ایک بڑی قوت کے ساتھ ضرور اٹھیں گے اور اپنے رہنما کا اس سے پورا پورا حساب چکائیں گے۔ دنیا میں کوئی ایسا میزائل ابھی تک نہیں بنا، کائنات میں کوئی ایسا قلعہ نہیں ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کو اس کے ووٹروں کے دلوں سے دور کر سکے۔ ضیاء کی دہشت اور جبر عارضی طور پر آزادی اور جمہوریت کے راستے کو روک سکتے ہیں۔ بھٹوازم عوام کے خون میں شامل ہے، بھٹوازم ان کے دلوں کی دھڑکن ہے، بھٹوازم اس خوبصورت سرزمین کی خوشبو ہے۔ بھٹوازم ایک چمکتا ہوا اور خوبصورت لفظ ہے جو اس زمین کے لوگوں کی امیدوں اور امنگوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو جو عزت اور احترام اس کے لوگوں اور اس کے خدا نے دیا ہے اسے اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ روشن صبح کو طلوع ہونا ہے، روشن دن کل ضرور آئے گا اور پھر اس دن تاریخ جو فیصلہ دے گی اسے تبدیل نہیں کیا جا سکے گا۔

www.bhutto.org

چوبیسواں باب

افواہ:

''معاہترے کے اہم اور بڑے شعبوں نے زور دیا ہے کہ عدالتی کام میں انتظامیہ قطعاً مداخلت نہ کرے۔''

حقیقت:

یہاں بھی جنتا نے گھٹیا قسم کی دورنگی کے ساتھ دوہرے معیار کو استعمال کیا ہے۔ کسی بھی فرد یا کسی بھی ایک اخبار کو لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی اجازت نہیں اس لیے کہ توہین عدالت کی دھمکی آڑے آتی ہے لیکن جنتا کے شراکت داروں کے لیے نہ تو مقدمہ اور نہ ہی اپیل زیر تجویز سمجھی جاتی ہے۔ انہیں توہین عدالت کی کوئی پرواہ نہیں۔

پاکستان کے دفتر خارجہ نے مسز ایم اے قصوری کے نام سے مقدمہ کی ''راستی'' پر ایک جذباتی اپیل تیار کی ہے۔ اصولی طور پر لاہور ہائی کورٹ کی ''راستی'' یا اس کی بددیانتی کا معاملہ سپریم کورٹ کے معزز ججوں کے سامنے ہے۔ عملی طور پر جنتا اور عدلیہ نے زیر تجویز معاملے کو جائز اور راست کہہ کر پہلے ہی مقدمے کا فیصلہ دے دیا ہے۔ پی این اے میں جنتا کے دلال بار بار بیانات دے رہے ہیں کہ مقدمہ کی ''کارروائی، ایمانداری'' کے ساتھ ہوئی اور انصاف کیا گیا ہے۔ مقبوضہ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے ان بیانات کی خوب تشہیر کی جارہی ہے۔

موت کی سزا کے بعد سے ہر انٹرویو میں جنرل ضیاء نے کہا ہے کہ ''مقدمہ کی سماعت ایمانداری کے ساتھ ہوئی'' اور یہ کہ وہ ''عدالتی کارروائی میں مداخلت'' نہیں کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں ''عظیم ترین کمانڈر'' کے مطابق سابق وزیراعظم کے خلاف لاہور ہائی کورٹ نے موت

www.bhutto.org

کی جو سزا سنائی، وہ درست تھی اور وہ اس بات کا یقین دلائے گا کہ اس سزا پر عمل درآمد ہو۔

لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں جنرل ضیاء نے کہا کہ اگر وہ غیر ملکی اپیلوں کے سامنے جھک گیا تو اسے یہ دوکانداری، یہ کاروبار سب کچھ بند کر دینا پڑے گا جنرل ضیاء کے کچھ مشیر اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے کہیں زیادہ آگے نکل گئے ہیں۔ وہ اس سزا پر عمل درآمد کرانے کے لیے انتہائی گھٹیا الفاظ تک استعمال کرنے سے نہیں چوکتے اور اب ''وزراء'' کور کمانڈر چشتی کے ساتھ مل کر عدالتی کارروائی کو پورا کرنے کا واویلا مچانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ جالندھری چیف جسٹس جو سپریم کورٹ میں بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا ہے، اس معاملے میں کہیں زیادہ آگے نکل گیا ہے۔ 20 جون 1978ء کو جکارتہ میں ایک اخباری انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا کہ ''اس مقدمے میں پاکستان کی سیاسیات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔'' یہ جھوٹ کی انتہا ہے یہ تو انصاف کی دونوں آنکھوں پر پٹی باندھنے اور انصاف کے ترازو کو انڈونیشی سمندر کے پانیوں میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے۔ چلئے بنیادی وجہ نہ سہی، کہ یہ جھوٹا مقدمہ سیاسی وجوہات کی بنا پر ہی تو تیار کیا گیا ہے۔ اس کا تمام تر پس منظر سیاسی ہے۔ اس کے تمام محرکات سیاسی ہیں لیکن پاکستان کا معصوم چیف جسٹس، جو اپیل کی سماعت کر رہا ہے، جب یہ کہتا ہے کہ اس مقدمے کے ساتھ سیاسیات کا کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا کہ وہ کہے کہ جاوا جاپان میں اور سماٹرا اسپین میں ہیں۔ اس لیے واضح ہو جاتا ہے کہ اپیل کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے اور سپریم کورٹ کی کارروائی محض ایک دھوکا ہے۔

سپریم کورٹ جنتا کے ہاتھوں میں ایک ایسا آلہ ہے جسے عدلیہ کے پردے میں قتل کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ بہادر جرنیل مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے آج ریفرنڈم کرانے کی جرات کریں تو پاکستان کے عظیم عوام اپنے باوقار اور قابل احترام رہنما کے حق ہی میں فیصلہ دیں گے۔ اگر خاکی وردیوں میں ملبوس ان بہادر صاحبوں میں پاکستان کے عوام کے دلوں میں جھانکنے کی جرات ہوتی تو وہ ان کے دلوں پر لکھی ہوئی دکھ درد کی کہانی پڑھ لیتے اور جان لیتے کہ پاکستان کے عوام ان جرنیلوں اور ججوں کو واپس جالندھر کی طرف دھکیلنے کی کس قدر خواہش رکھتے ہیں۔

اس فیصلے کی ''راستی'' اور ججوں کی ایمانداری کے بارے میں لوگوں کے جذبات کی صدا

www.bhutto.org

ان ملکوں میں سنی گئی ہے جہاں خوش قسمتی سے اخبارات آزاد ہیں۔ اس مفتوحہ ملک کے بے بس و مجبور عوام تو درحقیقت تشدد والے کیمپ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی رسائی عالمی اخبارات تک نہیں ہوسکتی۔ ہم نے جو کہ چیئرمین کے پیروکار ہیں، اس کا تھوڑا سا حصہ جمع کیا ہے جو غیر ملکی اخبارات میں اس غلیظ مقدمے کے بارے میں شائع ہوا۔ ہم تمام مواد حاصل نہیں کر سکے۔ ہم دنیا بھر کے ریڈیو سنتے ہیں اور ہر ریڈیو سٹیشن اس مقدمے کی مذمت ہی کرتا ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ انگلستان اور یورپ میں ٹیلی ویژنوں نے اس جھوٹے ڈرامے کو پوری طرح ننگا کیا ہے۔ پاکستان کی چار دیواری کے باہر اس مقدمے کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا ہے ہم اس کا ایک بہت ہی مختصر حصہ پیش کر رہے ہیں۔ عالمی سطح پر اس مقدمے کے بارے میں جو واویلا کیا گیا، ہم اس کا ایک حصہ پیش کر رہے ہیں۔

دی ٹورنٹو سٹار 22 دسمبر 1977ء:

''وہ (بیگم بھٹو اور مس بھٹو) اس بات کی قائل ہیں کہ بھٹو کے خلاف قتل کے جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کی واحد وجہ یہ ہے کہ فوج مسٹر بھٹو کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اور پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں موجود متعدد سفارت کار اس بات سے اتفاق کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو بھی یہی لکھا ہے۔''

دی ٹورنٹو سٹار دسمبر 1977ء:۔

جیل میں بھٹو، شہید کی حیثیت سے ایک بار پھر مقبول:۔

''بھٹو پر لاہور ہائی کورٹ میں قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں موجود بہت سے سفارت کار اس الزام کو بڑا بے ڈھنگا قرار دے رہے ہیں۔ گواہ خود اپنی ہی شہادت کی تردید کرتے ہیں۔ شہادتوں کی اکثریت ایسی ہے کہ اسے کوئی بھی مہذب عدالت برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن سفارت کار اس حقیقت سے متفق ہیں کہ فوج نے بھٹو اس وقت ملک کو چلا رہی ہے، عدالت سے کہہ دیا ہے کہ وہ بھٹو کو راستے سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

''..... یہ ایک ایسا المیہ ہے جس میں بھٹو ہیرو اور ضیاء ولن ہے۔ مختصر سا، چھوٹا سا جنرل اپنے انتہائی مریضانہ لیکن وسیع تر مارشل لائی اختیارات کو بھٹو اور اس کے حامیوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔'' جب پاکستان کے چیف جسٹس نے ایک ایسی رولنگ دی جو بھٹو کی

www.bhutto.org

حمایت میں جاتی تھی، تو انہیں فوری طور پر ملازمت سے نکال دیا گیا۔''

اداریہ:۔ بھٹو کا استدلال مارچ 1978ء:

انتخابی تقصیروں اور ایک مشکوک و مشتبہ جرم کے لیے استغاثہ یا مقدمہ اس خفیہ اور متعصبانہ سماعت و تحقیقات کو یقینی طور پر جائز قرار نہیں دے سکتا جس کا بھٹو کو سامنا ہے اور نہ ہی اس مقدمے کے ذریعے اس بات کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء مسٹر بھٹو کو پھانسی دیدے۔

واشنگٹن پوسٹ = بھٹو کی سزائے موت:۔

''ہمیں جو بات سب سے زیادہ تکلیف دے رہی ہے وہ یہ ہے کہ مسٹر بھٹو کا ابھی تک وسیع حلقہ نیابت اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے کہ اس طریقے کار میں سیاست ملوث نہیں ہے جس کے ذریعے مسٹر بھٹو کو ''انصاف'' مہیا کیا گیا ہے۔ مسٹر بھٹو کی تمام حقیقی اور خیالی غلطیوں، کردار کی خامیوں اور پالیسیوں کی خامیوں کا سیاسی جواز موجود تھا اور لوگ اسے سیاسی طور پر جائز اور صحیح سمجھتے تھے۔ مسٹر بھٹو عوام کا انتخاب تھا۔ عوام کی پسند تھا لیکن جرنیلوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں اس لیے ان کے لیے مسٹر بھٹو کے حامیوں کو اس بات پر قائل کرنا ناممکن ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ جائز ہے۔''

دی ڈیلی ٹیلیگراف ..... 19 مارچ 1978ء:۔

بھٹو کی موت کے بعد سیکورٹی کا بحران

''بعض مبصرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کی مقبولیت کے باعث فوجی جرنیلوں میں جو شدید بوکھلاہٹ پیدا ہوئی ہے، اس کے پیش نظر فوجی حکومت اس بات کی یقین دہانی حاصل کرے گی کہ کارروائی کی رفتار کو تیز کیا جائے اور موت کی سزا پر عمل درآمد فوری طور پر کر دیا جائے۔''

نوٹ:۔

اگرچہ جنتا یہ بات کہتے نہیں تھکتی کہ وہ بھٹو کیس کو عام قوانین کے تحت ایک عام مقدمہ کے طور پر چلا رہی ہے لیکن سپریم کورٹ نے پہلے سے دائر کی گئی زیر غور اپیلوں کو چھوڑ کر مسٹر بھٹو کی

www.bhutto.org

اپیل کی سماعت فوری طور پر شروع کر کے غیر معمولی قدم اٹھایا ہے ورنہ معمول کے مطابق مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت کی باری تین سال بعد آتی۔ اس کے علاوہ سپریم کورٹ نے روزانہ سماعت کا فیصلہ بھی کیا اور ہر روز طویل سماعت کے لیے اپنے اوقات کار میں بھی تبدیلی کی۔

دی نیویارک ٹائمز.....20 مارچ 1978ء:۔

''وہ شخص جسے کبھی ایماندارانہ سماعت نہیں ملی''

''(مسٹر یحییٰ بختیار نے کہا) وہ ممالک جو انسانی حقوق کا خیال کرتے ہیں اور خصوصاً امریکہ کو اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔ اس شخص کے مقدمے کی سماعت کبھی ایمانداری سے نہیں کی گئی اور اسے قتل نہیں کیا جانا چاہئے۔''

دی ٹائمز.....20 مارچ 1978ء:۔

بھٹو کی پھانسی روکنے کے لیے برطانوی تحریک کے لیے:۔

''(مسٹر یحییٰ بختیار نے پوری دنیا سے کہا کہ) وہ مارشل لاء حکام کی مدد کے ساتھ ہونے والے عدالتی قتل کے خلاف آواز بلند کریں۔ مسٹر بھٹو کے سابق اٹارنی جنرل نے پاکستان کے سینئر ججوں پر الزام لگایا کہ وہ وردی میں ملبوس حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے اس حلف کا حوالہ دیا جو ان ججوں نے فوری بغاوت کے بعد گزشتہ ستمبر میں اٹھایا۔

دی ٹائمز.....اداریہ.....20 مارچ 1978ء:۔

''وہ شہید ہو جائے گا''

''لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مقدمہ ایک سیاسی مقدمہ تھا اور مسٹر بھٹو کی پھانسی ایک سیاسی اقدام ہوگا جس کے سیاسی اثرات بہت خطرناک ہوں گے۔'' جو بات بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مقدمہ موجودہ حالات کے اندر رہ کر ہی چلایا جا سکتا تھا۔ یہ حالات فوجی بغاوت کے ذریعے مسٹر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے سے پیدا ہوئے۔ یہ حالات فوجی لیڈروں کے اس فیصلے کے نتیجے میں پیدا ہوئے کہ نئے انتخابات کے انعقاد سے پہلے پہلے مسٹر بھٹو کے ساتھ عدالتی طریق کار کے تحت نپٹا جائے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ اس حقیقت کے زیر اثر کیا کہ مسٹر بھٹو کو ابھی تک

www.bhutto.org

زبردست سیاسی حمایت حاصل ہے اور انہیں یہ خطرہ تھا کہ اگر مسٹر بھٹو کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تو وہ ایک بار پھر جیت جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا ہوتا اور مسٹر بھٹو اقتدار میں آ جاتے تو نہ صرف یہ کہ ان کے خلاف مقدمہ چلانے کا سوال ختم ہو گیا ہوتا بلکہ یہ امکان بھی تھا کہ وہ ان فوجی افسروں کے خلاف مقدمہ چلاتے جنہوں نے ان کی حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ اس لیے ہر کوئی جانتا تھا کہ مسٹر بھٹو کو ''مجرم'' قرار دینے کا فیصلہ حکومت کی مرضی کے عین مطابق تھا اور یہی فوجی حکومت چاہتی تھی۔ اس دوران فوجی حکومت نے اپنے خلاف ہر قسم کی سیاسی مخالفت کو طاقت کے ذریعے پوری طرح کچلنے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس لیے عدالت زبردست سیاسی دباؤ کے تحت کام کر رہی تھی۔''

دی گارڈین.....20 مارچ 1978ء:۔

غیر ملکی مدد کے لیے وکیل کی اپیل

''مسٹر بختیار نے کہا کہ ہفتہ کی صبح کو انہوں نے اپنے موکل کے ساتھ مختصر سی ملاقات کی اور پھر انہیں بتایا گیا کہ وہ اپنے موکل کے ساتھ ہفتے میں صرف ایک بار ملاقات کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ مسٹر بھٹو کے پاس سزا کے خلاف اپیل کرنے کے لیے صرف سات دن ہیں، ان کے لیے اپنی قانونی حکمت عملی کو منظم کرنے کو مشکل بنایا جا رہا ہے۔

''پاکستانی تنظیموں کی سٹیئرنگ کانفرنس نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ مسٹر بھٹو کو جو سزائے موت دی گئی ہے اس نے برطانیہ میں رہنے والے پاکستانیوں کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ قانون کا یہ اہم بنیادی اصول ہے کہ انصاف صرف کیا ہی نہیں جاتا بلکہ یہ نظر بھی آنا چاہیے کہ انصاف واقعی ہوا ہے۔ ہماری ایک غیر سیاسی تنظیم ہے لیکن ہم اپنے وطن میں عدلیہ کی آزادی اور جمہوریت کی تباہی پر خاموش تماشائی بنے نہیں رہ سکتے۔ اس لیے ہم مارشل لاء حکام سے التجا کر رہے ہیں کہ وہ اس سزا پر عمل درآمد نہ کریں اس لیے کہ اس سے پیدا ہونے والے شدید بحران کو پاکستان برداشت نہیں کر سکتا۔''

دی گارڈین.....20 مارچ 1978ء:۔

پاکستان اور تباہی و بربادی

''ہفتہ کی صبح کو لاہور ہائی کورٹ نے جو فیصلہ دیا ہے اس میں ہالسبری کی قانونی

www.bhutto.org

موشگافیاں اور بحثیں ٹھونسی گئی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ فیصلہ وہ ہے جو جنرل ضیاء اور اس کے ساتھی چاہتے تھے۔ گواہوں پر دباؤ ڈالا گیا کہ کٹہرے میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولیں۔ اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اصل بات تو سزا ہے جس کی انہیں (ضیاء اور اس کے ساتھیوں) ضرورت ہے اور جو، ان کے نزدیک، ملک کے لیے بہتر ہے۔''

''یہ ہے نئی پاکستانی اخلاقیات''

''مثال کے طور پر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس انوار الحق جو ہوشیار انسان ہے اور جو آکسفورڈ سے فارغ التحصیل آدمی ہے، کے پاس مسٹر بھٹو کے ساتھ نفرت کرنے کی وجوہات ہیں۔ دوبارہ ان کی جگہ اور لوگوں کو چیف جسٹس بنا دیا گیا۔ قانون ساز اسمبلی کے ذریعے آئینی ترامیم کرا لی گئیں۔ اس کے نتیجے میں اب دیکھنا یہ ہے کہ سپریم کورٹ کہاں تک انصاف پسند رہتی ہے بہرحال اس پر بحث ہوتی رہے گی۔

دی پیٹریاٹ.....اداریہ.....20 مارچ 1978ء:۔

''ایسا لگتا تھا کہ ہائی کورٹ بہت جلدی میں تھی اور سزا کا اعلان تقریباً خالی عدالت میں کیا گیا۔ اخبارات کے نمائندوں کو باہر ہی رکھا گیا اور سزا سنانے کے فوراً بعد مسٹر بھٹو کو تیزی کے ساتھ وہاں سے غائب کر دیا گیا۔ یہ کارروائی جنرل ضیاء کے اس دعوے کی حمایت نہیں کرتی کہ اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہا ہے اس کا مقصد اس گندگی کو دور کرنا ہے جو اسے فوج کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے وقت ملی تھی۔''

ایسٹرڈیلی پریس.....نارفوک.....ادارہ.....20 مارچ 1978ء:۔

''ایک خود ساختہ حکومت کے ہاتھوں ایک سیاسی رہنما کا عدالتی قتل، خواہ اس کے محرکات کتنے اچھے کیوں نہ ہوں، کے نتائج اسی طرح بے چینی پیدا کریں گے جس طرح مسٹر بھٹو پر لگائے گئے الزامات سے بے کلی کے حالات پیدا ہوئے تھے۔''

امریتا بازار.....اداریہ.....21 مارچ 1978ء:۔

بھٹو کی سزائے موت

''پاکستان میں موجودہ فوجی حکومت کے خلاف، جو مسٹر بھٹو کی سزائے موت کی ذمہ دار

www.bhutto.org

ہے، مظاہرے ہوئے اور پوری وادی کشمیر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ اس کے علاوہ جموں اور لداخ کے کچھ علاقوں میں بھی ہڑتال کی گئی۔ یہ مظاہرے اور ہڑتالیں مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف احتجاج کے طور پر ہوئیں۔ کشمیر کی ریاستی اسمبلی میں کانگریس کے ارکان نے اس سزا کو ''سیاسی قتل اور جمہوریت کا قتل'' قرار دیا۔''

دی گلوب اینڈ میل..... 21 مارچ 1978ء:۔

بھٹو موت کی قطار میں

''مسٹر بھٹو کو اپنی اپیل کے نتیجے پر جو شک اور وہم تھا، اس پر کسی کو ذرا سی بھی حیرت نہ ہوئی۔ گزشتہ نومبر میں سپریم کورٹ نے ضیاء کی فوجی بغاوت کے جواز کو چیلنج کرنے والی پٹیشن کو خارج کرتے ہوئے نہ صرف یہ اعلان کیا کہ اقتدار پر فوج کا قبضہ ''ضروری آئینی انحراف'' تھا بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ جنرل ضیاء آئین میں ترمیم سمیت ان تمام اختیارات کو بروئے کار لا سکتا تھا جو عام حالات میں قومی پارلیمنٹ کے پاس ہوتے ہیں۔ عدالت نے یہ فیصلہ اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ کی اس یاددہانی پر دیا کہ وہ یعنی عدالت ''بدمزہ'' فیصلہ پر عمل درآمد کرانے کا اختیار نہیں رکھتی۔ بھارت میں سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو اختیارات کے ناجائز استعمال سے باز رکھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ عدالتوں کی ایمانداری اور دیانتداری ہی تھی لیکن پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے جنرل ضیاء کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوئی مثال قائم نہیں کی۔'' بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل کے فیصلے کی تاریخ کے قریبی ہفتوں کے دوران ضیاء حکومت کا رویہ ظاہر کرتا تھا کہ ضیاء کو فیصلے کی نوعیت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

تمام سیاسی سرگرمیوں پر جن میں اس مواد کی اشاعت بھی شامل ہے، جس پر سیاسی ہونے کا شائبہ ہو، پابندی لگا دی گئی تھی۔ حکومت نے بار بار تنبیہہ کی کہ پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بھاری جرمانوں، سات سال قید، بیس کوڑوں یا تینوں سزائیں بیک وقت دی جائیں گی۔ مسٹر بھٹو کی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو اور ان کی صاحب زادی مس بینظیر بھٹو کو علیحدہ علیحدہ گھروں میں قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ انہیں ان کے حامیوں سے الگ کر دیا گیا۔ ایک اخبار کے دفتر پر جس نے بیگم بھٹو کی گرفتاری کی خبر شائع کرنے کی کوشش کی تھی، چھاپہ مارا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگرچہ پاکستان سخت اور آمرانہ حکومتوں کی وجہ سے

www.bhutto.org

جانا جاتا تھا لیکن جنرل ضیاء نے ایک مشکوک مقدمے کے ذریعے عوام کے منتخب وزیراعظم کو پھانسی دے کر جس طرح ملک کی تاریخ پر سیاہی پھیری ہے، اس کی مثال کسی اور دور حکومت میں نہیں ملتی۔ وہ (جنرل ضیاء) اسے پھانسی کہہ سکتا ہے لیکن پوری دنیا اسے قتل ہی کہے گی۔''

دی ٹورنٹو سٹار.....اداریہ.....مارچ 1978ء:۔

پاکستان کا فیصلہ.....ایک دہشت پسندانہ اقدام

''کسی کو عدالتی سوانگ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔''

''لاہور ہائی کورٹ نے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی جو سزا دی ہے، اسے سیاہی دہشت گردی کے اقدام کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کوئی مقدمہ نہیں تھا بلکہ نئے فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کے راستے میں مزاحم ہونے والے ایک سویلین رہنما کو جان بوجھ کر ختم کرنے کی کوشش ہے۔''

''پانچ ماہ کے عرصے پر محیط یہ عدالتی کارروائی محض ایک ڈھونگ تھی۔ خوفزدہ گواہوں نے جو شہادتیں دیں وہ دوسروں کی باتوں پر مشتمل تھیں اس کے باوجود یہ شہادتیں بھی ''جرم'' کو ثابت کرنے میں ناکام رہیں۔ یہ شہادتیں صاف ستھرا ذہن رکھنے والے مبصرین پر یہ ثابت نہ کر سکیں کہ مسٹر بھٹو ایک سیاسی مخالف کے والد کے برسوں پہلے ہونے والے قتل میں ملوث تھے۔ بہرحال کسی بھی حالت میں یہ شہادتیں کسی انصاف پسند عدالت میں تسلیم نہیں کی جا سکتیں۔''

''فیصلہ کرنے والی عدالت کی صدارت کرنے والا جج چیف جسٹس کے علاوہ سرکاری عہدے پر بھی متمکن ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ اس کی مسٹر بھٹو سے مخالفت ہے۔ اس کے بعض ساتھی ججوں نے مسٹر بھٹو کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔''

''بدترین بات یہ ہے کہ مقدمہ بھٹو دشمن ہسٹریا کی فضا میں چلایا گیا اور اس ہسٹریائی کیفیت کو جنرل ضیاء نے ہوا دی۔ کسی بھی ایسے ملک میں جہاں انصاف کی توقیر ہوتی ہے، جنرل ضیاء کو توہین عدالت کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا اور مسٹر بھٹو کو رہائی مل جاتی اس لیے کہ ان حالات میں مقدمہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ نہیں چلایا جا سکتا تھا۔''

''اس پر بحث نہیں ہے کہ وزارت عظمیٰ کے دوران مسٹر بھٹو نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ کبھی کبھار سخت ناراض ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات سختی کرتے تھے۔ لیکن وہ آزادانہ انتخاب کے

www.bhutto.org

ذریعے اقتدار میں آئے تھے۔ جنرل ضیاء کی طرح رات کے اندھیرے میں فوج کی بغاوت کے ذریعے اقتدار میں نہیں آئے تھے۔ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود بھٹو ایک عظیم رہنما تھا جنہوں نے قوم کے وقار کو بلند اور قومی یکجہتی کو مستحکم کیا حالانکہ دسمبر 1971ء میں بھارت کے ہاتھوں پاکستانی فوج کی شکست نے قوم کو بری طرح پامال کر دیا تھا۔''

''بھٹو کے خلاف ضیاء کا قاتلانہ اقدام بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ یہ تباہی و بربادی اور تشدد کا نسخہ ہے۔''

دی ڈیلی ٹیلیگراف.....اداریہ.....21 مارچ 1978ء:۔

کیا بھٹو پھانسی لگ جائیں گے؟

''عدالتی کارروائی بند کمرے میں ہوئی۔ مسٹر بھٹو کے وکیل نے جو دلائل پیش کیے ان کی تشہیر نہیں کی گئی۔ مسٹر بھٹو کو سزا دینے والے پانچ ججوں کے صدر جسٹس مشتاق حسین نے پورے مقدمے کے دوران مسٹر بھٹو کے لیے اپنی ناپسندیدگی کو چھپایا نہیں۔ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی جنرل ضیاء نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مسٹر بھٹو سے جان چھڑا لیں گے اور اس نے اس بات کا کھل کر اظہار کیا کہ مسٹر بھٹو نے جرم کیا تھا۔ اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو پھر پورا ملک تشدد کا شکار ہو جائے گا اور لوگ ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔''

فری پریس جرنل.....اداریہ.....21 مارچ 1978ء:۔

''اگرچہ ہم پاکستانی عدلیہ کی دیانتداری پر شبہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتے لیکن جس طرح تیزی کے ساتھ مقدمہ چلایا گیا اس سے بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جنرل ضیاء نے ملک سے بھٹوازم کے تمام نقوش کو مٹا دینے کی جو مہم شروع کر رکھی ہے، اس نے ان شبہات کو تقویت دی ہے۔ کیا غیر جانبدار مبصرین عدالت کے اس فیصلے کو جنرل ضیاء کی ذاتی اور سیاسی انتقامی کارروائی سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے۔؟

دی سٹیٹسمین.....اداریہ.....21 مارچ 1978ء:۔

مسٹر بھٹو کو سزا

www.bhutto.org

''یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما کو اپنا سب سے بڑا مخالف سمجھتا ہے اور نہ ہی اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ جنرل ضیاء نے سابق وزیراعظم کو سیاسی طور پر ختم کرنے کی جتنی بھی کوششیں کی ہیں وہ سب کی سب ناکام رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مسٹر بھٹو کی اقتدار پر فاتحانہ واپسی کے امکان کو روکنے کے لیے کئی بار انتخابات ملتوی کیے ہیں۔''

گلف ڈیلی نیوز..... 24 مارچ 1978ء

قصائیو! ہوشیار

''اگر جنرل ضیاء الحق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ملنے والی پھانسی کی سزا کی توثیق کر دیتا ہے تو وہ ایک ایسی مثال قائم کر دے گا جس کا سامنا بعد میں کسی وقت اسے خود بھی کرنا پڑے گا۔ دنیا میں فوجی حکومتوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی حکومتیں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتیں۔ اس لیے کہ جنتا میں شامل فوجی ساتھی اقتدار کی مسند پر خود بیٹھنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ پھر یہ ریکارڈ بار بار بجایا جاتا ہے اور عدالت انصاف میں موجود قومی رہنما ایک غلیظ غدار قرار دے دیا جاتا ہے۔ فوجی حکومت میں انصاف کی یقین دہانی ممکن نہیں ہوتی اس لیے بہت سے دباؤ اور دھمکیاں ہوتی ہیں۔ پھر انتقام کا خوف بھی ہر وقت ذہن پر سوار رہتا ہے۔

''اس لیے بہتر یہی ہے کہ جنرل ضیاء ہوش میں آئے اور پاکستان میں آئینی اور جمہوری زندگی کو بحال کرنے پر توجہ دے جس میں وزیراعظم بھٹو یا کسی بھی دوسرے سیاسی مخالف کو مقدمے کی دیانتدارانہ اور ایماندارانہ سماعت مل سکے۔

دی اکانومسٹ..... 25 مارچ 1978ء:۔

مسٹر بھٹو کی جان بچانے کے لیے کتنی آوازیں بلند ہوں گی؟

''مسٹر بھٹو کو مجرم ثابت کرنے پر کسی کو کوئی حیرت نہیں ہوئی اس لیے چار ماہ کے دوران لاہور ہائی کورٹ میں جس انداز میں مقدمہ چلایا گیا اس سے واضح ہو گیا تھا کہ فیصلہ کیا ہو گا ہر کوئی مانتا ہے کہ چیف جسٹس، جس نے مقدمہ سنا، مسٹر بھٹو کا شدید مخالف تھا۔ حکومت کے کنٹرول میں چلنے والے اخبارات نے ایک مسموم فضا پیدا کر دی تھی جس میں پانچ ججوں نے مسٹر بھٹو کے کردار

www.bhutto.org

اور ان کے ریکارڈ پر مسلسل حملے کرتے ہوئے شہادتیں سنیں۔ آدھا مقدمہ بند کمرے میں سنا گیا۔''

''شہادتوں کا معیار انتہائی مشکوک تھا۔ استغاثہ کے گواہ بدنام لوگوں کے ٹولے پر مشتمل تھے لیکن گزشتہ جولائی کی بغاوت کے نتیجے میں پاکستان پر حکومت کرنے والے فوجیوں نے پانچ ججوں کو جو کام سونپا تھا، وہ واضح تھا، اور وہ کام یہ تھا کہ مسٹر بھٹو کو بڑی صفائی لیکن تیزی کے ساتھ اس طرح ختم کر دیا جائے کہ قانون اور سیاسی طور پر اسے جائز سمجھا جائے۔''

دی سپکٹیٹر ..... 25 مارچ 1978ء:۔

بھٹو کو دھوکہ دیا گیا

''پاکستان کے سابق صدر اور وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو دی جانے والی موت کی سزا کو اس صورت میں شاید صحیح فیصلہ سمجھا جاتا جب پنجاب ہائی کورٹ کی غیر جانبداری اور دیانتداری پر یقین اور اعتماد کرنے کی بنیاد موجود ہوتی۔ لیکن صورت حال ایسی نہیں تھی اس کے برعکس اس مقدمہ کو سیاسی نوعیت کے اعتبار سے غیر تحقیقاتی اور مواد کے اعتبار سے انتقامی اقدام سمجھنے کی قطعی وجوہات موجود ہیں۔ عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے لوگوں کو اسی کی توقع تھی۔ مسٹر بھٹو کے دوستوں کو اسی فیصلے کا خطرہ تھا اور مسٹر بھٹو کے دشمنوں کو اسی کی امید تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فیصلہ انتہائی آمرانہ حکومت نے اپنی طاقت کے زور پر کرایا ہے۔''

''پاکستان میں انسانی حقوق اور انصاف کا گلا کس طرح گھونٹا گیا ہے، اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ مقدمے سے پہلے ہی جنرل ضیاء نے مسٹر بھٹو کے خلاف سرعام ہرزہ سرائی شروع کر دی تھی لاف زنی کرنے والے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء کا ساتھ کاہل اور غافل اور مردار پریس نے دیا۔ مسٹر بھٹو کو پہلے ہی سزا دے دی گئی۔ کیا لاہور ہائی کورٹ ضیاء کی ہدایت کے خلاف کام کرنے کی جرأت رکھتی تھی؟ آمر کی ہدایت پر عمل نہ کرنا ممکن ہی نہیں۔''

''لاہور میں مسٹر بھٹو کے خلاف عدالتی کارروائی کے پردے میں ہونے والی سیاسی کارروائی یہ بات ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے کہ مسٹر بھٹو قتل میں ملوث تھے۔ سپریم کورٹ سمیت پاکستان کی کوئی بھی عدالت بین الاقوامی اعتماد اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتی جب تک جنرل ضیاء جیسا بھیانک شخص اقتدار پر براجمان ہے۔ جنرل ضیاء کے نکتہ نظر سے یہ فیصلہ ضروری تھا۔ یہ فیصلہ اس کی اپنی زندگی کے لیے ضروری تھا۔''

www.bhutto.org

السٹر پٹڈ ویکلی.....26 مارچ 1978ء:۔

کیا بھٹو اس کے مستحق ہیں؟

''ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے اور ان کی سزائے موت سے متعلق بہت سی باتیں پریشان کر دینے والی ہیں۔ قتل جس کی وجہ سے انہیں سزا دی گئی، چار برس قبل ہوا تھا۔ اس وقت کسی نے بھی ممکنہ قاتل کے طور پر مسٹر بھٹو کے نام کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں کئی بار پاکستان گیا ہوں اور ان دوستوں کے درمیان رہا ہوں جو بھٹو کے سخت مخالف تھے۔''

''تمام تر شدید مخالفت کے باوجود کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ مسٹر بھٹو کسی بھی طرح اس قسم کے جرم میں شریک رہے ہیں۔''

دی نیویارک ٹائمز.....27 مارچ 1978ء:۔

اپنے سزا یافتہ پیشرو کی قسمت کے بارے میں جنرل ضیاء کی سوچ

''فنی لحاظ سے لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو کا مقدمہ اصل میں ایک سویلین معاملہ ہے۔ لیکن یہاں کے ذرائع کا خیال ہے کہ پُرتشدد مارشل لاء حکومت کے دوسرے تمام اہم فیصلوں کی طرح جنرل ضیاء اور اس کے حواری جرنیل، جو ملک چلانے میں اس کی مدد کرتے ہیں، ہی مقدمے کا فیصلہ کریں گے۔''

''یہ جنرل ضیاء ہی تھا جس نے ستمبر میں قتل کے الزام میں مسٹر بھٹو کی گرفتاری کا حکم دیا اور اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے احساسات سپریم کورٹ کے فیصلے پر اثر انداز ہوں گے۔''

''دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قانونی فلسفہ اور راست بازی کی برطانوی روایت کے بارے میں تمام تر فخریہ گفتگو کے باوجود اس مقدمے میں انصاف مشکل ہی سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کی وجہ مسٹر بھٹو کے ساتھ عدالت کی عداوت اور دشمنی ہے۔''

ڈیلی ٹیلیگراف.....29 مارچ 1978ء:

ضیاء کا پھانسی اور کوڑوں کا جنون

''پاکستان کے فوجی حکمران جنرل محمد ضیاء الحق نے کل ہی دعویٰ کیا ہے کہ وہ اخبار نویسوں کا بہت لحاظ کرتا ہے۔ نمونے کے طور پر اس نے کہا کہ اس نے احکامات جاری کر دیئے

www.bhutto.org

ہیں کہ ملک میں اس وقت کوڑے مارے جانے کی فضا میں اخبار نویسوں کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ اس کے احکامات جاری کرنے سے اس کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ وہ بھٹو کیس کی کارروائیوں میں مداخلت نہیں کرتا۔''

حکیہان انٹرنیشنل.....23 اپریل 1978ء:۔

ایرانیوں کا بھٹو کی سزا میں تخفیف پر زور

''ایران کے اہم سکالروں اور دانشوروں کے ایک گروپ نے جنرل ضیاء الحق سے کہا ہے کہ وہ لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔''

''جنرل ضیاء کے نام ایک خط میں ایک سو سکالروں اور دانشوروں نے کہا ہے کہ جن حالات میں مسٹر بھٹو پر مقدمہ چلایا گیا ان کی وجہ سے فیصلہ کے صحیح ہونے پر زبردست شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔''

''سابق وزیراعظم کے خلاف مخاصمت کی جو فضا پیدا کی گئی اس نے اصولوں کی بنیاد پر فیصلہ نہیں ہونے دیا۔ کوئی بھی ایماندار شخص اس بات کو تسلیم کرے گا کہ مقدمہ کو سیاسی وجوہات سے الگ نہیں کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں سزا پر عمل درآمد سے یقینی طور پر سیاسی پیچیدگیاں بڑھیں گی جس کے نتائج سے یقیناً آپ واقف ہوں گے۔ دنیا بھر میں ہونے والے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی انتقام ہمیشہ سیاسی تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔''

دی سنڈے ٹائمز.....14 مئی 1978ء:۔

جمہوریت کے لیے خطرہ

''سڈنی میں سر رابرٹ مینزیر لیکچر میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ ہیلشام نے کہا کہ پاکستان اس وقت فوجی آمریت کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور عدلیہ کو خوف زدہ کیا گیا ہے یا اسے دبایا گیا ہے۔''

دی سنڈے ٹائمز.....22 مئی 1978ء:۔

پاکستان کے لیے ایک آزمائش.....بھٹو کو پھانسی نہیں لگنا چاہئے

www.bhutto.org

''اب تک جنرل ضیاء اپنے اس بیان پر قائم رہا ہے کہ وہ عدالتی فیصلے میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ پاکستانی عدلیہ آزاد ہے اور اس پر ریاست کا دباؤ نہیں۔ لیکن اس کے ایسا کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ واضح شہادت موجود ہے کہ چھ ماہ پر محیط مسٹر بھٹو کے مقدمہ کی کارروائی پر سیاسی دباؤ موجود تھا اور مسٹر بھٹو کے ایماندارانہ سماعت کے حق کو بری طرح دبایا گیا۔ جنرل ضیاء نے خود غیر ضروری ریمارکس دیئے ہیں اور اس نے یہ ریمارکس مقدمہ شروع ہونے سے پہلے اور پھر کارروائی کے دوران دیئے۔ ان ریمارکس سے واضح ہو گیا تھا کہ فیصلہ کیا ہو گا اور مسٹر بھٹو کو کیا سزا دی جائے گی۔''

''بعض نکات، مثال کے طور پر طاقتور شہادت نکال دینے سے جس پر بھٹو کے وکلاء نے سب سے زیادہ زور دیا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سازش کے الزام کو ثابت کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کسی شخص کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہو۔ ان معاملات میں پرانا لیکن آج بھی بہترین اصول یہی ہے کہ انصاف صرف کیا ہی نہ جائے بلکہ اسے ہوتا ہوا دکھایا بھی جائے۔ صرف اسی ایک بنیاد پر اور پاکستان کی نیک نامی کی خاطر مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں لگانا چاہیے۔''

لوموند..... یکم جون 1978ء:۔

''مسٹر بھٹو سپریم کورٹ کے سامنے''

از موسیو ایتم جودل..... مبصر انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیشن

''پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حالات میں مقدمہ کی کارروائی کی گئی اس کے دوران لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے ملزم اور اس کے وکلاء کو اپنے شدید حملوں کا نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ کارروائی کے اس حصے کو بند کمرے میں منتقل کر دیا گیا جس میں مسٹر بھٹو نے دلائل دیئے اور یہ حرکت سابق وزیراعظم کے اعلانات کو مشتہر ہونے سے روکنے کے لیے کی گئی۔ یہ دو باتیں ہی ججوں کے فیصلے میں تبدیلی کا جواز بنتی ہیں۔''

''اس کے ساتھ ہی یہ خدشہ موجود ہے کہ سپریم کورٹ بھی مسٹر بھٹو کو ''بڑے مجرم'' کے طور پر فیڈرل سکیورٹی فورس کی طرف سے قصوری کی زندگی پر ناکام حملے کی کوشش میں پھانسی دینے

www.bhutto.org

کا فیصلے کر دے۔''

''موجودہ صورت حال میں عالمی رائے عامہ صرف اس آدمی کی مدد کر سکتی ہے جو ایسے ملک میں عام حمایت حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جہاں مارشل لاء نافذ ہے، جہاں پریس مکمل طور پر جکڑا ہوا ہے، جہاں ہر قسم کے مظاہروں پر پابندی ہے اور جہاں موجود حکومت کے مخالفوں کو فوجی حکام گرفتار کر کے سرسری سماعت کی فوجی عدالتوں میں پیش کر کے کوڑوں، سخت قید بامشقت کی سزائیں دلوا کر انصاف کا مذاق اڑا رہے ہوں۔''

دی نیویارک ٹائمز...... 24 جون 1978ء:۔

بھٹو کی تقدیر...... از ہیوٹر یور روپو

''پاکستان کی سپریم کورٹ میں ملک کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی پر آخری قانونی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ یہ غیر مساوی جنگ ہے جس میں انصاف کو طاقت نے مغلوب کر رکھا ہے۔''

''میں نے لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ پڑھا ہے اور وہ دلائل بھی پڑھے ہیں جن کی بنیاد پر یہ فیصلہ دیا گیا ہے۔ فیصلہ کی بنیاد جرم میں شریک لوگوں کی جھوٹی اور لغو شہادت پر رکھی گئی ہے۔ فیصلہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی حکومت کو سنا دیا گیا تھا۔ سماعت کے دوران دفاع کو پریشان کیا گیا، اسے الجھایا گیا اور صدر جج نے، جو حکومت کا سرکاری ملازم بھی ہے، مسٹر بھٹو کے خلاف اپنی نفرت اور تعصب کا کھل کا اظہار بھی کیا۔ حقیقت میں یہ فیصلہ استغاثہ کا کیس ہے اور عدالت میں صرف اسی کو سنا گیا۔''

''میں یہ بات اپنی عام پرکھ کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ مقدمہ کی ابتداء میں مسٹر بھٹو کے خاندان نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے بارے میں فوجداری قانون کے ماہر اور انتہائی قابل انگریز وکیل سے مشورہ لوں میں ایک بے حد ماہر اور قابل قانون دان سے ملا جو پاکستان گئے اور وہاں عدالت میں بیٹھے۔ انہوں نے شہادت دیکھی۔ انہوں نے سرعام یہ بات کئی بار کہی کہ برٹش لاء میں یہ شہادت کبھی قبول نہ کی جاتی۔ (پاکستان کے فوجداری قانون کی بنیاد انگلش فوجداری قانون پر رکھی گئی ہے) اور اس قدر کمزور مقدمہ کبھی عدالت میں لایا ہی نہ جاتا۔''

❀❀❀

www.bhutto.org

پچیسواں باب

افواہ:

''سزا پانے والے ایک چور کے لیے جب نرمی برتنے کی درخواست کی گئی تو اس کے جواب میں پیغمبر اسلام نے کہا کہ اگر ان کی صاحب زادی حضرت فاطمہ بھی چوری کرتے ہوئے پائی گئیں تو وہ ان کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہیں کریں گے۔''

حقیقت:

موجودہ کیس میں نرمی برتنے کی جو اپیلیں کی گئی ہیں اور اس اپیل میں مماثلت پیدا کرنا جس پر رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، درحقیقت سچ کو مکمل طور پر بگاڑنے کے مترادف ہے۔ اگر تو قتل کے اس مقدمے کی سماعت اسلام کے اصولوں کے عین مطابق کی جاتی تو پھر رسول ﷺ کے ارشاد سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی تھی۔ بہرحال چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تمام کا تمام مقدمہ اسلامی قانون کے اصول کو پس پشت ڈال کر لڑا گیا۔

اگر جالندھری جنتا اسلام کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتی تو یہ اس ملک اور یہاں کے عوام کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ درحقیقت یہ بات اس ملک اور یہاں کے عوام کی خدمت ہوتی۔ لیکن جنتا نے اس کے برخلاف اسلام کے نام پر ہی اسلام کو دھوکا دیا۔ اگر نام نہاد مومن اسلام کے اصولوں پر یقین رکھتا تو پھر چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف یہ نام نہاد مقدمہ بہت پہلے خارج کر دیا گیا ہوتا۔ اگر اسلامی قانون پر عمل درآمد کیا گیا ہوتا تو پھر چیئرمین بہت پہلے رہا ہو چکے ہوتے۔ اگر اسلامی اصولوں پر عمل درآمد کیا گیا ہوتا تو پھر نرمی برتنے کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس لیے کہ اسلامی قانون کے مطابق تو چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو معصوم ہیں۔

www.bhutto.org

آیئے ذرا اس حوالے پر نظر ڈالیں۔ جس میں رسول پاک ﷺ نے ایک سزا یافتہ چور کے لیے نرمی برتنے کی اپیل مسترد کرتے ہوئے وہ کلمات ارشاد فرمائے تھے جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چور پر کھلی کچہری میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس نے چوری کی واردات چار گواہوں کی موجودگی میں کی تھی جو خود اس مقدمے میں ملزم نہیں تھے۔ اس اسلامی عدالت کے قطعی برعکس چیئرمین بھٹو کو بند کمرے میں کارروائی کے دوران پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے۔ اس کی خلاف ورزی لاہور ہائی کورٹ کی کارروائی کو اسلامی قانون کے منافی بنا دیتی ہے۔ چونکہ یہ غلط اور جھوٹی ہے۔ اس لیے لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق باطل ہونے کی وجہ سے منسوخ اور کالعدم ہو جاتا ہے۔ مزید برآں چیئرمین بھٹو کو ایک وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کی گواہی پر سزا دی گئی ہے۔ درحقیقت اس مقدمے میں سرکاری طور پر دو اور غیر سرکاری طور پر چھ وعدہ معاف گواہ ہیں۔ اسلامی قانون میں ملزم کی گواہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایک شخص بیک وقت ملزم اور گواہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسلامی قانون کے مطابق مسعود محمود کے کہے ہوئے لفظ کو چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف شہادت کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسلامی قانون کے مطابق مسعود محمود کی گواہی تسلیم نہیں کی جا سکتی تو پھر چیئرمین بھٹو معصوم ہیں اور لاہور ہائی کورٹ نے ایک معصوم شخص کو سزا دی ہے۔ اس قسم کی سزا دے کر درحقیقت لاہور ہائی کورٹ نے دن دیہاڑے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام میں یہ ایک بہت بڑا جرم ہے جس کے لیے نرمی برتنے کی درخواست پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی قانون انصاف کا بنیادی نظریہ ایک واضح ہدایت ہے کہ صرف اسی شخص کو مجرم قرار دیا جائے جس نے مقتول پر مہلک حملہ کیا ہو جس سے اس کی ہلاکت ہوئی ہو اور پھر اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جانا چاہئے اور اس کے اقدام کو چار آزاد گواہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ لاہور ہائی کورٹ اسلامی قانون کے اصولوں کے تحت چیئرمین بھٹو کو سازش کرنے کے الزام میں سزا نہیں دے سکتی۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ نے ایسا کیا ہے اور چیئرمین بھٹو کو سزائے موت دے کر اس نے اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے تمام کی تمام کارروائی اسلامی قانون کے اصولوں کے خلاف انجام دی ہے۔

المناک بات یہ ہے کہ ساڑھے سات کروڑ انسانوں کے وطن اسلامی جمہوریہ

www.bhutto.org

پاکستان میں ایک معصوم آدمی کو ایسی عدالت نے موت کی سزا دی ہے جس نے اسلام کے ہر اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ بے دین لاہور ہائی کورٹ نے غیر اسلامی قانون کے ذریعے ایک ایسے آدمی کو موت کی سزا دی ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلامی سربراہ کانفرنس کا چیئرمین ہے بلکہ اسلام کے لیے جس کی خدمات کو دنیا بھر میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ اللہ کی نظر میں جو کہ سب کچھ جاننے والا ہے، اسلامی قانون کے اصولوں کے مطابق جن کی تعظیم ہر مسلمان پر فرض ہے، عوام کی نظروں میں اور دنیا کے تمام ملکوں کی نظروں میں چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو معصوم ہیں۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

چھبیسواں باب

افواہ:

''حکومت کو یقین ہے کہ غیر ملکی طاقتوں کو بری طرح بہکایا گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے مسٹر بھٹو کے لیے رحم کی اپیلیں کرنے کی غلطی کی ہے۔ حکومت کو بھی یقین ہے کہ ان حکومتوں کو اس بات کا احساس نہیں ہے'' کہ پاکستان میں ایک ملزم کو مجرم یا معصوم ثابت کرنے کے لیے اعلیٰ ترین قانونی طریق کار'' موجود ہے۔''

حقیقت:

جنتا کو یہ جاننا چاہئے کہ ''کسی ملزم کو مجرم یا معصوم ثابت کرنے کے لیے اعلیٰ ترین قانونی طریق کار'' کا ہونا اچھی بات تو ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ اس قانونی طریق کار کو ایمانداری کے ساتھ عمل میں لایا جائے۔ لاہور ہائی کورٹ نے کھلے عام جس تعصب کا اظہار کیا ہے، مسٹر بھٹو کے خلاف خود جنتا کی نفرت اور پھر مسٹر بھٹو پر ہونے والی نا قابل تردید زیادتیوں اور نا انصافیوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ قانونی طریق کار استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

دوسری بات یہ کہ جنتا کو یہ احساس کرنا چاہئے کہ صرف پاکستان ہی میں ''اعلیٰ ترین قانونی طریق کار'' موجود نہیں ہے بلکہ برطانیہ، جہاں سے پاکستان کا قانونی طریق کار لیا گیا ہے، اور دوسرے اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں بھی عدلیہ اس نعمت سے سرفراز ہے۔ ان ملکوں کی عدالتیں بھی یہ جاننے کے قابل ہیں کہ دوسرے ملک میں اس قسم کا قانونی طریق کار استعمال کیا گیا ہے یا نہیں۔ (سوائے ان مشکلات کے جو انہیں اس وقت پیش آئیں جب کارروائی غیر قانونی طور پر بند کمرے میں کی گئی)

www.bhutto.org

یہ کہنا کہ غیر ملکی طاقتیں ''ہونے والے جرم سے پوری طرح واقف نہیں ہیں'' مہذب لوگوں کی اہلیت اور قابلیت کی بہت بڑی توہین ہے۔ جتنا سمجھتی ہے کہ رومن لاء نپولین کوڈ اور اسلامی قانون کے اصول 5 جولائی 1977ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے اعلان سے کمتر ہیں۔ سبحان اللہ۔ مہذب دنیا کو اس سے بہتر خراج تحسین اور کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات اور وہ یہ کہ جب دوسرے ممالک کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ ہمارے قانونی طریق کار کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ ان کے ہاں بھی یہی کچھ رائج ہے تو اس سے اس مقدمے کے بارے میں اختیار کیے جانے والے ''قانونی طریق کار'' پر اور زیادہ شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقدمے کو ایمانداری کے ساتھ چلایا جاتا تو پھر جتنا اس قدر خوفزدہ نہ ہوتی اور اس مقدمے کے بارے میں باضمیر عالمی رائے عامہ کے جواب میں آئیں بائیں شائیں نہ کرتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جتنا پر ہاتھی کی کھال چڑھی ہوئی ہے اور یہ نیم پاگلوں کا ایک ٹولہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتی ہے کہ باقی دنیا پاکستان کی نسبت زیادہ پسماندہ ہے اور باقی دنیا ٹیکنالوجی کے میدان میں بے پناہ ترقی حاصل کرنے کے باوجود پاکستان سے اتنی پیچھے ہے کہ وہ پاکستان میں رائج قوانین کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایک ایسے ملک کے قوانین سمجھنے سے قاصر ہے جو بے آئین کر دیا گیا ہے اور جو مارشل لاء کی لیفٹ رائٹ، لیفٹ رائٹ کی آواز پر ڈرل کر رہا ہے۔ مارشل، میٹلینڈ اور ڈیننگ کی دنیا، مارشل لاء کے ضابطوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اولیور ونڈل ہومز اور روسو کی دنیا واقعی مارشل لاء کے احکامات کو نہیں سمجھ سکتی۔ ہم اس سے پوری طرح متفق ہیں۔ ہم عدالتی قتل کرنے کے ننگی محرکات کے ساتھ برٹش لیگل سسٹم کی پیروی کرتے ہیں لیکن ہم اس حقیقت میں یقین رکھتے ہیں کہ ''بچہ انسان کا باپ ہوتا ہے۔'' ہم تمام قوموں سے برتر ہیں، ہر شے سے برتر ہیں۔ خصوصاً جھوٹ بولنے میں بہت ہی برتر ہیں اداروں کو تباہ کرنے میں، ناانصافی کو مستحکم کرنے میں، دہشت گردی کو عام کرنے میں برتر ہیں۔ اس میں حیرت کی بھلا کونسی بات ہے کہ دنیا ہمارے بہترین قوانین، ہمارے اپنے بنائے ہوئے طریقہ کار، ہمارے جھوٹی توضیحات اور ہماری کانگرو کورٹس کی ہیرا پھیریوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جناب۔

www.bhutto.org

ستائیسواں باب

حاصل

مشرقی دنیا کی اس سرزمین میں جو کبھی پاک صاف ہوا کرتی تھی، جنتا کے لمبے ہاتھوں نے عدلیہ اور قومی اتحاد میں موجود اپنے سازشی ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس قسم کی افواہوں کی بھرمار کر دی۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں کہ ''یہ افواہیں تو ہم نے فوجی بغاوت سے پہلے سنی تھیں'' اور لوگ جواب دیں گے ''ہاں'' اور یہ وہی مافیا ہے جس نے افواہیں پھیلائیں اور پھر فوجی بغاوت کی ترغیب دی۔ یہ وہی مافیا ہے جو اصغر خان اور قومی اتحاد کے دوسرے منظور نظر لوگوں کی پشت پر تھا جنہوں نے فوج کو آواز دی، جنہوں نے عوام کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جنہوں نے عوام کی قیمت پر اقتدار میں آنے کی کوشش کی۔ اسی مافیا نے عوام کے رہنما کا غیر آئینی طریقے سے تختہ الٹنے کا خیر مقدم کیا، جس نے مارشل لاء کے عفریت کی حمایت کے ذریعے جرم میں شریک کار بننا گوارہ کیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو انتخاب کو ملتوی کرنے کے لیے چلائے اس لیے کہ وہ عوام کے فیصلے کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ اس مافیا کے لیے مارشل لاء ایک ''ایکسٹرا کانسٹی ٹیوشنل اقدام'' ہے جس کی ''بظاہر ضرورت ریاست کے بہترین مفاد اور عوام کی بہتری'' میں بتائی گئی۔ ''ریاست کی ضرورت؟'' جی ہاں۔ پاکستان کو دنیا کی نظروں میں ایک قابل رحم اور مریض شے بنانے کی ضرورت۔ تیسری دنیا کی ایک رہنما ریاست کو خوف زدہ ریاست میں ڈھالنے، افغانستان سے بھاگنے والی اور بھارتی برتری کو ماننے والی ریاست میں تبدیل کر دینے کی ریاستی ضرورت۔ اس کہانی کا کوئی انجام نہیں۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے۔ عوام کی بہبود؟ ان لوگوں کی بہبود جنہیں ان کے ووٹ کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے جنہیں آزادی اظہار دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ جنہیں

www.bhutto.org

رجعت پسندانہ اقتصادی پالیسیوں کے بوجھ تلے دب کر چیخنے چلانے پر مجبور کر دیا گیا ہے؟ ان لوگوں کی بہبود جن کا ملتان میں قتل عام کیا گیا، ان لوگوں کی بہبود جن کی پیٹھوں پر کوڑے برسائے گئے، مارشل لاء کے بھیانک خواب میں عوام کی بہبود جس میں گرفتاریوں کی ہر مہم کے دوران سو سو سے زیادہ افراد کو گرفتار کر لیا جاتا ہے؟ یہ کیسی فلاح و بہبود ہے؟

ریاستی ضرورت اور عوام کی بہبود کیا یہ ہے کہ ایک معصوم شخص کو موت کی سزا دے دی جائے صرف اس لیے کہ وہ استحصال کا شکار ہونے والے عوام کے مقصد کی شمع روشن کیے ہوئے ہے؟ صرف اس لیے کہ اس معصوم شخص نے اکتیس سال کے دوران ہونے والے ہر انتخاب میں کامیابی حاصل کی ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ واحد سویلین شخص ہے جس نے ہر انتخاب میں استحصالیوں کے چہروں پر ناکامی کی سیاہی مل دی ہے؟ یہ مذاق بے حد ظالمانہ ہے اور لوگ بہت چیخے ہیں۔ اسلامی سربراہ کانفرنس کی عظمت سے پاکستان کو گرا کر پھانسیوں کے گڑھوں میں پھینک دیا گیا ہے اور یہ سب کچھ ایک خود پرست پاگل شخص نے کیا ہے۔ اس خود پرست پاگل شخص نے عوام کو کچل دیا ہے، ان کی امنگوں اور آرزوؤں کا خون کیا ہے اور اس ملک کو بنجر زمین بنا کر رکھ دیا ہے جہاں اب قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ اور خوشیوں کے جذبات و احساسات نظر نہیں آتے۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود ایک حقیقت واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ انتہائی بے رحمانہ جبر و تشدد کے باوجود استحصال زدہ عوام نے بڑی بہادری اور برات کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ عوام ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ ان بے لباس اور بے گھر لوگوں نے ناقابل تصور اذیتیں برداشت کی ہیں لیکن خوف و دہشت چاہے کتنا ہی ہو، ان کے دلوں سے بھٹوازم کو نہیں نکالا جا سکتا۔ بھٹوازم ان لوگوں کے لیے ایک متحرک تصور ہے جو تابناک مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں اور جو اپنے خوابوں کی تعمیر آج سے کرتے ہیں۔ ہزاروں کارکن جیل میں گئے اور انہیں کوڑے مارے گئے لیکن پرانے زمانے کے جنگ جو بہادروں کی طرح انہوں نے بھٹوازم کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اس لیے کہ ایسا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو چھوڑ دیں۔ پارلیمنٹ کے ان ارکان اور خواتین کی ایک مختصر فہرست پیش خدمت ہے جنہیں آزادی کی راہ پر چلنے کی پاداش میں قید کیا گیا یا کوڑے مارے گئے یا دونوں سزائیں بیک وقت دی گئیں۔ یہ مختصر فہرست دراصل پاکستان

www.bhutto.org

پیپلز پارٹی کی تمام قیادت کے خلاف ایذا رسانی کی ایک منظم کوشش کی محض ایک جھلک ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ عوام کے ساتھ پارٹی کے تعلق کو توڑ دیا جائے۔ ظلم کس قدر ہوا، اس کا اظہار اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ اسلامی پاکستان میں پہلی بار خواتین کو قید کیا گیا۔ گرفتار ہونے والے کارکنوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو	سابق وزیراعظم
شیخ محمد رشید	سینئر وائس چیئرمین پی پی پی اور سینئر وفاقی وزیر
ڈاکٹر غلام حسین	سیکرٹری جنرل اور وفاقی وزیر
جنرل ٹکا خان	ایڈیشنل سیکرٹری جنرل اور سابق چیف آف سٹاف (فوج) اور نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر
بیگم نصرت بھٹو	قائم مقام چیئرمین پی پی پی اور سابق خاتون اول
عبدالحفیظ پیرزادہ	وفاقی وزیر قانون
ممتاز علی بھٹو	وفاقی وزیر اور سابق وزیر اعلیٰ سندھ
حنیف خان	جنرل سیکرٹری پی پی پی اور وفاقی وزیر
جنرل نصیراللہ بابر	سابق گورنر صوبہ سرحد
غوث بخش رئیسانی	سابق گورنر بلوچستان۔ جو آخر کار جنتا کے دباؤ کے سامنے جھک گئے۔
نصراللہ خٹک	سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد۔ جو آخر کار جنتا کے سامنے گھٹنے ٹیک گئے اور سیاست سے الگ ہو گئے۔
ملک معراج خالد	وفاقی وزیر
میاں احسان الحق	وفاقی وزیر
ایس ایم مسعود	وفاقی وزیر قانون
شیخ رفیق احمد	پنجاب اسمبلی کے سپیکر اور صدر پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب
رانا شوکت محمود	قائم مقام جنرل سیکرٹری پی پی پی پنجاب

www.bhutto.org

اسلم گورداسپوری	قائم مقام پبلسٹی سیکرٹری پی پی پی پنجاب
ڈاکٹر اشرف عباسی	ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی
احمد وحید اختر	رکن مرکزی مجلس عاملہ پی پی پی اور سینیٹر
طاہر محمد خان	سابق وفاقی وزیر اطلاعات
مس آصفہ فاروقی	سابقہ سینیٹر
اقبال جدون	سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد
ہمایوں سیف اللہ	سابق صوبائی وزیر صوبہ سرحد
عبدالوحید کٹپر	سابق صوبائی وزیر سندھ
قمرالزمان شاہ	سابق ڈپٹی سپیکر، سندھ اسمبلی
ڈاکٹر مبشر حسن	سابق وفاقی وزیر خزانہ اور سابق سیکرٹری جنرل پی پی پی
سیف الرحمان کیانی	سابق ڈپٹی سپیکر
آفتاب احمد خان شیر پاؤ	رکن مرکزی مجلس عاملہ پی پی پی
ڈاکٹر عبدالخالق	رکن مرکزی مجلس عاملہ پی پی پی اور سابق صوبائی وزیر تعلیم پنجاب
کرنل حمید خان	ایم این اے
قیوم بٹ	ایم این اے
عباس حسین گردیزی	ایم این اے
پیر ناظم قریشی	ایم این اے
بابو محمد حنیف	ایم این اے
راجہ ظہور احمد	ایم این اے
مختار اعوان	ایم پی اے
ڈاکٹر ایس ایم یعقوب	ایم این اے
علی اصغر کیانی	ایم این اے
نذر کیانی	ایم این اے
سردار سلیم	ایم این اے

www.bhutto.org

راؤ شفقت علی	ایم این اے
یاسین وٹو	ایم این اے۔ وفاقی وزیر اور رکن مرکزی مجلس عاملہ پی پی پی
عارف اقبال بھٹی	ایم این اے
حاجی امان اللہ	ایم این اے
قاضی محمد شاہد	سینیٹر
ممتاز راٹھور	سینئر وزیر آزاد کشمیر
پیر علی جان شاہ	صدر پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر
مخدوم خلیق الزمان	ایم پی اے۔ نائب صدر پی پی پی سندھ
مصطفیٰ کھر	سابق وزیر اعلیٰ پنجاب، سیاسی مشیر۔ لندن چلے گئے۔
جام صادق علی	سابق صوبائی وزیر سندھ۔ لندن چلے گئے۔
قائم علی شاہ	سابق وزیر۔ رکن مجلس عاملہ
چاکر علی جونیجو	ایم پی اے۔ صدر پی پی پی لاڑکانہ
منور عباسی	جنرل سیکرٹری۔ پی پی پی لاڑکانہ
جہانگیر بدر	ایم پی اے۔ کوڑے مارے گئے۔
منصور ملک	قائم مقام صدر پی پی پی پنجاب اور ایم پی اے
احمد سعید اعوان	نائب صدر پی پی پی فیصل آباد اور ایم پی اے
مولوی صالح محمد	ایم پی اے۔ سابق وزیر بلوچستان
قیوم نظامی	ایم پی اے۔ پبلسٹی سیکرٹری پی پی پی پنجاب۔ کوڑے کھائے۔
شیخ منظر مسعود	سپیکر آزاد کشمیر اسمبلی
چوہدری عطاء محمد	ایم پی اے خان پور
حافظ اسد اللہ	ایم پی اے فقیر والی
شیخ اشفاق	ایم پی اے
مرزا اکرم بیگ	ایم پی اے
سرور کھوکھر	ایم پی اے

www.bhutto.org

شیخ رفیق احمد	ایم پی اے
شاہ محمد محسن	ایم پی اے قائم مقام صدر پی پی پنجاب
چوہدری غلام قادر	ایم پی اے
ندیم اسلم	ایم پی اے
اکرام نبی	ایم پی اے
میاں حبیب الرحمان	امیدوار ایم پی اے۔کوڑے مارے گئے۔
رشید ربانی	امیدوار ایم پی اے
نسیم عثمانی	امیدوار ایم پی اے
سید حسن عسکری	ایم پی اے
عثمان کند	امیدوار ایم پی اے
اشتیاق حسین بخاری	ایم پی اے
سید ناظم حسین شاہ	ایم پی اے۔کوڑے مارے گئے۔
منصور احسان	ایم این اے۔کوڑے مارے گئے۔
مولانا احترام الحق تھانوی	ایم پی اے
علاؤالدین عباسی	ایم پی اے صدر پی پی پی کراچی سٹی

پاکستان پیپلز پارٹی کے اوپر دیئے گئے رہنماؤں میں سے اگر سب کو نہیں تو اکثر کو 18 مارچ 1978ء کو سزائے موت سنانے سے قبل ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ صحیح اعداد و شمار پیش کرنا مشکل ہے۔ اوپر دی گئی فہرست بھی محض یادداشت کے سہارے تیار کی گئی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے سے قبل جتنی تعداد میں رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا، وہ حیرت انگیز ہے۔ جس شخص نے یہ فہرست تیار کی اسے یکم مارچ کو قید کر لیا گیا۔ اس نے قید تنہائی میں وقت گزارنے کی خاطر یہ فہرست تیار کی۔ ان میں سے کچھ نام ایسے ہیں۔ جنہیں یہ فہرست تیار کرنے والے کی گرفتاری کے بعد گرفتار کیا گیا لیکن انہیں اسی جیل میں رکھا گیا۔

ان پارٹی کارکنوں کی فہرست جنہوں نے کوڑے کھائے، ان اخبارات کی مدد سے تیار کی گئی ہے جو مختلف دوستوں کے ہاں سے مل سکے۔ ان کارکنوں کی فہرست پیش کرنے کا مقصد بھی

www.bhutto.org

محض جبر و تشدد کی فضا کی جھلک دکھانا ہے جو جالندھری جنتا نے پیدا کی۔ یہ ہر لحاظ سے مربوط فہرست ہے اس میں جن کارکنوں کے نام دیئے گئے ہیں وہ ایک اخبار کے کم از کم سولہ شماروں سے حاصل کیے گئے ہیں۔

درج ذیل پارٹی کارکنوں کو کوڑے مارے گئے

1-	مسٹر محمد الیاس	ایک سال قید با مشقت دس کوڑے	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
2-	مسٹر ممتاز حسین	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
3-	مسٹر زمان محمد لطیف	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
4-	مسٹر بشیر احمد	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
5-	مسٹر محمد اکبر	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
6-	مسٹر عبدالحمید	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
7-	مسٹر رحمت علی	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
8-	مسٹر محمد حسین	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
9-	مسٹر شوکت علی	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
10-	مسٹر محمد رزاق	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	نو اگست 1977ء کو سزا دی گئی
11-	مسٹر عبدالحمید	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
12-	مسٹر محمد جمیل	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
13-	مسٹر محمد حنیف	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
14-	مسٹر محمد اکرام	دس کوڑے ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
15-	مسٹر محمد اسلم	ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
16-	مسٹر محمد حنیف	ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
17-	مسٹر سجاد حسین	ایک سال قید با مشقت	11 اگست 1977 کو سزا دی گئی
18-	ملک محمد اسلم	ڈیڑھ سال اور آٹھ کوڑے	
19-	مسٹر جاوید اقبال	ایک سال اور آٹھ کوڑے	
20-	مسٹر علاؤالدین	ایک سال دن کوڑے	

www.bhutto.org

21-	مسٹر امانت علی	ایک سال کوڑے	
22-	مسٹر محمد اشفاق	ایک سال کوڑے	
23-	مسٹر سلامت علی	ایک سال کوڑے	31 اگست 1978ء کو سزا دی گئی۔
24-	نسیم راٹھور	ایک سال کوڑے	31 اگست 1978ء کو سزا دی گئی۔
25-	مسٹر روشن علی (رکشہ ڈرائیور)	ایک سال دس کوڑے	4 اگست 1978ء کو سزا دی گئی۔
26-	رانا مقبول احمد ایڈووکیٹ (پی پی پی حافظ آباد)	چھ ماہ قید اور چھ کوڑے	
27-	مسٹر ریاض احمد (آفس سیکریٹری پی پی پی)	ایک سال اور دس کوڑے	7 اکتوبر 1977ء کو سزا دی گئی۔
28-	مسٹر غلام محمد	سیکشن 13 کے تحت ایک سال قید دس کوڑے۔	10 اکتوبر 1977ء کو
29-	مسٹر شکیل	سیکشن 13 کے تحت ایک سال قید دس کوڑے	10 اکتوبر 1977ء کو سزا دی
30-	مسٹر شکیل	سیکشن 13 کے تحت ایک سال قید دس کوڑے	10 اکتوبر 1977ء
31-	مسٹر اختر	سیکشن 13 کے تحت ایک سال قید دس کوڑے	10 اکتوبر 1977ء کو سزا دی
32-	مسٹر شاہین	سیکشن 13 کے تحت ایک سال قید دس کوڑے	10 اکتوبر 19077ء کو سزا دی گئی۔
33-	میاں منیر احمد	ایک سال قید دس کوڑے	
34-	مسٹر رشید ناگی (گوجرانوالہ کا رہنما)	ایک سال اور 15 کوڑے	12 اکتوبر 1977ء کو سزا
35-	18 اکتوبر 1977ء کو 44 کارکنوں کو	ایک سال قید اور دس دس کوڑوں کی سزا دی گئی جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔	
36-	مسٹر محمد بشیر (سوڈیوال لاہور)	ایک سال قید اور دس کوڑے	20 اکتوبر 1977ء کو سزا دی گئی۔
37-	مسٹر محمد رمضان (شاہدرہ لاہور)	چھ ماہ قید اور دس کوڑے	20 اکتوبر 1977ء کو سزا دی

www.bhutto.org

38- مسٹر محمد اسحاق چھ ماہ قید اور دس کوڑے 23 اکتوبر 1977ء کو سزا دی گئی۔
(معدی پارک لاہور)

39- 23 اکتوبر 1977ء کو 21 کارکنوں کو ایک ایک سال قید اور دس دس کوڑوں کی سزا دی گئی ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

40- مسٹر ملک ایم یعقوب بھولا صدر پی پی گوالمنڈی لاہور ایک سال دس کوڑے

41- 19 دسمبر 1977ء کو گوجرانوالہ میں 24 رکن گرفتار کیے گئے اور انہیں پندرہ پندرہ کوڑوں کی سزا دی گئی۔ نام نہیں معلوم ہو سکے۔

42- مسٹر محمد ارشد بارہ کوڑے

43- 22 دسمبر 1977ء کو کراچی میں 19 کارکن گرفتار ہوئے اور ان میں سے چار کو ایک ایک سال قید اور دس دس کوڑوں کی سزا دی گئی۔

44- ڈاکٹر عبدالحمید صدر پی پی پی موچی دروازہ لاہور ایک سال قید اور دس کوڑے 23 جنوری 1978ء کو سزا ہوئی۔

45- مسٹر احسان بٹ ایک سال قید اور دس کوڑے 11 جنوری 1978ء کو سزا ہوئی۔

46- حافظ محی الدین ایک سال قید دس کوڑے 23 جنوری 1978ء کو سزا دی گئی۔

47- محمد فیاض ایک سال قید دس کوڑے 15 فروری 1978ء کو سزا دی گئی۔

48- محمد ارشاد ایک سال قید دس کوڑے 15 فروری 1978ء کو سزا دی گئی۔

49- مسٹر حاموں ایک سال قید دس کوڑے 15 فروری 1978ء کو سزا دی گئی۔

50- مسٹر شاہد ایک سال قید دس کوڑے 15 فروری 1978ء کو سزا دی گئی۔

51- مسٹر محمد رفیق بھٹہ 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 13 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

52- مسٹر فیروز دین 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 12 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

53- مسٹر ظفر اقبال 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 12 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

54- مسٹر ولی الرحمان 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 12 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

55- مسٹر ملک ارشاد 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 12 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

56- مسٹر جاوید اختر 9 ماہ قید دس کوڑے اور تین ہزار روپے جرمانہ 12 مارچ 1978ء کو سزا ہوئی۔

www.bhutto.org

57-	سید ظفر علی شاہ (نائب صدر پی پی راولپنڈی)	ایک سال قید دس کوڑے	
58-	ضیاء الرحمان (راولپنڈی)	ایک سال قید دس کوڑے	
59-	محمد اشرف	ایک سال قید اور دس کوڑے	
60-	محمد صدیق	ایک سال قید اور دس کوڑے	
61-	محمد رشید	ایک سال قید اور دس کوڑے	
62-	سید ظفر الحق	ایک سال قید اور دس کوڑے	
63-	چوہدری ظفر الحق	ایک سال قید اور دس کوڑے	
64-	حامد سعید	ایک سال قید اور دس کوڑے	
65-	راجہ محمد اکرام	ایک سال قید اور دس کوڑے	
66-	آغا ریاض الاسلام	ایک سال قید اور دس کوڑے	
67-	فرمان علی	ایک سال قید اور دس کوڑے	
68-	وحید الدین	ایک سال قید 15 کوڑے	20 مارچ 1978ء کو سزا دی گئی۔
69-	محمد پرویز	ایک سال قید اور دس کوڑے	20 مارچ 1978ء کو سزا دی گئی۔
70-	پرویز اکبر	ایک سال قید اور دس کوڑے	20 مارچ 1978ء کو سزا دی گئی۔
71-	محمد سلیم	ایک سال قید اور دس کوڑے	21 مارچ 1978ء کو سزا دی گئی۔

ذیل میں گرفتار ہونے والی خواتین کی جو فہرست دی جا رہی ہے وہ بھی اسی طرح اخبارات کے ذریعے سے تیار کی گئی۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ چادر اور چار دیواری کے نظریہ کے تحت ان خواتین کو گھروں سے نکالا گیا اور جیلوں میں پھینک دیا گیا۔ بعض اوقات تو ان کے ساتھ ان کے شیر خوار بچے بھی جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔

1-	بیگم نصرت بھٹو	سابقہ خاتون اول،	قائم مقام چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی
2-	بیگم سیف اللہ خان	ایم این اے	چیف آرگنائزر ویمن ونگ پی پی پی
3-	ڈاکٹر اشرف عباسی	ایم این اے	

www.bhutto.org

4-	بیگم نادر خاکوانی	چیف آرگنائزر شعبہ خواتین	پی پی پنجاب جیل میں رکھی گئیں۔
5-	بیگم ریحانہ سرور	ایم پی اے	جیل میں رکھی گئیں۔
6-	بیگم نسیم اکموت	ایم پی اے	
7-	بیگم این ڈی خان	صوبائی اسمبلی کے امیدوار	کی اہلیہ جیل میں رکھی گئیں۔
8-	نسیم نگار		جیل میں رکھی گئیں۔
9-	مسز قیوم نظامی	چھ ماہ کے شیر خوار بچے کے	ساتھ جیل میں رکھی گئیں۔
10-	بیگم عزیز		جیل میں رکھی گئیں۔
11-	فریدہ خانم	کراچی کمیٹی۔	جیل میں رکھی گئیں۔
12-	تاجدار صدیقی		جیل میں رکھی گئیں۔
13-	بیگم ثریا		
14-	بیگم نور جہاں سومرو	آرگنائزر لیاری۔	کراچی نکال دی گئیں اور قید میں رکھی گئیں۔
		سے	
15-	بیگم نصرت		
16-	بیگم سرفراز		
17-	رحمت بی بی		
18-	بے نظیر بھٹو		
19-	بیگم ریحانہ ملک	آرگنائزر راولپنڈی سٹی	
20-	بیگم مسعود زیدی		
21-	بیگم غزالہ سعید		
22-	مس عابدہ کھوکھر		
23-	مس ناصرہ کھوکھر	ایم پی اے	
24-	بیگم نفیسہ	ایم این اے	جیل میں رکھی گئیں۔
25-	مہرالنساء آفریدی	پی پی پی سٹوڈنٹ لیڈر۔	جیل میں رکھی گئیں۔
26-	بیگ طلعت جان		

www.bhutto.org

27-	ممتاز خالد		
28-	بیگم ظفر صراف		
29-	بیگم صغیرہ اسلام	صدر شعبہ خواتین	شیخوپورہ پی پی پی
30-	ثریا فاطمہ	ننکانہ صاحب	
31-	بیگم اشتیاق بخاری		
32-	نصرت پروین		
33-	مسز گلزار احمد	مردان	
34-	فرہاد نازی		
35-	بیگم ڈاکٹر فدا		
36-	بیگم ڈاکٹر اسلم		
37-	مسز منصور حیدر		
38-	مسز شمع شہناز		
39-	مسز خالد مریم		
40-	بیگم رضیہ		
41-	بازرباں		

www.bhutto.org

اٹھائیسواں باب

(جنرل ضیاء)

جنرل ضیاء کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ وہ کیا ہے، کیسا انسان ہے، اس کا خلاصہ اس کے اپنے ہی لفظوں میں شاید بہتر طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ وہ کیسا شخص ہے اس کا اندازہ جنتا کے حامی اخبارات کی درج ذیل خبر سے ہو جاتا ہے۔

''چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اخبار نویسوں سے کہا ہے کہ مساوات کو بند کیا گیا ہے اور یہ بند ہی رہے گا۔ جنرل ضیاء نے کہا کہ ''اگر اخبار نویسوں نے ایسا مواد شائع کیا جس سے ملک میں بے چینی پیدا ہو گی تو میں اسے برداشت نہیں کروں گا۔ اس قسم کے اقدامات کے مجرم اخبار نویس کو الٹا لٹکا دیا جائے گا اور اسے ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ اس کی پچاس نسلیں بھی اسے نہیں بھلا سکیں گی۔''

(نوائے وقت 28 مارچ 1978ء)

اور

''چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں اس لیے کوئی بھی شخص میرے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ نہ تو مجھے کسی نے نامزد کیا ہے اور نہ ہی عوام کے سامنے یا کسی ایک فرد کے سامنے جواب دہ ہوں۔''

مقدمہ

جنتا نے موت کی کوٹھری میں میاں عباس پر اس وقت تک اپنا دباؤ جاری رکھا جب تک کہ وہ اپنے موقف سے پھر نہیں گیا اور آخر کار اس نے قتل کا ''اعتراف'' کر لیا۔ اس نے کہا ہے کہ اب جبکہ وہ موت کا سامنا کر رہا ہے، اس نے نمازیں ادا کرنی شروع کر دی ہیں اور اپنے جرم کا اعتراف کرنا چاہتا ہے تا کہ اس کی جان بچ سکے۔ یہ مثال اگر میاں عباس کے معاملے میں قائم ہو

www.bhutto.org

گئی یا کسی اور اقراری ملزم کے معاملے میں قائم ہوگئی تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنتا کی طرف سے قتل کو قانونی شکل مل جائے گی۔ کوئی بھی شخص قتل کر سکتا ہے اور جا کر جنرل ضیاء کو بتا سکتا ہے کہ میں موت کا سامنا کر رہا ہوں میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں اور جناب مجھے زندہ رہنے دیجیے۔

میاں عباس کے بیان کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اس کی سیاسی حیثیت کیا ہے؟ جنتا کے لیے اس کی سیاسی حیثیت مکمل طور پر بے مقصد اور بے معنی ہے۔ اگر شک کرنے والے کسی ٹامس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ ہے تو موت کی کوٹھری سے اٹھنے والا یہ مروڑا اس شک وشبہ کو ختم کر دیتا ہے۔ اس دستبرداری کے الٹ پھیر کی اخلاقی حیثیت کیا ہے؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنتا مجسم بداخلاقی ہے۔

قانونی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو میاں عباس کی دستبرداری کے الٹ پھیر سپریم کورٹ کے لیے باعث ندامت ہے۔ یہ کیا ہے؟ کیا یہ مرتے ہوئے شخص کا اعلامیہ ہے؟ یہ مرتے ہوئے شخص کا اعلامیہ نہیں ہے اس لیے کہ میاں عباس نے حکومت سے درخواست کی ہے کہ اس کی جان بچائی جائے۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ اس نے یہ قلابازی اس لیے نہیں کھائی کہ وہ موت کا سامنا کر رہا ہے بلکہ اس لیے کھائی ہے کہ وہ موت کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے یہ قلابازی اس لیے نہیں کھائی کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے سے ملنے کی تیاری کر رہا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ حکومت اس کی جان بچا لے۔ اس نے یہ بیان اس لیے نہیں دیا کہ وہ مرنے سے پہلے توبہ کرنا یا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے رحم کی درخواست کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی جان بچانا چاہتا ہے چاہے اس کے بدلے میں ایک معصوم آدمی کی جان جاتی رہے۔ ایک ایسے معصوم آدمی کی جان جس کا دفاع اس نے دس ماہ سے زائد عرصہ تک کیا ہے۔ یہ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ کوٹ لکھپت جیل میں روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا نتیجہ نہیں ہے۔

میاں عباس کو موت کا سامنا نہیں ہے۔ اس کا سامنا تو مارشل لاء کے ڈنڈے سے ہے۔ وہ آدمی جو اپنی جان بچانے کی بھیک مانگتا ہے، موت سے پہلے کا اعلان نہیں کر رہا۔

سپریم کورٹ میں تعصب کا نتیجہ

اگرچہ سپریم کورٹ کے کچھ ججوں نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ وہ تعصب نہیں برتیں گے، کچھ نے اپنے بارے میں کوئی بات کہنے سے گریز کیا ہے جبکہ دوسروں نے اپنے تعصب

www.bhutto.org

کا کھل کر اظہار کیا ہے اور جنتا کے ساتھ اپنی شناخت بھرپور طریقے سے کرائی ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے چیف جسٹس انوار الحق سب سے زیادہ متعصب ہے۔

دفاع کے بڑے وکیل نے جب گزارش کی کہ سپریم کورٹ کو احمد رضا قصوری کی اس تقریر کا عدالتی نوٹس لینا چاہئے جو اس نے قومی اسمبلی کے ٹوٹنے کے موقع پر کی تھی اور جس میں اس نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ سپریم کورٹ سے کہا گیا کہ جس طرح بیگم نصرت بھٹو کی آئینی پٹیشن کی سماعت کے دوران متعدد دوسرے معاملات اور واقعات کا نوٹس لیا گیا تھا اسی طرح احمد رضا قصوری کی اس تقریر کا بھی نوٹس لینا چاہیے لیکن انوار الحق نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ وہ ایک رٹ پٹیشن تھی۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ رٹ پٹیشن ہے یا نہیں۔ رٹ کا اختیار پاکستان میں 1954ء میں متعارف کرایا گیا اور نافذ کیا گیا۔ شہادت کے ایکٹ میں جوڈیشل نوٹس سے متعلقہ دفعہ ایک سو سال پہلے سے موجود تھی۔ کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگست 1947ء کے بعد پاکستان میں کسی عدالت نے اس وقت تک جوڈیشل نوٹس سے متعلقہ دفعہ کو استعمال نہیں کیا تھا جب تک 1954ء میں پاکستان میں رٹ کو متعارف نہیں کرایا گیا اس کیس کے سوا ملک میں کسی بھی قانون میں ایسی شق موجود نہیں ہے جس میں کہا گیا ہو کہ جوڈیشل نوٹس صرف رٹ کی صورت میں ممکن ہے۔ جن ممالک میں عام قانون (کامن لاء) کی بنیاد پر نظام قانون چل رہا ہے وہاں کی کوئی بھی عدالت قومی قانون ساز ادارے میں ہونے والی بحث یا تقریر کی کارروائی کا جوڈیشل نوٹس لینے سے انکار نہیں کرے گی۔ انگلستان کی کوئی عدالت برٹش پارلیمنٹ کی کارروائی کا جوڈیشل نوٹس لینے سے انکار نہیں کرے گی۔ یہی صورت حال بھارت کی لوک سبھا، امریکہ کی کانگریس، کینیڈا اور آسٹریلیا کی پارلیمنٹوں کے ساتھ بھی ہے۔

دفاع کے سینئر وکیل کو اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لیے بیگم نصرت بھٹو کی آئینی پٹیشن کی مثال دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ''دانتوں میں زبان دینے'' کی مثال پیش کی ہو۔ اس لیے کہ اس رٹ میں تو جسٹس حق نے صرف مارشل لاء کو سہارا دینے، اسے تقویت دینے اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی منتخب حکومت کو منتشر کرنے کی خاطر جوڈیشل نوٹس کا تمسخر اڑایا تھا۔ جسٹس حق انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ بیک وقت گرم اور ٹھنڈی ہوا خود کھینچ لیتا ہے کہ ایک عام انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔

www.bhutto.org

جسٹس انوار الحق کو اس بات میں بہت زیادہ دلچسپی تھی کہ اپیل کی سماعت بغیر کسی وقفہ کے روز کے روز کی بنیاد پر کی جائے۔ چیف جسٹس نے دفاع کے بڑے وکیل کو موقع ہی نہیں دیا کہ وہ تیس دن کے اندر اندر اپیل کرنے کے آئینی اور قانونی حق کو استعمال کر سکیں۔ لب لباب یہ ہے کہ انوار الحق نے مولوی مشتاق کے اس غیر قانونی اقدام کو تقویت دی کہ اپیل سات دن کے اندر اندر داخل کی جائے۔ کافی جھگڑے اور شاید دیانت دار اور آزاد ججوں کی طرف سے دباؤ کے تحت انوار الحق نے چودہ دن کی معمولی توسیع پر رضا مندی کا اظہار کیا اور سماعت کی تاریخ 20 مئی 1978ء مقرر کی۔ یہ اس کی طرف سے کوئی نوازش نہیں تھی بلکہ انوار الحق نے اپنے جالندھری مسخروں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اس بات کو بنیاد بنا کر عدلیہ کی خود مختاری کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ لندن میں جنتا کے سفیر مرحوم جنرل اکبر نے لندن ٹائمز میں ایک مراسلہ شائع کرایا۔ جس میں چودہ دن کی اس توسیع کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اسے حضرت سلیمان کا انصاف قرار دیا۔

اپیل کی سماعت مقررہ تاریخ پر روز کے روز کی بنیاد پر شروع ہوئی۔ اس اپیل کو دوسرے تمام مسائل اور امور پر ترجیح ملی۔ جنتا کو جو خطرات تھے ان کی روشنی میں ایسا ہی کیا جانا تھا۔ پھر اچانک انوار الحق نے انڈونیشیا جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وہ ایک ایسی بے مقصد کانفرنس میں شریک ہو سکے جو سیاحت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ چیف جسٹس نے 14 جون 1975ء کو اپیل کی سماعت روک دی اور یکم جولائی 1978ء کو دوبارہ سماعت شروع کرنے کا فیصلہ دیا۔ اس ہولی کی اہمیت جسے قانون دانوں کی کانفرنس کا نام دیا گیا ہے سب لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ چیف جسٹس کو اپنی مشہوری کا جو خبط ہے اسے بھی سبھی جانتے ہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ بالی ایک خوبصورت مقام ہے۔ یہ بات بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ جالندھری جسٹس کو انڈونیشیا میں جالندھری جنتا کے ترجمان کے فرائض سرانجام دینا تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اتنا وقت یا وقفہ لینے کے لیے یہ تگ و دو کرنے کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کو جنتا کو اپنے ننگے ہونے کی وجہ سے جو پریشانی تھی اس سے بچنے کے لیے اسے وقفہ کی ضرورت تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ جس تیزی کے ساتھ سچ ظاہر ہونے لگا تھا اس سے بچنے کے لیے یہ وقفہ جنتا کو چاہئے تھا لیکن اس کی وجہ کہیں زیادہ منحوس ہے۔ چیف جسٹس ایک دیانت دار، آزاد اور تجربہ کار جج مسٹر جسٹس قیصر کو بنچ سے ریٹائر کرنا چاہتا تھا۔ جسٹس قیصر ایک باعزت پختون کی شہرت کے حامل تھے جو انصاف کرتے وقت پختون اخلاقیات کو سامنے رکھتے تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی خوف یا لالچ کو نظر میں نہیں رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے

www.bhutto.org

انوار الحق جسٹس قیصر سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انوار الحق نے یہ چودہ دن کا وقفہ دینے کی سازش کی۔ ان حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جسٹس قیصر کی ملازمت میں سال رواں کے اختتام تک توسیع کی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

چیف جسٹس کا تعصب اس وقت اور کھل کر سامنے آیا جب اس نے جسٹس قیصر کی ریٹائرمنٹ کے بارے میں روزنامہ تعمیر راولپنڈی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے (انوار الحق نے) انہیں ریٹائر نہ کیا ہوتا تو چیئرمین بھٹو شکایت کا خط لکھ دیتے۔ یہ بات شوخی نہیں بلکہ شوخی کو مضحکہ خیز حد تک لے جانے کی بات ہے۔ جیسا کہ مسٹر یحییٰ بختیار نے عدالت میں وضاحت کی کہ چیئرمین بھٹو کسی بھی درخواست میں کسی اور جج کے بارے میں کسی شک وشبہ کا اظہار قطعی طور پر نہ کرتے۔ انہوں نے اپنی دونوں درخواستوں میں جس اندیشے کا اظہار کیا وہ چیف جسٹس کے بارے میں تھا۔

ایک خود مختار جج کی علیحدگی نے چیف جسٹس کے تعصب کو زیادہ واضح کیا۔ یہ بات اہم ہے کہ جسٹس قیصر نے اپنے ریفرنس میں کہا کہ وہ ایسے شخص نہیں تھے جن پر دباؤ اثر انداز ہو سکتا۔ انوار الحق اس بات کو دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انوار الحق نے ایک ایسے جج کو بلا تکلف نکال دیا جس کی دیانت داری شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ انوار الحق نے اس بات کو یقینی بنایا کہ انصاف کا ترازو چیئرمین بھٹو کے خلاف وزن ظاہر کرے۔ اس نے جسٹس قیصر کو نکال کر بنچ میں ''توازن'' قائم کر دیا تا کہ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے حق میں فیصلہ حاصل کیا جا سکے۔ اگر فیصلہ میں نا اتفاقی ہوتی ہے یعنی غیر متفقہ فیصلہ ہوتا ہے تو لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انوار الحق کا اس بنچ سے علیحدہ ہو جانا ان کا فرض منصبی بنتا ہے۔ اس لیے کہ اگر چیف جسٹس الگ ہو جاتا ہے تو پھر بنچ سات ججوں کا ہوگا۔ اس طرح انصاف کے پلڑے برابر ہو جائیں گے۔ مزید برآں انوار الحق کے بنچ سے علیحدہ ہو جانے سے، جس کے بارے میں چیئرمین بھٹو نے سخت شک وشبہ کا اظہار کیا ہے، انصاف ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے اور اگر انوار الحق بنچ میں بیٹھتا ہے تو وہ چند کمزور یا لالچی ججوں پر مکروہ اثر ورسوخ قائم رکھے گا ان پر دباؤ ڈالے گا، انہیں تحریص دے گا۔

سپریم کورٹ راولپنڈی کی سفید کالونیل عمارت میں اپنی کارروائی جاری رکھتی ہے اور جب جج اپیل کی سماعت کر رہے ہیں تو پاکستان کی غریب اور بے گھر عوام اپنے عظیم رہنما ذوالفقار

www.bhutto.org

علی بھٹو کی زندگی کی دعائیں مانگ مانگ کر سوکھ رہے ہیں۔ اس لیڈر کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے ہیں جس کا رُتبہ ستاروں میں لکھا ہے اور جو ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو صدیوں سے آنسو بہا رہے ہیں۔

عدالتی کارروائی سے لگتا ہے کہ فیصلہ غیر متفقہ ہوگا اور دونوں طرف ججوں کی تعداد برابر ہوگی۔ لیکن پریشان کن خبر وہ ہے جو باقاعدہ مبصرین نے پہنچائی ہے کہ بنچ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ پنجابی جج ایک طرف ہوں گے اور تمام غیر پنجابی دوسری طرف ہوں گے۔ اس کی اہمیت پاکستان کے وفاق پر ثبت ہو جائے گی اور اس کے اثرات وفاق کے اتحاد پر مرتب ہوں گے۔ یہ بات ہر کوئی اچھی طرح جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ پنجاب کے بے نام، بے زبان، بے لباس اور بے گھر اور استحصال زدہ عوام چیئرمین بھٹو کے ساتھ ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے صوبوں کے عوام چیئرمین کے ساتھ ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہوگا اگر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے نفرت کی وجہ سے تمام پنجابی جج لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھیں گے۔ یہ ایک المیہ ہوگا اگر پنجابی ججوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جو نوے ہزار جنگی قیدیوں کو باوقار طریقے سے بھارت سے آزاد کرا کر واپس لایا، وہ ایک ایسے آدمی کے قتل کے مجرم ہوں گے جس نے جنرل اروڑہ کو پنجاب میں رنجیت سنگھ کا راج بحال کرنے سے روکا۔ یہ ایک بہت بڑا تاریخی المیہ ہوگا اگر سپریم کورٹ کے پنجابی ججوں نے اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے انہیں سکھوں سے تحفظ دیا جنہوں نے جالندھر میں ان کا قتل عام کیا تھا اور ان کی خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے 1971ء میں سکھوں کی خونریزی اور ظلم و تشدد سے بچایا۔ اگر سپریم کورٹ کے پنجابی ججوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تو اس سے زیادہ بڑا المیہ اور کوئی نہیں ہوگا۔

www.bhutto.org

انتیسواں باب

راؤ رشید کے حلف نامے میں سے اقتباسات

تحریص ولالچ اور بلیک میلنگ کی کہانی 4 جولائی اور 5 جولائی کی درمیانی رات کو مجھے پولیس کی حراست میں لیے جانے کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ مجھے اسی شام کو ایبٹ آباد پہنچا دیا گیا۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ملک کی تاریخ میں پہلی بار مارشل لاء کے نفاذ پر فوج نے سیاست دانوں کے ساتھ ساتھ مجھ سمیت سینئر سول سرونٹس کو حراست میں لیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مارشل لاء نافذ کرنے کا فیصلہ ایک فوری فیصلہ تھا۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسٹر بھٹو کی اچھی اور بری باتوں کا اسے اس وقت تک کوئی علم نہ تھا جب تک حقائق اس کے نوٹس میں نہ لائے گئے۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر مارشل لاء کے نفاذ پر فوجی حکام نے مجھے حراست میں لینے کا فیصلہ کیوں کیا؟ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ وہ مجھے ملازمت سے برخواست کرنے کے لیے میرے خلاف کافی مواد اکٹھا کر لیں گے؟ میں انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر تھا اور جانتا تھا کہ جرنیل بہت عرصے سے اقتدار سنبھالنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ کچھ سیاست دان جرنیلوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے اور میں نے کئی بار سابق وزیراعظم کو جرنیلوں کی سکیم کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ظاہراً طور پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سمیت تمام جرنیلوں نے وزیراعظم سے بے حد خوشگوار تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جرنیلوں کی سازش کے بارے میں وزیراعظم کو آگاہ کرنے کی وجہ سے میں جرنیلوں کی نظروں میں کھٹک رہا تھا اس لیے جب آدھی رات کو میں نے اپنے دروازے پر دستک اور بھاری بوٹوں کی آواز سنی تو مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی لیکن مجھے اس حکومت کی روانگی پر ضرور حیرت ہوئی جو ''باعزت'' فوجی جرنیلوں پر مشتمل تھی اور جو اسلام کے عظیم اصولوں پر عمل کرنے کے دعوے کرتے نہیں تھکتی تھی۔

جب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مختلف سیاسی گروہوں کے درمیان ایک ایماندار دلال کا کردار ادا کرنے کا اعلان کر رہا تھا اور جب وہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کا اعلان کر رہا تھا تو اس وقت بریگیڈیئر نعیم جو ایبٹ آباد میں ہمارا ذمہ دار تھا، راولپنڈی میں مارشل لاء ہیڈ

www.bhutto.org

کوارٹرز میں اعلیٰ افسران سے ملاقات کے بعد واپس آ گیا۔ اس وقت میرے ساتھ مختلف امور پر گفتگو کرتے کرتے اس نے مجھ سے پوچھا ''کیا تم سمجھتے ہو کہ فوج مسٹر بھٹو کا اقتدار میں دوبارہ آنا برداشت کرے گی؟''

جب میں نے اپنا منہ بند رکھنے میں بہتری سمجھی تو اس نے خود اپنے سوال کا جواب یوں دیا کہ ''ظاہر ہے کہ برداشت نہیں کرے گی۔'' اس نے یہ کہہ کر اپنی بات کو آگے بڑھایا کہ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ سب سے بڑے صوبے یعنی پنجاب کو اقتدار میں اس کا حصہ دینے سے ہمیشہ انکار کیا گیا ہے اور فوج اس بات کو یقینی بنائے گی کہ ملک کی حکمرانی میں پنجاب کو اس کا پورا حصہ ملے۔

اگست کی ابتداء میں مجھے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا اور قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ لیکن میری ایبٹ آباد سے روانگی سے ذرا پہلے بریگیڈیئر نعیم نے بڑے نرم اور محتاط لہجے میں نصیحت کی کہ ''جناب! فوج کے ساتھ تعاون کریں۔'' جب میں اسلام آباد پہنچا تو اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی (ایف آئی اے) مسٹر صغیر انور مجھ سے ملنے آئے۔ میرے لیے ان کے پاس بھی دوستانہ نصیحت تھی۔ ''جناب! حکومت سے تعاون کریں۔'' میں نے اس سے پوچھا ''کس طرح؟'' اس نے کہا ''آپ خود ایک سمجھدار آدمی ہیں آپ کو جاننا چاہئے۔''

بہت جلد مجھ پر واضح ہو گیا کہ فوج کے ساتھ کس قسم کا تعاون مجھ سے مانگا جا رہا تھا اور مجھے اپنی ملازمت اور آزادی کے لیے کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ آخر کار میجر جنرل عبدالرحمان، جسے مجھ کو سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، مجھے صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے آیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ مجھے جانچنے تولنے کے لیے آیا۔ پھر وہ ایک طویل سوال نامے کے ساتھ آیا جس میں اس نے انتہائی غلیظ زبان میں تمام قسم کے جرائم مجھ سے منسوب کئے ہوئے تھے۔

اس کا مقصد مجھے نرم کرنا تھا۔ جب میں نے اس کی موجودگی میں پریوں کی کہانیاں پڑھ لیں تو وہ اٹھا اور بولا ''قبل اس کے کہ آپ اس کا جواب تحریر کرنا شروع کریں، مہربانی کر کے میری نصیحت کو یاد رکھیں۔ اگر آپ بھٹو کے خلاف مواد ہمیں مہیا کریں تو آپ کا ہر طرح خیال رکھا جائے گا۔'' میں نے حقائق پر مبنی جواب تحریر کر دیا۔ چند روز بعد میجر جنرل عبدالرحمان جواب وصول کرنے آیا اور جلدی جلدی اسے پڑھنے لگا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مسٹر بھٹو کے خلاف کوئی مواد نہ پا کر وہ بہت زیادہ بے چین ہو گیا تھا۔

جو کوئی بھی میری سفارش لے کر مارشل لاء حکام کے پاس گیا اسے بتایا گیا کہ میں فوج

www.bhutto.org

کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا اور اگر میں نے تعاون نہ کیا تو وہ میری گردن توڑ دیں گے۔ ایک مرحلہ پر مجھ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اگر میں مسٹر بھٹو کے خلاف ایک بیان دے دوں تو مجھے رہا کر دیا جائے گا۔ حکام کی طرف سے ہونے والی اس بلیک میلنگ کا جاننا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ ایک طرف تو مجھے اس قدر خطرناک سمجھا گیا کہ مجھے قید تنہائی میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دوسری طرف وہ مجھے ابھی تک ملازمت میں رکھے ہوئے تھے۔ بیک وقت سختی اور نرمی کا یہ ایک کلاسیک کیس تھا۔

اس تمام عرصے میں مجھ پر مسلسل یہ دباؤ رہا کہ میں مسٹر بھٹو کو کسی ایک جھوٹے مقدمے میں ملوث کروں۔ جب وہ اس بات میں ناکام ہو گئے کہ میں احمد خان کے قتل کے مقدمے میں ان کے ہاتھوں میں کھیلوں، اور لاہور ہائی کورٹ میں توہین عدالت کے متعدد مقدموں میں حسب منشاء مجھے اپنا کردار ادا کرانے میں وہ بری طرح ناکام ہو گئے تو میجر جنرل عبدالرحمان نے بریگیڈیئر نعیم کی معیت میں ایک آخری کوشش کی۔ انہوں نے اسلام آباد میں مجھ سے ملاقات کی اور مجھ سے کہا کہ مسٹر بھٹو کے خلاف انتخابات میں دھاندلی سے متعلق مقدموں کو ثابت کرنے کے لیے میں ان سے تعاون کروں۔

اس موقع پر ان دونوں افسروں سے میری کافی گرما گرم بحث ہوئی۔ میں نے انہیں واضح طور پر بتایا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں، انتخابات میں دھاندلی کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بھٹو نے سختی کے ساتھ دھاندلی کرنے سے منع کیا ہوا تھا۔ جب انہوں نے مسٹر بھٹو کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے مطالبہ پر اصرار کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ وہ مجھے پھانسی تو دے سکتے ہیں لیکن میں اپنی ملازمت بچانے یا قید سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اپنا ضمیر کبھی نہیں بیچوں گا۔

اگلی مرتبہ بریگیڈیئر نعیم میرے ایک جونیئر ساتھی مسٹر جمیل کو لے کر میرے پاس آیا۔ اس وقت مسٹر جمیل ایف آئی اے میں تھا اور اسے ساتھ لانے کا مقصد یہ تھا کہ مجھ پر فوجی حکام کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جائے۔ مسٹر جمیل کو جعلی پاسپورٹوں کا کام کرنے والے ایک گروہ کے ساتھ ملی بھگت کی وجہ سے مسٹر بھٹو کے دور حکومت میں ملازمت سے برطرف کیا گیا تھا۔ مسٹر جمیل کے روپے کے لین دین سے متعلق اس گروہ کے ساتھ ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کر لیا گیا تھا اور اسی گفتگو کی بنیاد پر اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا تھا۔ مارشل لاء حکام نے سب سے پہلے تو اسے ملازمت پر بحال کیا اور پھر اسے مسٹر بھٹو کے خلاف تحقیقات پر مامور کر دیا۔

www.bhutto.org

وہ ایک ہی رات میں ایک بد دیانت افسر سے انتہائی دیانت دار شخص بن بیٹھا اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اس کی بد دیانتی کا سراغ مسٹر بھٹو کے دور حکومت میں لگایا گیا تھا۔ اس نے اپنی سحر انگیزی اور میٹھی گفتگو کے ذریعے مجھے یہ بتانے کی کوشش کی کہ عدم تعاون کے کیا نتائج ہو سکتے تھے۔ میں نے اسے سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔ بریگیڈئر نعیم نے میرے بیان کو دیکھا اور جب اسے اس میں مسٹر بھٹو کے خلاف کوئی مواد نظر نہ آیا تو وہ میرا بیان ساتھ نہیں لے کر گیا۔

اس کے فوراً بعد مجھے ایک چارج شیٹ دی گئی اور مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ حالانکہ دوسرے سرکاری ملازم جنہوں نے مسٹر بھٹو کے خلاف گواہیاں دیں، اور جنہوں نے مسٹر بھٹو کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں فوج کے ساتھ تعاون کیا، ابھی تک ملازمتوں میں ہیں۔ میں، جس کے خلاف فوجی حکام کوئی بھی الزام تلاش نہیں کر سکے، نوکری سے بلا جواز برطرف کر دیا گیا ہوں۔ میرے ملازمت کے اٹھائیس سالہ ریکارڈ پر صرف ایک نظر ڈالنے سے واضح ہو جائے گا کہ یہ اقدام کس قدر منصفانہ ہے جب مجھ کو اس قدر شدید دباؤ کا شکار بنایا جائے گا تو میں اس دباؤ کا تصور کر سکتا ہوں جو میرے سابقہ ماتحتوں پر ڈالا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے فوجی حکام سے ''تعاون'' کیا اور انہوں نے عدالت میں وہی کچھ کہا جو انہیں بتایا گیا تھا۔

میں جانتا تھا کہ سچ کہنے کی کیا قیمت مجھے ادا کرنا پڑے گی۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ صرف اور صرف سچ بولنا چاہیے چاہے اس کے لیے کتنی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے اور ہر شخص کو زندگی میں اصولوں پر ڈٹے رہنا چاہیے۔

میں یہ حلف نامہ پیش کرنے کے نتائج سے پوری طرح واقف ہوں لیکن میں سچ بات کو علی الاعلان کہنے کو اپنا فرض تصور کرتا ہوں۔

دستخط

راؤ رشید (گواہ)

17 مئی 1978ء

(راؤ رشید کو 4 جون 1978ء کو مارشل لاء ریگولیشن 12 کے تحت گرفتار کر کے اٹک جیل پہنچایا گیا تھا۔ اس خطرے کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ جیل میں انہیں زہر دیا جا رہا ہے۔)

www.bhutto.org

تیسواں باب

سابق گورنر اور سابق وزیر اعلیٰ پنجاب غلام مصطفیٰ کھر کے حلف نامے میں سے اقتباسات:

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جب میں ''حفاظتی نظر بندی'' میں تھا تو مجھے جنرل ضیاء کے پاس لے جایا گیا جس نے بڑی شدت کے ساتھ کوشش کی کہ میں مسٹر بھٹو کا ساتھ چھوڑ دوں اور مسٹر بھٹو کے خلاف جھوٹے اور من گھڑت الزامات کا انکشاف کروں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ مسعود محمود قید میں ہے اور وہ دیکھے گا کہ مسعود محمود اس سلسلے میں ایک دھماکہ خیز بیان دے کہ مسٹر بھٹو نے ذاتی طور پر اُسے ہدایت کی تھی کہ ایف آئی آر اے کے ذریعے مجھے (مصطفیٰ کھر) اور متعدد دوسرے افراد کو قتل کرا دیا جائے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کہا کہ اس قسم کے بیان سے مجھے پاکستان پیپلز پارٹی چھوڑ دینے اور مسٹر بھٹو کو سرعام اس جھوٹے واقعہ میں ملوث کرنے کا موقع مل جائے گا۔ جنرل ضیاء نے سیاسی طور پر میری پوری طرح پشت پناہی کرنے کا یقین دلایا اور کہا کہ پنجابی ہونے کے ناطے سے مجھے سیاسی افق پر ابھرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

جنرل ضیاء الحق کسی نہ کسی طریقے سے مسٹر بھٹو کو ختم کرنے کی شدید خواہش کی آگ میں جل رہا تھا۔ اقراری مجرم مسعود محمود نے جو گواہی دی ہے وہ یقینی طور پر حکام نے حاصل کی ہے تاکہ اسے مسٹر بھٹو کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔

دستخط
جی۔ مصطفیٰ کھر

2 جون 1978ء

حکومت سندھ کے سابق وزیر جام صادق علی کے حلف نامے میں سے اقتباسات:

دو ماہ قبل لندن میں مجھ سے جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل شریف

www.bhutto.org

اور جنرل فرمان علی نے دو مواقع پر ملاقاتیں کیں۔

جنرل شریف اور جنرل فرمان علی نے مجھ سے درخواست کی کہ میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کے ساتھ تعاون کروں تاکہ مسٹر بھٹو کو نام نہاد حرقتل کیس کے جھوٹے الزامات میں ملوث کر کے ان سے نجات حاصل کی جا سکے۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ اگر اس مقدمے میں مَیں اقراری مجرم بن جاؤں اور مسٹر بھٹو کے خلاف مارشل لاء حکام کی ہدایت کے مطابق گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاؤں تو میں ایک آزاد انسان کی حیثیت سے پاکستان واپس آ سکتا ہوں۔ میرے نزدیک بھٹو ایک معصوم آدمی ہیں اس لیے میں نے ان کی درخواست کے کسی بھی حصے کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

جنرل شریف اور جنرل فرمان علی کے ساتھ مجھے جو تجربہ ہوا اس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اور اگر کھر کے حلف نامے کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی روشنی میں بغیر کسی شک وشبہ کے میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جنرل ضیاء الحق کی حکومت مسٹر بھٹو سے نجات حاصل کرنے، عوام کو غلط راہ پر لگانے، ملک کی اعلیٰ عدالتوں اور بیرون ملک دوست ملکوں کو غلط راہ پر لگانے کا پختہ عہد کیے ہوئے تھی۔

دستخط

جام صادق علی

7 جون 1978ء

لاہور ہائی کورٹ میں بند کمرے کی کارروائی میں میاں عباس کے بیان سے اقتباس:

میاں عباس: حقیقی صورت حال تو یہ ہے کہ مجھے اقراری مجرم بننے کے لیے کہا گیا اور مجھے ایک منصوبہ دکھایا گیا جس پر عمل کرنا تھا لیکن میں نے چونکہ یہ مطالبہ پورا نہیں کیا اس لیے میں نے اقراری مجرم بننا گوارہ نہیں کیا البتہ ایف ایس ایف کے چند دوسرے افسروں کو اقراری مجرم بنا لیا گیا اور میری موجودگی میں ٹیلی فون کالیں کی گئیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ معاملہ کہاں تک پہنچا۔

میاں عباس نے اعترافی بیان کیوں دیا جس سے لاہور ہائی کورٹ میں اس نے انحراف کیا:

میاں عباس: مقدمے کی تفتیش کے دوران اعترافی بیان دینے کے لیے مجھ پر تشدد

www.bhutto.org

کیا گیا۔ مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے اعترافی بیان نہ دیا تو میرے پورے خاندان کو ختم کر دیا جائے گا۔ دھمکی اور دباؤ اور اقراری مجرم بنا لینے کے وعدے کی بنا پر میں مجسٹریٹ کے سامنے بیان دینے پر مجبور ہو گیا۔ یہ بیان جھوٹا ہے۔ استغاثہ نے اسی قسم کے اعترافی بیانات صوفی مصطفیٰ، رانا افتخار اور ارشد اقبال سے بھی دھمکی، دھونس اور مقدمے کے بعد معاف کر دینے کے وعدے کی بنا پر حاصل کیے۔ یہ سب کچھ مقدمے کو تیار کرنے کے لیے کیا گیا۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران بھی ایف آئی اے مجھ پر مسلسل دباؤ ڈالتی رہی۔ باقی تین ملزموں پر بھی جن کے نام اوپر دیئے گئے ہیں، مقدمے کی سماعت کے دوران دباؤ ڈالا جاتا رہا تاکہ وہ استغاثہ کی کہانی ہی بیان کرتے رہیں۔

میاں عباس کا وزیراعظم کے ساتھ کوئی رابطہ تھا؟ اس کے بارے میں میاں عباس نے کہا:

میاں عباس: اس وقت کے وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ میرا کوئی براہ راست رابطہ نہیں تھا اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت کے ساتھ میری کوئی سیاسی وابستگی تھی۔ باقی تینوں ملزم اپنے اعترافی بیانات پر اس لیے مصر رہیں گے کہ انہیں مسلسل دھمکیاں دی جا رہی اور معافی کے وعدے کیے جا رہے ہیں۔ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے اس مقدمے میں غلط طور پر ملوث کیا گیا ہے۔ گواہیاں جھوٹی ہیں اور مقدمہ من گھڑت ہے۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

اکتیسواں باب

فیصلے سے جو سوالات پیدا ہوئے

دی پیٹریاٹ.....23 مارچ 1978ء

پاکستان پر دباؤ

سزائے موت کے غیر متوقع فیصلے نے عوام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس میں بہت سے سقم ہیں۔ ایک سقم تو یہ ہے کہ درحقیقت جنرل ضیاء الحق نے تمام معاملے کو اپنے اور سابق وزیراعظم کے درمیان ذاتی تنازعہ کے طور پر لیا ہے حالانکہ سابق وزیراعظم نے دوسروں کو چھوڑ کر اسے پاکستانی فوج کا سربراہ بنایا تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جلد بازی میں کیا گیا کوئی بھی اقدام پاکستان کو خانہ جنگی جیسی صورت حال میں دھکیل سکتا ہے۔ مسٹر بھٹو کو، جو بلاشبہ پاکستانی عوام کے دلوں پر راج کرتے ہیں، موت کی سزا دینے سے پاکستان میں خون کی ہولی کھیلنے کی روایت قائم ہو جائے گی۔ اس روایت کے نقوش بڑے ہی خوفناک ہوں گے اور کوئی بھی دوست ملک اسے کسی بھی صورت میں پسند نہیں کرے گا۔

دی آئرش ٹائمز.....23 مارچ 1978ء

پاکستان تکلیف میں ہے

یوم پاکستان کی آرائش و زیبائش کے لیے کیسی ہی پریڈیں کیوں نہ ہوں، کیسے ہی جلوس اور سیاسی نعرہ بازی کیوں نہ ہو، اس بحران زدہ ملک کے عوام کے پاس ان تقریبات کو منانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس سالگرہ پر پاکستان کا سب سے قابل اور ہر لحاظ سے لائق تعظیم سویلین سیاسی رہنما موت کی کوٹھری میں پھانسی کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ انہیں اپنے ایک سیاسی مخالف کے

www.bhutto.org

قتل کا مجرم قرار دے دیا گیا ہے حالانکہ مسٹر بھٹو نے اس سے بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے لیکن عدالت نے جس کی صدارت ایک ایسا جج کر رہا تھا جس نے ملزم کے خلاف اپنی نفرت کو نہیں چھپایا، غیر اطمینان بخش سماعت کے بعد انہیں (مسٹر بھٹو کو) موت کی سزا سنائی ہے۔

دنیا بھر کے ملکوں کی حکومتوں لیبیا، اور مغربی جرمنی جیسی مختلف الخیال حکومتوں کی طرف سے رحم کی اپیلوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے عالمی رائے عامہ کو بدل دیا ہے اور اس بدلی ہوئی عالمی رائے عامہ کی وجہ سے پاکستان عالمی برادری میں پہلے سے کہیں زیادہ تنہا ہو جائے گا۔ اس کی معیشت تباہ ہو چکی ہے اور اس کی ترقی میں ناکامی نے قومی بے بسی میں اور زیادہ اضافہ کیا ہے۔ جنرل ضیاء کو کم از کم یہ جاننا چاہئے کہ اس کو تاریخ کے اس بھیانک عدالتی فیصلے کو تبدیل کر کے مسٹر بھٹو کو زندہ رہنے کی اجازت دے کر اپنے دفاع کا سب سے بہتر موقع پھر نہیں ملے گا۔

دی سپیکٹیٹر ..... 25 مارچ 1978ء

بھٹو کو دھوکا دیا گیا

ذوالفقار علی بھٹو بلاشبہ ایک۔ مطلق العنان لیکن انتہائی ذہین انسان ہیں۔ جنرل ضیاء قرون وسطیٰ کا ایک متعصب اور ایک جنونی شخص ہے جس کی پالیسیوں کا مقصد ابتدائی جمہوریت کو ختم کر کے تنگ نظر، ظالمانہ اور تضحیک آمیز تھیوکریسی کو نافذ کرنا ہے۔ یہ افسردہ اور غمگین کر دینے والی صورت حال ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے مسٹر بھٹو کے خلاف جو فیصلہ دیا ہے اس کی وجہ سے پاکستان ایک ایسے بحران کے کنارے پہنچ گیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مسٹر بھٹو اور ان کی پیپلز پارٹی کو اب بھی عوام کی بے مثال حمایت حاصل ہے۔ اگر سزا کو قائم رکھا گیا تو اس سے جمہوریہ پاکستان کو ناقابل بیان ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اسلامی دنیا کی نظر میں اس کی وقعت ختم ہو جائے گی۔

دی لندن ٹائمز ..... مسٹر بھٹو کی قسمت ..... از:۔ ہز ایکسیلینسی سفیر ہمفرے

مسٹر بھٹو کی عزت نفس اور ان کی جرأت اس بات کو برداشت نہیں کرے گی کہ وہ ایک ایسے حاکم سے رحم طلب کریں یا حاکم کی طرف سے کئے گئے رحم کو منظور کر لیں جس کی وہ کسی بھی صورت میں عزت کرنے کو تیار نہیں ہیں لیکن انصاف اور مصلحت یا خود غرضی تو ایک طرف رہی، ان

www.bhutto.org

کی پھانسی کو مسٹر بھٹو کے پہلے پانچ سالہ دور اقتدار کا ایک قرینہ ہی شاید تو اس کو انتہائی غلیظ قسم کی ناشکر گزاری کا اقدام ہی قرار دے گا۔

السٹریٹڈ ویکلی ..... 26 مارچ 1978ء

کیا بھٹو اسی کے مستحق ہیں؟

ان کا کہنا ہے کہ وہ آدمی جس نے قتل میں اعانت کی، اتنا ہی مجرم ہے جتنا وہ شخص جو گولی چلاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب لاہور ہائی کورٹ کا فل بنچ کسی آدمی کو قتل کا مجرم قرار دیتا ہے تو اس فیصلے کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو، یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اس میں دخل اندازی کرو۔

میں جانتا ہوں کہ پاکستان کے عوام کی بہت بڑی اکثریت میرے خیالات سے اتفاق کرتی ہے اور جب بھی انہیں بولنے کی اجازت ملی تو وہ یہی کہیں گے۔ ''ہم پاکستانی مارشل لاء کے زیر سایہ تھے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے پر ہمیں سرعام کوڑے مارے جا سکتے تھے ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے لیے بولے۔''

دی ہوسٹن پوسٹ ..... 28 مارچ 1978ء

سرگرم ضیاء

دولت مند اور امیرانہ آن شان والے ذوالفقار علی بھٹو نے بین الاقوامی قانون کی تعلیم یونیورسٹی آف کیلی فورنیا سے حاصل کی اور قانون میں ماسٹرز کی ڈگری آکسفورڈ سے لی۔ تیس سال کی عمر میں وہ پاکستان کی تاریخ کے سب سے کم عمر مرکزی وزیر بنے۔ فن سفارت کے ماہر کی حیثیت سے انہوں نے ماسکو سے واشنگٹن تک کے عالمی رہنماؤں سے مذاکرات کیے اور اقوام متحدہ میں اپنے ملک کی نمائندگی کی۔ 1970ء کے انتخابات میں بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے دسمبر 1971ء میں پاکستان کے صدر بنے۔ گزشتہ ہفتے جب وہ صرف انچاس برس کے تھے، کہ انہیں قتل کے جرم میں موت کی سزا دی گئی۔

اس سزا نے امریکیوں اور یورپیوں کو، جو مسٹر بھٹو کو ایک انتہائی صاف ستھرے اور

www.bhutto.org

ذہین ڈپلومیٹ کے طور پر جانتے اور یاد رکھتے ہیں، ہلا کر رکھ دیا۔ جب بھٹو صدر بنے اس وقت یحییٰ خان کی فوجی آمریت کی وجہ سے پاکستان خانہ جنگی سے دوچار تھا۔ بھٹو نے ملک کے استحکام کو مضبوط کیا۔ بھٹو پر مقدمہ حکومت کے زیر کنٹرول اخبارات کی طرف سے چلائی جانے والی نفرت کی مہم کے دوران چلایا گیا۔ ''زیادہ تر گواہیاں'' ان گواہوں نے دیں جن پر شک اور شبہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اکانومسٹ نے کہا ہے، ملک کے ایک سابق سربراہ کو پھانسی دینے سے سیاست میں ایک انتہائی بھیانک مثال قائم ہو جائے گی جس سے سیاست کا طریقہ کار تبدیل ہو کر رہ جائے گا۔

فری پریس جرنل.....30 مارچ 1978ء

خطرناک نتائج

لگتا ہے کہ بدقسمتی سے جنرل ضیاء الحق نے اس تمام معاملے کو اپنے اور سابق وزیراعظم کے درمیان ذاتی تنازعہ کے طور پر لیا ہے۔ اس قطعی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جلد بازی کے اس اقدام سے ملک شدید عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا اور ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان کے موجودہ حالات میں مسٹر بھٹو کا دفاع قانون کے معمول کے طریق کار کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی واضح ہے کہ عدالت نے جرم کا اعتراف کرنے والے مجرم مسعود محمود کے اعترافات کو اپنے فیصلے کی بنیادی وجہ بنایا ہے۔ مسعود محمود فیڈرل سکیورٹی فورس کا سابق ڈائریکٹر ہے جسے اقراری مجرم بننے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ بہترین قانونی حالات میں بھی اس قسم کے اقراری مجرم کو ماہر قانون دان ہمیشہ مشکوک قرار دیتے ہیں۔

مسٹر بھٹو کو، جو بلاشبہ پاکستان کے عوام کے محبوب ترین رہنما ہیں، پھانسی دے کر پاکستان میں قتل و غارت گری کی روایت قائم کر دی جائے گی جو پاکستان کے افق کو خون آشام بنا کر رکھ دے گی۔

دی گارڈین.....یکم اپریل 1978ء

www.bhutto.org

ضیاء کے دروازے سے باہر چیخیں

آج بہت سے پاکستانی خوف اور شدید افسردگی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ خوف اور افسردگی بڑھ رہی ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ مسٹر بھٹو کی پھانسی کوئی قابل قبول حل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس بہتری کی طرف جانے والے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔

دی مدراس.....14 اپریل 1978ء

''قومی حکومت'' کے لیے جنرل ضیاء کی چالیں

مظاہروں نے، جن میں طلباء، مزدور، متوسط طبقہ اور کسان شامل ہو گئے ہیں، پنجاب اور سندھ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ان مظاہروں کے اثرات دو چھوٹے صوبوں بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ پر بھی ہوئے ہیں۔ ان ہنگاموں سے پریشان مارشل لاء انتظامیہ کو سیاسی سرگرمیوں پر مزید غیر معینہ مدت کے لیے پابندی لگانے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل ان پابندیوں میں نرمی کرنے کے وعدے کیے جا رہے تھے۔

فوجی جنتا نہیں جانتی کہ اقتصادی، سیاسی اور نظریاتی مسائل کو کیسے حل کیا جائے۔ وہ صرف ظلم اور جبر کی زبان جانتی ہے۔ اس نے پابندیوں کی پالیسی کے ذریعے، پولیس کے ذریعے، نظر بندیوں کے ذریعے، وحشیانہ سزاؤں اور پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس جیسے غیر مقبول قوانین کے نفاذ کے ذریعے پاکستان میں تمام جمہوری حقوق اور شہری آزادیوں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔

یہ سب سیاست کو پاک کرنے کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ سول حکومت کی بحالی کے لیے زمین ہموار کرنے کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ بھٹو ازم کو نیست نابود کرنے کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ ان سیاسی جماعتوں اور سیاسی افراد کو، جو مسٹر بھٹو کی سیاست کے مخالف تھے اور جنہوں نے فوجی حکومت کے مقصد کو اپنا مقصد بنا لیا تھا، اب محسوس ہوا ہے کہ ان کی سیاسی خوش بختیاں جنرل ضیاء اینڈ کمپنی کی خوش نصیبی سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ ڈوب رہی ہیں۔ پاکستان کی سیاست اب غیر یقینی ہو کر رہ گئی ہے۔

پاکستان کے عوام جو انتہائی کرب میں سے گزر رہے ہیں، کو بہت زیادہ ہمدردی کی ضرورت ہے تاکہ وہ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر سکیں۔

دی آبزرور.....9 اپریل 1978ء

www.bhutto.org

ناخوش اور ناراض آمر پاکستان کو تباہی کے دھانے پر لے گیا ہے

جنرل ضیاء کی اس جستجو نے کہ پاکستان ''مستحکم'' ہو اور اسے ایک ''پاک صاف'' انتظامیہ چلا رہی ہو، ملک کو ایک شدید بحران میں دھکیل دیا ہے۔ مسٹر بھٹو پہلے سے کہیں زیادہ مقبول ہیں۔

اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گئی تو کچھ لوگوں کو خطرہ ہے کہ پاکستان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ انہیں کا خیال ہے کہ ملک کے چار صوبے یوں تقسیم ہوں گے کہ شمال مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان افغانستان اور ایران کے پاس چلے جائیں گے جبکہ دونوں اکثریتی صوبے یعنی سندھ اور پنجاب یا تو آزاد ہو جائیں گے یا بھارت کا حصہ بن جائیں گے۔

اگرچہ اس قسم کے خیالوں کو پاکستان میں غداری سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد اسی طرح سوچ رہی ہے۔

ایک ذہین اور خوشحال کسان نے جس کے بچے جوان ہیں، کہا ''یہاں میرا کوئی مستقبل نہیں ہے'' ''کیوں۔'' میں نے پوچھا اور اس کے جواب میں اس نے صرف کندھے ہلا دیئے۔ اس سے میں نے خیال لیا کہ شاید اس کی بات کا تعلق قومی عدم یکجہتی کے نظریہ سے ہے اور جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بہت آسان جواب دیا کہ ''ہاں''

دی گارڈین..... 17 مئی 1978ء

پاکستانی فوجی کی انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے ایک بیس سالہ شاہانہ تمکنت رکھنے والے میجر طاہر علی سے جب میں کل ملا تو وہ بڑے ہی شاہانہ موڈ میں تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں، جسے سرسری سماعت کی فوجی عدالت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کرسی پر سر پیچھے ڈالے بیٹھا ہوا تھا، میجر علی نے مجھے بے دلی سے خوش آمدید کہا۔ ''تمہارے جیسے چار سے ابھی ابھی یہاں مل چکا ہوں'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''پانچ منٹوں میں ہر مقدمے میں چھ چھ ماہ قید کی سزا دی ہے۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ صدر ضیاء اس قدر احمق بھی ہو سکتا ہے۔'' کل ہی ایک ممتاز ایڈیٹر نے مجھ سے یہ بات کہی۔ ''اسے جاننا چاہئے کہ اس قسم کی سزاؤں کے نتائج برے ہوں گے۔ ہر کوئی اس کی مذمت کرے گا۔ اس قسم کے اقدامات سے وہ ایک ایسا ظالم شخص لگتا ہے جس

www.bhutto.org

کے دماغ میں یہ بات آ گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر تنقید نہ کرے۔ چھ ہفتے قبل جنرل ضیاء نے ریڈیو اور ٹی وی پر عوام سے خطاب کیا اور پاکستانی اخبارات میں شر پسند عناصر کی موجودگی کی شکایت کی۔ ''میں انہیں کچل کر رکھ دوں گا اور میں انہیں گھٹنوں سے باندھ کر الٹا لٹکا دوں گا۔'' جنرل ضیاء نے مزید کہا ''میں انہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ان کی نسلیں بھی نہیں بھولیں گی۔'' اپنے اس اعلان کے بعد اس نے اخبارات میں چھپے ہوئے نام نہاد شر پسندوں کے خلاف کارروائی پورے زور و شور سے شروع کر دی ہے۔ جنرل ضیاء نے جو کچھ کہا اس کے بارے میں کوئی بات نہ کہنا ہی بہتر ہے اور اسی میں عقلمندی ہے۔''

دی لندن ٹائمز..... 22 مئی 1978ء

شاہ دفاع کو مضبوط بنا رہا ہے

اس حقیقت کو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ جب سے ایران کے قریبی دوست مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، سابق وزیر اعظم پاکستان، کو سزائے موت سنائی گئی ہے، اسلام آباد میں پیدا ہونے والی صورت حال پر ایران کو سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے شاہ نے واضح کر دیا ہے کہ اگر انہوں نے محسوس کیا کہ صورت حال پر جنرل ضیاء کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے تو وہ مداخلت کریں گے۔ شاہ کی اس بات سے یہ خطرہ بڑھ گیا ہے کہ پاکستان ٹوٹ بھی سکتا ہے۔

دی فنانشل ٹائمز..... 22 مئی 1978ء

ایران نے دھمکی دی ہے کہ اگر سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کیا گیا تو وہ پاکستان کو دی جانے والی اقتصادی امداد بند کر دے گا۔ یہ اقتصادی امداد دو سو ملین ڈالر اور تین سو ملین ڈالر کے درمیان ہے۔ یہ بات سرکاری ذرائع نے کل پاکستان کی سپریم کورٹ میں مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت شروع ہونے سے ذرا پہلے بتائی۔ سفارتی ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ایران اور مغربی ممالک کی طرف سے پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ ایران نے سرعام مسٹر بھٹو کے لیے رحم کی اپیل کی ہے اور حکومت نے بتایا ہے کہ اس مقدمے کے بارے میں دونوں ملکوں کے درمیان ''بہتر رابطے'' قائم ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ شاہ کو ایران کے

www.bhutto.org

مشرقی ہمسایہ کے استحکام پر سخت تشویش ہے۔ افغان انقلاب نے پاکستان کے پٹھانوں اور بلوچیوں میں علیحدگی کی تحریک کو مہمیز لگائی ہے۔

دی کویت ٹائمز..... 21 جون 1978ء

بھٹو پر چین کا جھگڑا

سزا یافتہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے مستقبل کی وجہ سے پاکستان اور چین کے درمیان روایتی دوستانہ تعلقات میں بحران پیدا ہو گیا ہے۔

اتوار کو چیف مارشل لاء ایڈمسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے اسلام آباد میں دو بار چینی وزیر خارجہ ہوانگ ہوا سے ملاقات کی۔ سفارتی ذرائع کا کہنا ہے کہ دونوں رہنماؤں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا محور چین کا یہ مطالبہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ مسٹر بھٹو کو رہا کیا جائے بلکہ انہیں ان کے عہدے پر بحال کیا جائے۔

ان ذرائع کا کہنا ہے کہ ایران اور چین دونوں ہی افغانستان کے انقلاب کے دوررس نتائج پر پریشان ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس انقلاب کے ذریعے روس اس علاقے میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے پر تلا ہوا ہے۔ ایران کے شاہ اور ہوانگ ہوا افغانستان کے غیر جانبداری کے دعوے پر یقین نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہیں کہ کابل، تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ ان دونوں رہنماؤں کا کہنا ہے کہ صرف بھٹو ہی ایسا شخص ہے جو روس کو مات دے سکتا ہے اور صرف بھٹو ازم ہی ایک ایسی پالیسی ہے جو کریملن کے مقاصد کو ختم کر سکتی ہے۔ سفارتی ذرائع نے مزید کہا ہے کہ ایران اور چین دونوں ہی اپنے مطالبے پر اصرار کر رہے ہیں اور انہیں نے اس خیال کو بھی ہوا دی ہے کہ اگر جنرل ضیاء نے ان کی بات نہ مانی تو پاکستان کو ان دونوں ملکوں سے ملنے والی فوجی اور اقتصادی امداد بند کر دی جائے گی۔

دی نیویارک ٹائمز..... 24 جون 1978ء

بھٹو کی قسمت

بنیادی حقیقت یہ ہے کہ فوج پاکستان میں واحد عوامی قوت ہے اور پاکستان پر ایک

www.bhutto.org

طویل عرصے تک حکومت کرنے کی وجہ سے اس نے یہ سوچ لیا ہے کہ حکومت کرنا اس کا فطری حق ہے۔ فوج کی حکومت نے عام طور پر سیاسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ 1970ء میں یہ فوج خانہ جنگی، غیر ملکی جنگ، شکست، علیحدگی اور ملک کے حصے بخرے میں برباد ہو کر رہ گئی۔

تباہی کے اس لمحے یہ مسٹر بھٹو ہی تھے جنہوں نے بقیہ پاکستان کو بچایا۔ انہوں نے پاکستان کو مزید ٹوٹنے سے بچایا۔ پاکستان کے زندہ رہنے کی قابلیت اور اہلیت کو بحال کیا، پاکستان کی آزادی اور اس کی اخلاقی حالت کو مستحکم کیا۔ تاہم اندرون ملک انہوں نے جو اصلاحات کیں، کچھ لوگوں کے لیے وہ انتہا پسندانہ تھیں۔ اسی دوران شکست خوردہ جرنیلوں نے اپنی قوت کو بحال کیا اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پہلا وار انہوں نے مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش پر کیا۔ مغربی پاکستان میں جرنیلوں کو کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ لیکن جولائی 1977ء میں انہیں بھی موقع ہاتھ آ گیا۔ پہلے تو وہ اس امید پر رہے کہ مسٹر بھٹو کو انتخابات کے ذریعے اقتدار سے علیحدہ کر دیا جائے بالکل ایسے ہی جیسے بھارت میں مسز اندرا گاندھی کو انتخابات کے ذریعے اقتدار سے الگ کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب اس میں انہیں ناکامی ہوئی تو انہوں نے طاقت کے ذریعے ایسا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان پر انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ان کی جگہ جنرل محمد ضیاء الحق، مغرب کے ضیاء، کی موجودہ فوجی حکومت قائم کر دی گئی۔ اس ضیاء نے نیکی کے دعوے کے ساتھ آغاز کیا۔ اس نے فوجی حکومت کے منصوبے سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اس نے آزادانہ انتخابات کا وعدہ کیا۔ اس نے پریس کی آزادی کا اعلان کیا۔ ہم اس کے کیے ہوئے وعدوں پر بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اب جبکہ فوجی حکومت قائم کر دی گئی ہے تمام تر سیاست پر پابندی عائد کی جا چکی ہے اب نہ تو انتخابات کی کوئی شکل نظر آتی ہے اور نہ ہی پریس کی آزادی کی۔ اخبار نویسوں کو کوڑے مارے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں بہت سے پاکستانی مسٹر بھٹو کو یاد کرنے لگے ہیں جو گزشتہ بیس برسوں کے دوران واحد سویلین حکمران تھے۔ اب یہی لوگ انہیں واحد سیاست دان قرار دیتے ہیں جس کی حیثیت بہت بلند ہے، جنہوں نے پاکستان کو بہت کچھ دیا اور جو خود بین الاقوامی سیاست میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

اس قسم کی ناخوشگوار صورت حال کا سامنا ہونے کی وجہ سے جنرل ضیاء نے اپنا لائحہ عمل اس کے مطابق ہی تیار کرنا تھا۔ لگتا ایسے ہے کہ پہلے تو اس نے مسٹر بھٹو کو صرف اقتدار سے ہٹانے کا سوچا تھا۔ اس وقت بھی جب مسٹر بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ شروع کیا گیا تو جنرل ضیاء نے

www.bhutto.org

سزائے موت دینے کا نہیں سوچا تھا۔ اس کا خیال یہی تھا کہ پانچ سال کی سزائے قید ہی مسٹر بھٹو کے سیاسی کیریئر کو ختم کر دے گی اور ضیاء کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ واضح ہوتا چلا گیا کہ یہ کافی نہیں ہوگا۔ مسٹر بھٹو اس قسم کی سزاؤں سے بہت بڑے تھے۔ انہیں اس قسم کی سزا دے کر روکا نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں نااہل قرار دینا، قید کر دینا یا ملک سے نکال دینا بے معنی باتیں ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان تمام صورتوں میں وہ ایک خطرہ تھے۔ وہ جب تک زندہ رہتے جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے لیے خطرہ ہی بنے رہتے۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ جنرل ضیاء مشرق میں اپنے ساتھی کی طرح یہی چاہتے ہیں کہ سرسری اقدام کے ذریعے مسٹر بھٹو اور ان کے خاندان ہی کو ختم کر دیا جائے۔

مارچ میں لاہور ہائی کورٹ نے جب سزائے موت سنائی تو جنرل ضیاء نے خود کو محفوظ خیال کیا۔ لیکن صورت حال میں ایک نئی تبدیلی آئی۔ سیاست دانوں کو قتل کرنا ایک ایسا کھیل ہے جس میں دو آدمی شامل ہو سکتے ہیں اور پھر افغانستان میں آنے والے انقلاب نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ کس طرح غاصب فوجی حکمرانوں کا تختہ الٹا جا سکتا ہے بلکہ یہ انقلاب پاکستان کے لیے ایک براہ راست خطرہ بن گیا۔ عظیم تر افغانستان کی خواہش کو دوبارہ زندہ کرتے ہوئے کابل کی کمیونسٹ حکومت نے پاکستان کو مکمل طور پر ختم کرنے کے اس خطرہ کو دوبارہ پیدا کر دیا جس سے مسٹر بھٹو نے اپنے ملک کو 1970ء میں بچایا تھا۔

یہ صورت حال مسٹر بھٹو کے مستقبل کو کس طرح متاثر کرے گی؟ اگر جنرل ضیاء قومی مفادات کو ترجیح دیتا ہے تو پھر وہ ملک کو ایسے خطرے سے دوچار نہیں ہونے دے گا جس سے پاکستان ٹوٹ جائے۔ وہ درمیانے راستے کے تمام امکانات کو برباد کر کے مسٹر بھٹو کے حامیوں کو انڈر گراؤنڈ نہیں جانے دے گا۔ ایک انتہائی خطرناک بیرونی خطرے کی موجودگی میں اندرونی صورت حال میں سمجھوتے کی راہ نکالنا اس کے لیے بے حد ضروری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا جنرل ضیاء ملک کے مستقبل کو جاننے اور مستقبل کے لیے بہترین راہیں تلاش کرنے کی اہلیت رکھتا ہے؟ کیا وہ ذاتی انتقام میں بہت آگے تک نہیں جا چکا؟ ایسی صورت میں جب اس نے اپنا سر ریت میں دبا رکھا ہے۔ کیا وہ دلیل اور منطق کی آواز سن سکے گا؟ اور پھر فوج کے اتحاد کا کیا ہوگا جو پہلے ہی حاصل کیا جا چکا ہے۔؟

لونووِیل آبزرویٹیور...... 5 جون 1978ء

www.bhutto.org

تمام تر حمایت علی بھٹو کے لیے

''اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ایران اقتصادی امداد بند کر دے گا۔'' ایران کی طرف سے یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب موت کی سزا پانے والے پاکستان کے سابق وزیر اعظم کی اپیل کی سماعت شروع ہوئی ہے۔ ایرانی وزیر اعظم کے اس اعلان نے پاکستانی حکام کو سخت تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور پاکستانی سفیر نے سراسیمگی کی حالت میں جو تردید کی ہے وہ کسی کو مطمئن نہیں کر سکی۔ ایران نے یہ رویہ انسانی بنیادوں پر اختیار کیا ہے اور اس میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ تاہم دوسری طرف یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ یہ رویہ اس لیے اختیار تو نہیں کیا گیا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان بڑھتے ہوئے تعلقات پر شاہ کو تشویش ہے یا ایران نے پاکستان کے بارے میں یہ موقف ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ (ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکی حکومت نے، دو یا تین ملکوں کو چھوڑ کر تمام دنیا کی حکومتوں کی طرح مسٹر بھٹو کے لیے رحم کی اپیل اس خطرے کے پیش نظر کی تھی کہ پھانسی پر عمل درآمد سے پاکستان عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا جس سے اس پورے علاقے کا سٹریٹیجک کردار ایسا ہو جائے گا جس سے سب کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے)

5 جولائی 1977ء کو اقتدار پر قبضہ کرنے پر جنرل ضیاء نے وعدہ کیا تھا کہ اکتوبر میں ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ آج اس کا کوئی سوال نہیں ہے۔ انتخابات کرانے کا معاملہ نظر ہی نہیں آ رہا۔ خاص طور پر بھٹو کے فیصلے سے پہلے تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جب تک مسٹر بھٹو کے 994 ساتھیوں کا، جو ان کے ساتھ حکومت میں شامل تھے، فیصلہ نہیں ہو جاتا، ملک میں انتخابات کرانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ''ہم اس وقت تک انہیں انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دے سکتے جب تک ہم ان لوگوں کی بے گناہی کے بارے میں مطمئن نہیں ہو جاتے۔'' یہ اعلان ''دیانت دار'' فوجی حکمرانوں کا ہے جو یہ نہیں بتاتے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے مسئلہ کا حل یہ تجویز کیا ہے کہ نئے امیدوار سامنے لا کر انتخابات کرا دیئے جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء حکومت انتخابات اس لیے کرانے کی خواہش مند نہیں ہے کہ وہ جانتی ہے کہ یہ لہر مسٹر بھٹو کی حمایت میں ہوگی۔ اس لیے اگر کاروباری اور انڈسٹریل طبقہ

www.bhutto.org

پُر امن حالات کی بحالی پر مطمئن بھی ہو تو مزدور، کسان اور چھوٹے ملازمین اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ فوجی جنتا جو چاہے کر لے، ان کا سفیر بھٹو ہی ہے اور وہی ایسا شخص ہے جس نے ان کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ بھٹو سے پہلے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تھا جیسے ہم جانور ہوں۔ بھٹو نے ہمیں سکھایا کہ ہم انسان ہیں۔ لیکن آج پھر ہمارے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کم از کم ہماری ملازمتوں کو تحفظ حاصل تھا۔ آج اگر ہم احتجاج کریں تو ہمیں بغیر کوئی وجہ بتائے نوکریوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ متوسط طبقہ بھی خود کو انتہائی برے حالات میں محسوس کرتا ہے۔ ایک اعلیٰ افسر نے کہا ''ہمارے تمام وزارتوں میں فوجی افسر گھس آئے ہیں جو ہماری سرگرمیوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ بالکل نالائق لوگ ہیں اس سے پہلے کبھی ملک پر ایسا برا وقت نہیں آیا تھا۔''

''مدبر بھٹو کی عدم موجودگی بری طرح محسوس ہوتی ہے۔''

www.bhutto.org

بتیسواں باب

بادشاہوں، صدور، وزرائے اعظم، پارلیمینٹوں کی اپیلیں

ہز امپیریل میجسٹی دی شاہ آف ایران

کیہان انٹرنیشنل نے معتبر ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو بدلنے کے لیے ایرانی حکومت کا پاکستانی حکومت کے ساتھ رابطہ تھا۔ شہنشاہ نے پاکستان کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا ہے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینا پاکستان کے مفاد میں نہیں ہوگا اور اس سے مستقبل میں پاکستان کے مفادات کو شدید دھچکا لگے گا۔

سوویت یونین کے صدر لیونڈ برزنیف

''مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دینے سے ہمارے ملک کے عوام کی بہت بڑی اکثریت کو بے حد دکھ ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کا ردعمل یہی ہوگا۔''

صدر برزنیف نے پاکستان کے صدر سے کہا کہ ''سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر مہربانی کریں اور ان کو سزائے موت نہ دیں۔'' آخر میں سوویت یونین کے صدر نے کہا کہ ''ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور سوویت یونین دونوں نے ایک دوسرے کے درمیان دوستانہ تعلقات کو مزید فروغ دینے کے امکانات کو ختم نہیں کیا ہے۔ ہماری مخلصانہ کوشش یہ ہے کہ ان فروغ پذیر تعلقات کے افق صاف رہیں اور ان میں کہیں خرابی نہ پیدا ہو۔''

لیبیا کے صدر معمر قذافی

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نام اپنے خط میں صدر قذافی نے ان سے کہا ہے کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت میں وہ ذاتی مداخلت کریں۔ انہوں نے کہا کہ مقدمے کے قانونی وصف کو ایک طرف رکھتے ہوئے ''یہ سزا اخلاقی، سیاسی یا سماجی طور پر قابل قبول نہیں ہے۔''

www.bhutto.org

صدر قذافی نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے جرأت مندانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور اس کے بعد دنیائے اسلام میں ان کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ انہی کی جرات تھی کہ 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد ممکن ہوا اور مسٹر بھٹو اس کانفرنس کے ابھی تک چیئرمین ہیں۔

صدر قذافی نے کہا ''چیئرمین بھٹو وہ رہنما ہیں جنہوں نے نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ کے سوال پر صرف امریکہ اور اس کے حواریوں سے ہی جنگ نہیں کی بلکہ دوسرے تمام چیلنجوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ کرنل قذافی نے مزید کہا کہ سزائے موت پاکستان کے عوام کی اکثریت کے لیے ایک بہت بڑا سیاسی اور سماجی چیلنج ہے۔ عوام کو آج بھی پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت اور دنیائے اسلام پر مکمل اعتماد ہے۔

صدر کے نام تار

اپنے تار میں صدر قذافی نے جنرل ضیاء الحق کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کے خط کا فوری جواب دیا۔ صدر قذافی نے جنرل ضیاء سے درخواست کی کہ ''سابق وزیراعظم کو موت سے بچانے کے لیے وہ ذاتی طور پر سیاسی اقدام کی ابتداء کریں۔'' انہوں نے اس خوف کا اظہار کیا کہ مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت پر عملدرآمد سے پاکستان کی سیاست میں ایک ایسی مثال قائم ہو جائے گی جس سے بعد میں کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔

تنظیم آزادی فلسطین کے چیئرمین یاسر عرفات

تنظیم آزادی فلسطین کے چیئرمین یاسر عرفات نے 18 مارچ 1978ء کو جنرل ضیاء الحق کو ایک تار بھیجا۔ اسی روز مسٹر بھٹو کو موت کی سزا سنائی گئی تھی۔

یاسر عرفات نے کہا تھا کہ پاکستانی عوام اور فلسطین کی آزادی کی جنگ لڑنے والے فلسطینی عوام کے درمیان موجود بھائی چارے اور دوستی کے رشتوں کے نام پر سزائے موت ختم کر دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کا فیصلہ اس بدبخت لمحے میں سنا جب وہ جنوبی لبنان کی عرب سرزمین پر ہونے والی صیہونی جارحیت کا مقابلہ کر رہے تھے یاسر عرفات نے سزائے موت کو بدلنے کے لیے جنرل ضیاء کا پیشگی شکریہ ادا کیا۔

www.bhutto.org

سعودی عرب کے شاہ خالد

سعودی عرب کے شاہ خالد نے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت سے پاکستان میں پیدا ہونے والی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس سزا کو بدل دیا جائے۔ شاہ خالد نے صدر اور جنرل ضیاء الحق کو پیغامات بھیجے ہیں جن میں انہوں نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو ختم کرنے کی اپیل کی۔ انہوں نے یہ پیغامات لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سزائے موت سنائے جانے کے چند روز بعد ہی بھیج دیئے۔ اگرچہ ان پیغامات کی تفصیلات نہیں مل سکی ہیں بہرحال یہ معلوم ہوا ہے کہ ان پیغامات میں سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات اور سعودی عرب اور اسلام کے لیے چیئرمین بھٹو کی شاندار خدمات کا بڑے واضح انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ سعودی عرب کے سفیر نے صدر اور جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کی اور انہیں شاہ خالد کے پیغامات دیئے۔

متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زید بن سلطان النہیان

شیخ زید نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت ختم کرنے کے لیے جنرل ضیاء سے جو اپیل کی ہے اس میں کہا ہے ''ہم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ فیصلہ عدالتی اتھارٹی نے دیا ہے۔ لیکن دونوں ملکوں کے درمیان موجود بھائی چارہ اور کبھی نہ ختم ہونے والے تعلقات کے پیش نظر متحدہ عرب امارات کے صدر اور عوام پاکستانی عوام کے جذبات کے احترام اور دنیائے اسلام کے لیے مسٹر بھٹو کی عظیم خدمات اور خصوصاً دنیائے عرب کے لیے ان کی عظیم الشان خدمات کے پیش نظر ہم آپ کی نرم دلی اور احسان مندانہ جذبات سے اپیل کرتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو ختم کرنے کے لیے آپ اپنے تمام تر اختیارات کو استعمال میں لائیں۔ ہم بڑے اعتماد کے ساتھ آپ سے یہ اپیل اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ قانون سے زیادہ رحم کی بالادستی میں یقین رکھتے ہیں۔

عوامی جمہوریہ چین کے چیئرمین ہوا کوفینگ

صدر اور جنرل ضیاء کو علیحدہ علیحدہ پیغامات میں چیئرمین ہوا کوفینگ نے مسٹر بھٹو کو سزائے موت دینے کے فیصلے پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ پیغام میں کہا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو پاک چین تعلقات کے معمار ہیں اور گذشتہ دس برسوں میں انہوں نے دونوں ملکوں اور ان کے عوام کے درمیان تعلقات کو خوشگوار اور مستحکم بنانے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش

www.bhutto.org

نہیں کیا جا سکتا۔ پیغام میں چین کے ساتھ مسٹر بھٹو کے پرانے رشتوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ آنجہانی چیئرمین ماؤزے تنگ اور وزیراعظم چواین لائی مسٹر بھٹو کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ مسٹر بھٹو کی بیس سالہ طویل کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات اس سطح تک پہنچ چکے ہیں کہ پاکستان کے ہر حصے کے لوگ ان رشتوں کا دل سے احترام کرتے ہیں۔

پیغام میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو نے پاکستان اور چین کے درمیان خیر سگالی اور محبت کے رشتوں کو مضبوط کرنے میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اس لیے چین میں ان کو بے حد احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پیغام میں کہا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو نے پاکستان کے وقار کو فروغ دینے میں جو شاندار کردار ادا کیا ہے، اگر اس کا احترام کرتے ہوئے ان کی سزائے موت کو ختم کر دیا جائے تو بیجنگ اس اقدام کو دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کے جذبے کا احترام تصور کرے گا۔

اسلام آباد میں چین کے سفیر نے صدر اور جنرل ضیاء الحق سے ملاقاتیں کیں۔ عام خیال ہے کہ انہوں نے دونوں رہنماؤں کو یہ باور کرایا کہ چین نے پاکستان کو جو کچھ دیا ہے وہ صرف اور صرف مسٹر بھٹو کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ خیال ہے کہ پیغام میں کہا گیا کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو ختم کرنا خود پاکستان کے مفاد میں ہے اور اگر سزائے موت پر عملدرآمد کیا جاتا ہے تو اس سے پاکستان کے مفادات پر شدید ضرب پڑے گی۔

شام کے صدر حافظ الاسد

جنرل ضیاء الحق کے نام ایک ذاتی پیغام میں صدر اسد نے کہا ہے کہ اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین کی حیثیت میں مسٹر بھٹو نے دنیائے اسلام کے مفادات اور مقاصد کے حصول کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ عربوں کے مفاد اور پاکستان کے قومی مفاد کے لیے مسٹر بھٹو کی خدمات کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پیغام میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسلام، عرب دنیا اور پاکستانی قوم کے لیے مسٹر بھٹو کی عظیم الشان خدمات کے پیش نظر ان کو دی جانے والی سزائے موت ختم کی جائے۔ (بی بی سی رپورٹ)

سوڈان کے صدر جعفر النمیری

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نام اپنے پیغام میں صدر جعفر النمیری نے اپیل کی ہے

www.bhutto.org

کہ سابق وزیراعظم کو جو سزائے موت سنائی گئی ہے، اسے ختم کر دیا جائے۔ (بی بی سی رپورٹ)

مصر کے صدر انوار السادات

جنرل ضیاء کے نام ایک پیغام میں مصر کے صدر انوار السادات نے اپیل کی ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے سابق صدر اور وزیراعظم مسٹر بھٹو کو جو سزائے موت سنائی ہے، اسے ختم کرنے کے لیے جنرل ضیاء ذاتی طور پر مداخلت کریں۔ (بی بی سی رپورٹ)

کویت کے امیر شیخ عیسیٰ بن صالح

کویت کے امیر نے جنرل ضیاء الحق کو ایک تار بھیجا ہے جس میں انہوں نے اپیل کی ہے کہ مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیا جائے۔

ترکی کے صدر فہری کورو ترک

''اخباری اطلاعات کے ذریعے مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے ہمارے دوست، بھائی اور حلیف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق وزیراعظم ہز ایکسیلنسی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت سنائی ہے۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کا سوچے بغیر یا لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے پر کوئی بات کہے بغیر میں آپ سے بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ عزت مآب جناب ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔ میں پندرہ برسوں سے مسٹر بھٹو کو پاکستان کی اعلیٰ ترین سیاسی شخصیات میں سے ایک بہترین سیاستدان اور مدبر کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ ان کی سزا کو انسانی نکتہ نظر سے ختم کرنا بہتر اقدام ہوگا۔

جمہوریہ ترکیہ کے سربراہ ریاست اور ایک پرانے سپاہی کی حیثیت میں، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پاکستان کے عظیم بیٹے کی جان بچانے کے لیے ذاتی اثر و رسوخ استعمال کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر بھٹو پاکستان کی تاریخ میں اعلیٰ مقام حاصل کریں گے اور ترکی پاکستان تعلقات کو موجودہ سطح پر لانے کے لیے مسٹر بھٹو نے جو ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہماری تاریخ کا شاندار حصہ بنیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر بھٹو اپنی ذہانت، علم اور بصیرت کے ذریعے پاکستان، پاکستان کے عوام اور پوری دنیا کے عوام کی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔''

www.bhutto.org

ترکی کے وزیراعظم بلند ایجوت

''جناب عالی! لاہور ہائی کورٹ نے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو جو سزائے موت دی ہے، مجھے اس پر اپنے خیالات واحساسات کا اظہار کرنے کی اجازت دیجیے۔

پاکستانی عوام کے ایک قریبی دوست اور مخلص بھائی کے طور پر میں آپ کے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا سوچ بھی نہیں سکتا اور نہ ہی ہائی کورٹ کے فیصلے پر اپنا فیصلہ دینے کی خواہش رکھتا ہوں۔ لیکن میں یہ تجویز پیش کرنے پر خود کو مجبور محسوس کرتا ہوں کہ اس شدید سزا کو ختم کرنے کے لیے آپ کا رحمدلانہ اقدام پوری دنیا میں اچھا تاثر قائم کرے گا۔ اس پوری دنیا میں ترک عوام بھی شامل ہیں۔

اس قسم کا رحمدلی کا اقدام ملک میں مکمل جمہوریت کی بحالی کے لیے بھی سازگار فضا پیدا کرے گا۔ تعمیر وترقی کے اس مرحلہ پر تبدیل ہوتے ہوئے سماجوں میں جمہوریت کو تحفظ دینے کی راہ میں جو مشکلات حائل ہیں، ان سے سبھی بخوبی واقف ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ترک عوام کی طرح پاکستانی عوام بھی جمہوریت کے عظیم تصور سے محبت کرتے ہیں اور وہ اس راہ میں حائل ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن سزائے موت جیسے اقدامات پر عمل درآمد کر کے اس راہ میں حائل مشکلات میں اضافہ ہوگا بلکہ جمہوریت کے فروغ کی راہ میں مزید کانٹے پیدا ہو جائیں گے۔

گذشتہ برس اپنے دورہ ترکی کے دوران اور دوسرے مواقع پر آپ نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ آپ پاکستان میں جلد سے جلد جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے ان اعلانات کے خلوص پر یقین کرتے ہوئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری تشویش کو سمجھیں گے اور اپنے ملک کی برسوں تک خدمت کرنے والے سیاسی رہنما کو دی جانے والی سزائے موت کے فیصلہ پر نظرثانی کرنے پر غور فرمائیں گے۔

قطر کے امیر شیخ خلیفہ بن حامد التھانی

قطر کے امیر نے جنرل ضیاء الحق کے نام اپنے تار میں مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو ختم کرنے اور انہیں معاف کر دینے کی اپیل کی ہے۔

امیر قطر نے معاف کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسلام میں معافی کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ امیر کویت نے کہا کہ سابق وزیراعظم ابھی تک اسلامی سربراہی کانفرنس

www.bhutto.org

کے چیئرمین ہیں۔ امیر قطر نے جنرل ضیاء سے کہا ہے کہ وہ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تمام زندگی ان خدمات سے بھری پڑی ہے جو انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے انجام دیں۔ امیر کویت نے جنرل سے درخواست کی ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو معاف کرنے کے لیے وہ اپنے تمام تر اختیارات کو استعمال میں لائیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس اپیل اور باقی اسلامی دنیا کے ممالک کے سربراہوں کی اپیلوں سے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔

جنرل ضیاء کے نام اپنی دوسری اپیل میں امیر آف قطر نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے درخواست کی ہے کہ وہ معافی کا راستہ اختیار کریں جس کو اسلام میں بہت زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ امیر نے کہا کہ اسلامی دنیا مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو احترام کی نظر سے دیکھتی ہے اور سابق وزیراعظم اپنی گرفتاری تک اسلامی سربراہی کانفرنس کے سربراہ کی حیثیت سے شاندار خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ قطر کے امیر نے امید ظاہر کی کہ جنرل مسٹر بھٹو کی پوری زندگی کو اپنے سامنے رکھیں گے جو اپنے ملک اور دین کے لیے بہترین خدمات سے عبارت ہے۔

انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر آدم ملک

انڈونیشیا کے وزیر خارجہ مسٹر آدم ملک نے صدر پاکستان سے اپیل کی ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔ انہوں نے یہ اپیل پاکستان کے صدر کے نام اپنے ایک تار میں کی۔

بھارت کی سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی

بھارت کی سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اپیل کی ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت میں کمی کر دی جائے۔ مسز اندرا گاندھی نے یہ اپیل اس پریس کانفرنس کے بعد کی جس میں پاکستانی سفارتکاروں نے جنتا کے موقف کو پیش کیا تھا۔

بنگلہ دیش کے سیاسی رہنما مسٹر مسیح الرحمان

سابق مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ اور نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مسٹر مسیح الرحمان نے اقوام متحدہ سے اپیل کی ہے کہ سابق وزیراعظم بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کے معاملے میں فوری طور پر مداخلت کرے اور اس سزا میں تخفیف کرانے کی کوشش کرے۔ مسٹر مسیح الرحمان نے صدر پاکستان سے ایسی ہی اپیل کی ہے۔

www.bhutto.org

سری لنکا کی سابق وزیراعظم مسز بندرانائیکے

سری لنکا کی سابق وزیراعظم مسز ہندرانائیکے نے پاکستان حکام سے اپیل کی ہے کہ سابق وزیراعظم بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔ انہوں نے اپنے پیغام میں کہا کہ مسٹر بھٹو نے سری لنکا کے عوام اور پاکستانی عوام کے درمیان محبت کے رشتوں کو مضبوط بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔

مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ

مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ریاستی اسمبلی کے اجلاس میں کہا کہ مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت سے پاکستان کے وقار میں اضافہ نہیں ہوگا۔ انہوں نے سزائے موت کو منسوخ کرنے کے لیے کہا۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ پاکستان میں پیش آنے والے حالیہ واقعات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انہوں نے بھارت کے ساتھ رہنے کا جو فیصلہ کیا وہ صحیح تھا۔

مولوی محمد فاروق

سرینگر میں مسلمانوں کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولوی محمد فاروق نے کہا کہ پاکستان کے سابق وزیراعظم کو دی جانے والی سزائے موت بہت سخت ہے۔ انہوں نے پاکستانی حکام سے اپیل کی کہ وہ سزائے موت پر عملدرآمد روک دیں اور مقدمہ کو نظرثانی کے لیے دوبارہ ہائی کورٹ کے پاس بھیجیں۔ جلسے میں مسٹر بھٹو کی حمایت میں زبردست نعرے لگائے گئے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم نے پاکستانی حکومت کو ایک پیغام بھیجا ہے جس میں اپیل کی گئی ہے کہ سابق وزیراعظم بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت پر عمل درآمد روک دیا جائے اور سزا پر نظرثانی کی جائے۔

عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن محمد علی کلے

اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے والے عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن محمد علی کلے

www.bhutto.org

نے اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان کے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی غیر مشروط رہائی کے لیے چلائی جانے والی تحریک میں حصہ لیں گے۔ مسٹر محمد علی نے کہا کہ وہ ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے اسلام کے مجاہد ذوالفقار علی بھٹو کی جان بچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات اسلامی انقلابی کونسل کے سینئر وائس چیئرمین سید ارشاد رضوی کے ساتھ تبادلہ خیالات کے دوران کہی۔ سید ارشاد نے نیویارک میں مسٹر محمد علی کے ساتھ اڑھائی گھنٹے ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران انہوں نے عالمی چیمپئن کو اس بے رحمانہ اور وحشیانہ سلوک کی تفصیلات سے آگاہ کیا جس کا نشانہ سابق وزیراعظم کو بنایا گیا اور جسے ''قانون ضرورت'' کا نام دیا گیا ہے۔

سینیٹر میک گوورن

امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کے سابق صدارتی امیدوار سینیٹر میک گوورن نے پاکستانی حکومت سے کہا ہے کہ سابق وزیراعظم بھٹو کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر پھانسی نہ دی جائے۔

ڈاکٹر محمد مہدی

اقوام متحدہ میں عرب امریکی تعلقات کمیٹی کے صدر ڈاکٹر محمد مہدی نے جنرل ضیاء پر زور دیا ہے کہ وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔

کینیڈا کا ایوان زیریں (ہاؤس آف کامنز)

اوٹاوا میں کینیڈا کے ایوان زیریں نے ایک متفقہ قرارداد منظور کی جس میں حکومت پاکستان سے کہا گیا ہے کہ سابق وزیراعظم کو دی جانے والی سزا کو بدل دیا جائے۔ ''یہ ایوان انسانیت کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو بدل دیا جائے۔'' قرارداد کینیڈا کے سابق وزیراعظم مسٹر ڈائفن بیکر نے پیش کی اور بغیر کسی مخالفت کے متفقہ طور پر منظور کی گئی۔

آسٹریلیا کی پارلیمینٹ

پارلیمینٹ سے خطاب کرتے ہوئے آسٹریلیا کے وزیر خارجہ مسٹر اینڈریو پیکاک نے کہا کہ پاکستان اور آسٹریلیا کے درمیان اچھے تعلقات ہیں اس کے پیش نظر ''ہمیں یقین ہے کہ مسٹر ذوالفقر علی بھٹو کی جان بچانے کے لیے ہماری اپیل کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں

www.bhutto.org

مداخلت نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا اور سابق وزیراعظم جو ایک زیرک رہنما اور دانشمند سیاستدان ہیں، کو رہا کر دیا جائے گا اور انہیں اپنے ملک کی ترقی کے لیے کام کرنے کا موقع دیا جائے گا۔'' مسٹر پیکاک نے کہا کہ آسٹریلیا کی پارلیمنٹ کے تمام ارکان نے پاکستان کے سابق وزیراعظم کی جان بخشی کے لیے متفقہ طور پر اپیل کی ہے۔

برطانوی ایوان زیریں

برطانوی پارلیمنٹ میں تمام سیاسی پارٹیوں کے ڈیڑھ سو سے زائد ارکان نے سابق وزیراعظم بھٹو کو پھانسی کی سزا دینے پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے ہر میجسٹی کی حکومت سے کہا ہے کہ وہ پاکستانی حکومت پر دباؤ ڈالے کہ اس سزا پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔

ان ارکان نے تجویز کیا کہ اس مطالبے کو قرارداد کی صورت میں برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے۔ روایتی طور پر اس قسم کی قراردادیں ایوان میں زیر بحث نہیں آیا کرتیں لیکن ارکان برطانوی وزیر خارجہ ڈاکٹر ڈیوڈ اوون سے پاکستان کی صورتحال پر سوال کریں گے۔

قرارداد میں برطانوی حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ حکومت پاکستان کو متنبہ کرے کہ اگر اس سزا پر عمل درآمد کیا گیا تو اس کا ردعمل انتہائی پُرتشدد ہوگا اور دنیا بھر میں اس سے پاکستان کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا۔

پولینڈ سٹیٹ کونسل

پولینڈ کے سفیر نے صدر فضل الٰہی چوہدری سے ملاقات کی اور انہیں پولینڈ کی سٹیٹ کونسل کے چیئرمین کا پیغام پہنچایا۔ جس میں کونسل اور اس کے چیئرمین نے پاکستان کے سابق وزیراعظم کو دی جانے والی سزائے موت کو دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور انسانی اقدار کے نام پر ختم کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ پولینڈ کی سٹیٹ کونسل کو سربراہ مملکت کا اختیار حاصل ہے۔

یونان

یونان کے وزیراعظم کارامانلس نے حکومت پاکستان سے اپیل کی ہے کہ مسٹر بھٹو کی جاں بخشی کر دی جائے۔ یہ اپیل اس وقت کی گئی جب یونان میں پاکستان کے سفیر سید واجد حسین نے وزیراعظم کارامانلس سے ملاقات کی۔

یہ چند ممالک دنیا بھر کے ان ملکوں میں سے ہیں جنہوں نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو

www.bhutto.org

کو دی جانے والی سزا کو ختم کرنے کی اپیلیں کیں۔ دنیا بھر کے تمام براعظموں کے تقریباً سبھی ممالک نے سزا ختم کرنے کی اپیلیں کیں۔ دنیا میں یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ایک آدمی کے لیے اتنی ساری آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور پاکستان کے عوام کو محض خراج تحسین ہی نہیں ہے بلکہ پاکستان کے لیے بھی باعث فخر ہے جس نے ایک عظیم رہنما کو جنم دیا جس کی خدمات کو دنیا بھر میں سراہا جاتا ہے۔

حق بات ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو آدمیوں میں عظیم آدمی اور رہنماؤں میں بڑے رہنما ہیں۔ ہر براعظم میں ان کا نام گھر گھر میں موجود ہے۔ دنیا نے اب تک جتنے بھی عظیم ترین رہنما پیدا کیے ہیں، ذوالفقار علی بھٹو ان میں سے ایک ہیں۔

یکم جنوری 1977ء

قومی اسمبلی کے آخری اجلاس میں احمد رضا قصوری کی تقریر

مسٹر سپیکر: مسٹر احمد رضا قصوری۔

قصوری: مسٹر سپیکر۔ سر۔ یہ میرا قابل فخر امتیاز ہے کہ میں ایک تاریخی موقع پر پارلیمنٹ سے خطاب کر رہا ہوں۔

مسٹر سپیکر: قومی اسمبلی سے خطاب کریں۔

قصوری: میں قومی اسمبلی سے ایسے تاریخی موقع پر خطاب کر رہا ہوں جب ہم پاکستان میں انقلابی زرعی اصلاحات کو متعارف کرا رہے ہیں۔ یہ ایک یادگار موقع ہے جس کے لیے ہاری اور اس ملک کے لاکھوں محنت کش لوگ منتظر تھے۔ یہ لوگ اس ملک کی تاریخ میں اس دن کے طلوع ہونے کے انتظار میں تھے۔ وہ دن طلوع ہو گیا ہے۔ یہ دن اس پارٹی کے ساتھ بے شمار توقعات کی وابستگی اور اس کی بے پناہ حمایت کے ساتھ طلوع ہو گیا ہے جس نے 1970ء کے انتخابات میں ''مانگ رہا ہے ہر انسان، روٹی کپڑا اور مکان'' کے نعرے کے ساتھ حصہ لیا تھا اور اس نعرے پر ان محنت کشوں نے وزیراعظم بھٹو اور ان کی پارٹی کو اختیار دیا تھا کہ وہ مسٹر بھٹو کے انقلابی پروگرام اور انقلابی سیاست کو نافذ اور رائج کریں۔ مسٹر سپیکر! اگر میں وزیراعظم اور ان کی حکومت کو پاکستان میں انقلابی اصلاحات کے نفاذ پر مبارکباد نہ دوں تو میں اپنے فرائض میں کوتاہی برتوں گا۔ مسٹر سپیکر! آپ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں راست باز اور کھرے آدمی کی شہرت رکھتا ہوں۔ میں

www.bhutto.org

ایوان کے اس طرف سے اس حکومت کا سخت نکتہ چین تھا۔ اس لیے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ جب میں اس حکومت کی تعریف کرتا ہوں تو یہ چاپلوسی ہے۔ میں کسی شخص کا خوشامدی نہیں بن سکتا۔ میں خوشامد کرنے والا آخری آدمی ہوں گا اس لیے کہ یہ چیز میرے خون میں نہیں ہے۔

مسٹر سپیکر: جہاں تک بل کا تعلق ہے، آپ کی اس بات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

قصوری: اس لیے مسٹر سپیکر، جب میں کہتا ہوں کہ یہ ایک تاریخی موقع ہے، وزیراعظم کا یہ اقدام تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں رقم ہوگا۔ اس ملک میں سے بہت سے وزرائے اعظم آئے۔ مستقبل میں بھی بہت سے وزرائے اعظم آئیں گے۔ لیکن موجودہ وزیراعظم، جو اس ملک کی ناؤ کو کھے رہے ہیں، کا نام تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔ بہت سے تاریخ دان پاکستان کی تاریخ لکھتے ہوئے جب اس دور پر آئیں گے تو وہ اس دور پر بہت سے ابواب رقم کریں گے اس لیے کہ مسٹر بھٹو نے انتہائی مشکل حالات میں اس ملک کی کشتی کے پتوار سنبھالے، اس قوم کے اعتماد کو بحال کیا، اسے مستحکم اور مضبوط کیا، اس کی بنیادوں کو مضبوط بنایا اور اس ملک کو نئے راستے دکھائے اور ان پر اسے چلایا۔ یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے اور اس کا سہرا اسی شخص اور اسی کی پارٹی کے سر پر بندھے گا۔

(قصوری نے وزیراعظم کی تعریف و توصیف میں یہ تقریر جنوری 1977ء میں کی۔ جولائی 1977ء میں قصوری نے وزیراعظم کے خلاف مقدمہ درج کرایا جس میں وزیراعظم پر الزام لگایا کہ انہوں نے اس (قصوری) کے والد کو قتل کیا تھا۔ آج یہی قصوری اسی انداز میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا ہے۔)

www.bhutto.org

BOOKS BY ZULFIKAR ALI BHUTTO SHAHEED

I AM NOT A ROOTLESS PHENOMENON. I AM NOT GOING TO RUN AWAY FROM MY COUNTRY. I AM NOT LEAVING MY ROOTS.
BHUTTO - SUPREME COURT OF PAKISTAN, DECEMBER 8, 1978

- POLITICAL SITUATION IN PAKISTAN.
- LET THE PEOPLE JUDGE.
- FOREIGN POLICY OF PAKISTAN.
- THE QUEST FOR PEACE.
- THE MYTH OF INDEPENDENCE.
- THE THIRD WORLD NEW DIRECTIONS.
- SPEECHES DELIVERED BEFORE TE U. N. O. (1957 - 1965)
- SPEECHES BEFORE THE SECURITY COUNCIL.
- THE GREAT TRAGEDY.
- IMPORTANT PRESS CONFERENCES. (1965)
- SPEECHES AND STATEMENTS (APRIL 1 - JUNE 30 1972)
- SPEECHES AND STATEMENTS (OCTOBER 1 - DECEMBER 31 1972)
- SPEECHES AND STATEMENTS (JANUARY 1 - MARCH 31 1973)
- RESHAPING FOREIGN POLICY.
- AWAKENING THE PEOPLE.
- MARCHING TOWARDS DEMOCRACY.
- MY DEAREST DAUGHTER.
- IF I AM ASSASSINATED.
- WITNESS TO SPLENDOUR.
- PAKISTAN AND THE ALLIANCES.
- COMMITMENT TO HISTORY.

اُردو

- اگر مجھے قتل کیا گیا
- افواہ اور حقیقت
- میری پیاری بیٹی
- آزادیٔ موہوم
- تیسری دنیا

CLASSIC

42 - THE MALL, LAHORE. 54000 PAKISTAN

www.bhutto.org